

اللہ تعالیٰ کی عشق و محبت پیدا کرنے والا عارفانہ کلام

ل

و

ک

ش

ک

شکرِ مجذوب

ماہنامہ خواجہ شمس الدین عظیمی ریسرچ سوسائٹی



ادارہ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملت، ان پکس، تان (061-4540513-4519240)

اللہ تعالیٰ کی عشق و محبت پیدا کرنے والا عارفانہ قلام

کسکریں مجذوب

مع اضافہ

اسلی ٹھہرن دوس جہت @ پیغام بیداری @ مسم کی بیداری
مستزادہ کی نوک جھونک @ نفیس فیب @ کاتب مجذوب و قلم
اسلامی جہا @ افغان بید

ماذظہر

ہوا جہ عزیز الحسن مجذوب

غلیظہ

کیم پیچہ المذہب محمد شریف لکھاوی اور شریفہ

محب

حضرت مولانا ظہور الحسن کسواوی رحمہ





جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب..... کشکول مجذوب
 جدید ترتیب..... محمد اٹخ مدنی
 تاریخ اشاعت طبع اول..... ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
 تاریخ اشاعت طبع الثانی..... ۱۴۲۵ھ
 ناشر..... ادارہ تالیفات اشرفیہ دہلی
 طباعت..... سلامت اقبال پریس ملتان

ضروری وضاحت
 ایک مسلمان دینی کتابوں میں دانستہ غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے ہمارے ادارہ میں مستقر شعبہ ترجمہ اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران غلطی کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتے ہیں اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون یقیناً حمد و ثناء کا مستحق ہے۔ (ادارہ)

ادارہ تالیفات اشرفیہ چک نورہ ملتان۔۔۔ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور
 مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور۔۔۔ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
 مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ۔۔۔ مکتبہ قائد شہید راجہ بازار راولپنڈی
 یونیورسٹی پبلیکیشنز خیبر بازار پشاور۔۔۔ دارالاشاعت اردو بازار کراچی
 ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST J.R (ISLAMIC BOOKS CENTRE)
 119-121 HALLWELL ROAD BOLTON BU3NE (U.K.)

ملنے
 کے
 پتے

الله



جسٹہ حقوق محفوظ بن

مکتبہ کنگول مجذوب
 جدید ترتیب محمد امجد ستانی
 تاریخ طبع و اشاعت تاریخ ۱۳۳۱ھ
 تاریخ اشاعت طبع اشانی ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ
 ہاشم ادارہ اشاعت اشرفیہ
 طبع ملامت اقبال پبلشنگ

ضرورت کی وضاحت
 ایک مسلمان اپنی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے نام کا قصور
 لکھی نہیں کرتا۔ انہیں کی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے نام کا قصور
 میں مستعمل شدہ قلم ہے اور کسی بھی کتاب کی اشاعت کے دوران غلطی کی وجہ سے یہ
 قلم اور غلطی کی وجہ سے یہ قلم ہے اور کسی بھی کتاب کی اشاعت کے دوران غلطی کی وجہ سے یہ
 غلطی کے وجہ سے یہ قلم ہے اور کسی بھی کتاب کی اشاعت کے دوران غلطی کی وجہ سے یہ
 اور وہ غلطی کی وجہ سے یہ قلم ہے اور کسی بھی کتاب کی اشاعت کے دوران غلطی کی وجہ سے یہ
 انہوں نے یہ قلم ہے اور کسی بھی کتاب کی اشاعت کے دوران غلطی کی وجہ سے یہ

ادارہ اشاعت اشرفیہ پبلشنگ - ادارہ اشاعت اشرفیہ پبلشنگ
 مکتبہ سید محمد شہید راجہ بازار لاہور - مکتبہ سید محمد شہید راجہ بازار لاہور
 مکتبہ شہید سید محمد شہید سکر راجہ بازار لاہور - مکتبہ شہید سید محمد شہید سکر راجہ بازار لاہور
 پبلشنگ پبلشنگ پبلشنگ پبلشنگ پبلشنگ پبلشنگ پبلشنگ پبلشنگ پبلشنگ پبلشنگ
 ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST C O E ISLAMIC BOOKS CENTRE
 119-121 HALLOWELL ROAD BOLTON LANCASHIRE (U.K.)

ح

ظاہر مطیع و باطن ذکر مداہن تیرا زندہ رہوں الہی ہو کر تمام تیرا
 بگڑے نظام دین کو کیسے بھی ٹھیک کر دے ہر دوسرا میں کیا کیا ہے انتظام تیرا
 باطن میں کیسے یارب بس جائے یاد تیری ہر دم ہے حضورِ دل ہو مقام تیرا
 مونس جو میری جاں کی فکر مداہن تیری ہدم ہو میرے دل کا فکر دوام تیرا
 دل کو گلی ہے دھن میل و نہاد تیری مذکور ہو زباں پر ہر صبح و شام تیرا
 مورد ہے یہ ہر دم تیری تجلیوں کا ہو جائے قلب میرا بیت المحراب تیرا
 سینہ میں ہو منتش یا رب کتابتِ ی جاری ہے زباں پر ہر دم کلام تیرا
 ہے خوبی و دو عالم اک حسنِ خاتمہ پر کرنا سرا اس جہم کا افس ہے کام تیرا
 رگ رگ میں تھروم ہو صدقِ نقیض گشت تیرے نبی کی وقعت اور احترام تیرا
 اپنے کم سے کرنا مجھ کو بھی ان میں شامل جن پر عذاب ہو گا یا رب حرام تیرا
 عشو میں ہو پہنچ کر اس تشنگی حاصل تیرے نبی سے ہاتھوں کوڑ کا جہاں تیرا

دونوں جہاں میں مجھ کو مطلوب ہی تو ہے

ہو نچتہ کار و وحدت مجددِ رب عالم تیرا

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد اول و مصلیٰ اعلیٰ۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ ہرذریعہ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ کے عارفانہ کلام کا دیوان بنام ”مکتکول مجذوب“ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس کا مطالعہ اہل معرفت کی حقیقی محبت و معرفت کو روچند کرتا ہے۔ آج نصف صدی گزرنے کے باوجود حضرت رحمہ اللہ کا یہ کلام برابر پڑھا اور سنا جا رہا ہے۔ خطباء، مبلغین، صوفیائے کرام اور عوام الناس اپنی مجالس میں حضرت کے اشعار سنا کر مسحین کے دلوں میں محبت الہی اور فکر آخرت کی چنگاری بھڑکاتے ہیں۔ خود بھی روتے ہیں اور دوسروں کو بھی رلاتے ہیں۔ خاص طور پر اصلی گھر اور مراقبہ موت بہت مقبول ہیں۔ اللہ پاک حضرت کے کلام کو ان کیلئے صدقات چار یہ بنائے اور باقیات الصالحات کے طور پر ان کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے۔

ادارہ کی طرف سے مطلوبہ ”مکتکول مجذوب“ کا یہ جدید ترین ایڈیشن آپ کے سامنے ہے۔

حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کے کلام کے عاشق اور خاص ترنم میں پڑھنے والوں میں حضرت مولانا نجم الحسن تھانوی رحمہ اللہ کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ جنہیں خود خواجہ صاحب کی مجالست و صحبت کا موقع ملا۔ آپ پڑھے ہوئے سترہم اشعار پر خود خواجہ صاحب نے بھی تقریبی اشعار لکھے اس کتاب کے شروع میں حضرت کے فیصلی دیباچہ خواجہ صاحب سے تعلق و محبت کی واضح علامت ہے۔ اس کتاب کے ساقیہ ایڈیشنوں میں کئی حضرات نے اشعار کی تصحیح کے سلسلہ میں معاونت فرمائی۔

فہمزاہم اللہ احسن الجزاء

زیر نظر جدید ایڈیشن کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ حضرت مولانا نجم الحسن تھانوی رحمہ اللہ کے ذوق شعری کا کثیر حصہ پائے والے آپ کے فرزند ارجمند جناب محترم انتظام فہیم الحسن تھانوی صاحب نے محنت بسیار سے ازاول تا آخر اس کی تصحیح فرمائی۔ جس پر حلقہ مجذوب کے تمام افراد اور ارکانین ادارہ ان کے بے حد مشکور ہیں اللہ پاک انہیں جزائے خیر عطا فرمائیں آمین

ادارہ کی حیثیت نقد و رکوش و تصحیح و تصحیح کے بعد بھی آپ اس میں کسی قسم کی غلطیاں یا کمیں تو ادارہ کو مطلع فرما کر اس کا خیر میں شمولیت اختیار فرمائیں اللہ پاک حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کے اس عارفانہ کلام سے ہم سب کو پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں آمین

وصلی اللہ علی حبیبہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

دا سلام محمد اعظمی عفی عنہ

شوال المکرم ۱۴۲۸ھ اکتوبر ۲۰۰۷ء

حضرت سیدی و مرشدی مولانا الحاج محمد شریف صاحب نور اللہ مرقدہ
(خلیفہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ)
نے حضرت مجدد تھانوی کی وفات کے بعد حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں تعلیم کے لیے لکھا
حضرت خواجہ صاحب نے تحریر فرمایا۔

(عکس تحریر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

سر اسرار خاں کی کیا جہت میں
تو ان بھی گویا کائنات میں تیرا
میں رہا ہوں سب سے پہلے
بلوچوں میں جو ان سب سے
بچھڑے ہوئے ہیں
نقل ارشاد ہے درمیان
ایک حود مکیں ہونے
امام کی برکت میں
نقل ہے بلوچوں کی

مفتی محمد شفیع صاحب
اسلام آباد
پس جب مالک نے آواز
میں۔ اہل علم و فضل
میں موجب اور انیت
اور ان کو ذکر سے
ادوات سنوں کے
تجلیہ چھلہ سادہ

اجمالی فہرست

صفحہ

۶	دیباچہ و تعارف
۴۷	کلام مجذوب
۲۹۹	اصلی گھر
۳۱۳	پیغام بیداری
۳۳۱	مسٹر اور ملا کی نوک جھونک
۴۰۹	مسلم کی بیداری
۴۴۱	نفیر غیب
۴۳۹	مکتوبات جمیل
۴۵۰	اسلامی سہرا
۴۵۹	نغان بیہ

دیباچہ

یہ دیباچہ ”ذکر مجذوب“ میں طبع ہوا تھا۔ اب حضرت مولانا نجم الحسن تھانوی مدظلہ نے اس میں مزید اضافہ فرمایا ہے۔ چونکہ اس دیباچہ میں حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کافی تعارف آگیا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کو سکتوں کے شروع میں لگا دیا جائے۔ بشکریہ ”ذکر مجذوب“

از----- حضرت مولانا نجم الحسن تھانوی مدظلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد و صلوٰۃ کے عرض ہے کہ یہ مختصر تذکرہ حضرت الحاج خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ خاص حضرت اقدس حکیم الامت مجدد الملت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کا کٹری جناب پروفیسر احمد سعید صاحب کے اصرار پر معرض تحریر میں آ رہا ہے۔ زیادہ تر ذاتی تاثرات کا مجموعہ ہے کیونکہ حضرت خواجہ صاحب کی بزرگانه شان کی معرفت تو انہی حضرات کو ہے جو خود اس مقام پر فائز اور دولت سے بہرہ ور ہیں۔ یہ تذکرہ تو حضرت خواجہ صاحب کے بقول :

نقل ارشادات مرشد میکم آنچہ مردم میبند بوزینہ ہم
اصل کی برکت سے لیکن کیا عجب نقل سے بھی ہو وہی فیض ائم

کا مصداق ہے۔

حضرت خواجہ صاحب نے اپنے شیخ و مرشد قدس سرہ کی جو سوانح حیات

(اور دراصل کتاب تصوف و سلوک) تین جلدوں میں تحریر فرمائی ہے اس کی آخری جلد کے آخری حصہ میں انہوں نے اپنے ذاتی حالات قلم بند فرمائے ہیں نیز اسی سوانح کے حصہ دوم میں حضرت شیخ قدس سرہ سے تعلق کا تذکرہ بہ تفصیل اپنے قلم مبارک سے فرمایا ہے۔

اسی عاجز نے حضرت خواجہ صاحب کو اس وقت سے دیکھا جب عمر کے ابتدائی دور میں تھا یعنی ۷-۸ سال کی عمر میں تھانہ بھون میں خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں جو حضرات مستقل قیام پذیر تھے یا کثرت سے آمد و رفت رکھتے تھے ان کی صورتیں چمن کے انسی لپام سے حافظہ میں نقش ہیں۔ ان میں شائد سرفہرست حضرت خواجہ کی صورت مبارک ہے۔ قد لمبا، کشیدہ، رنگ بے حد صاف، گورا، ڈاڑھی بالکل سفید، گھنی اور سیدھی، جسم دبلا پتلا، چھریا اور پھر پتلا، ناک نقشہ باریک، پرکشش، اور جاذب نظر لباس، وضع قطع اس طرح کہ کلیوں کا کرت، شرعی پاجامہ اور پانچ کلیا چکن یا ململ کی ٹوپی، طبیعت میں بے حد نفاست، نزاکت، صفائی اور سادگی، گرمی کے موسم میں عام طور پر اعلیٰ قسم کی چکن کے کرتے زیب تن فرماتے، نیچے آستین دار بیان پہنتے اور کہنی سے اوپر تک بانٹیں اس باریک کرتے سے مرمریں انداز میں جھلکتیں، سردی کے موسم میں انگرکھا یا شیروانی اور سر پر بظاہر جلدی میں بے توجہی سے باندھی ہوئی پگڑی، مگر خدا داد و کشش اور حسن میں کمی کیا ہوتی کئی گنا زیادہ ہو جاتی تھی۔ چہرے پر اس قدر نورانیت اور شخصیت میں ایسی جاویدیت اور کشش تھی کہ بنانے کو جی نہیں چاہتا تھا، بلا تشبیہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے کوئی فرشتہ نازل ہوا ہے اور زمین پر بے تکلف چل پھر رہا ہے، مزاج مبارک نہایت شگفتہ، چہرہ ہنس مکھ، طبیعت میں ہمہ وقت تازگی، جولائی، چستی، آنکھوں میں چمک اور معصومیت، باتوں میں مٹھاس، زبان نکسالی اور شیریں، اختر شیرانی نے تو کسی موقع پر چاند کی مدح سرائی کی تھی کہ :

مساب ہے یا نور کی خولیدہ پری ہے
الماس کی مورت ہے کہ مندر میں دھری ہے

مرمر کی صراحی مئے سیمیں سے بھری ہے
اور تیرتی ہے نیل کی موجوں کے سہارے
مگر خواجہ صاحب ”خولیدہ پری“ نہیں نیدار فرشتہ۔ الماس کی مورت نہیں بلکہ
الماس کا جیتا جاگتا جسم۔ اور مرمر کی وہ صراحی تھی جو ”مئے سیمیں“ سے نہیں بلکہ
”مئے عشق و محبت حقیقی“ سے لبریز تھی۔ پس یہ سمجھئے کہ ایک شمع تھی جس کے
گرد پروانوں کا جھوم رہا تھا۔

ان کی شاعری عام شاعری نہ تھی۔ وہ عام شعراء سے ہٹ کر اپنی طرز
کے اپنے انداز کے اپنی قسم کے اپنی شان کے نرالے اور بے مثال شاعر تھے۔
ان جیسا شاعر نہ اس سے پہلے دیکھا نہ اس کے بعد۔

چنانچہ جس نے بھی ایک مرتبہ ان کی زبان سے ان کا کلام سن لیا وہ نہ
صرف ان کے کلام کا عاشق اور گرویدہ ہو گیا بلکہ ان کی ذات سے بھی اس کو گہری
واہمی اور عقیدت ہو گئی۔ بڑے بڑے شعراء، سخن شناس اور اہل ذوق حضرات
ان کے حلقہ نمبین میں تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ پاک دہند کا کوئی بین الملکی (آل انڈیا)
مشاعرہ نامکمل اور ادھورا سمجھا جاتا تھا جب تک کہ اس میں حضرت خواجہ کی
شرکت نہ ہوتی اور اپنا کلام پیش نہ کرتے۔

ہر شخص اپنے مذاق اور مزاج کے مطابق ان کے کلام سے محفوظ اور لطف اندوز
ہوتا تھا۔ عارفین ان کے کلام کو نظر معرفت سے دیکھتے اور معرفت کی بلند یوں پر پائے
کے شعراء اور اصحاب ذوق ان کے کلام میں فن شعری باریکیوں اور نزاکتوں کو دیکھ کر سر
دھنتے اور اہل ذوق ان کے کلام میں حسن ذوق کی چاشنی پا کر لطف اندوز ہوتے۔

چنانچہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے شیخ کامل اپنے وقت کے مجدد اور حکیم الامت اور اپنے زمانے کے رئیس العارفین، رئیس الاقتیاء حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ بھی ان کے کلام عارفانہ سے محفوظ ہوتے اور فرمایا کرتے تھے کہ ”خواجہ صاحب کا کلام حال ہی حال ہے“ قال کا نام نہیں کیونکہ قال میں یہ اثر ہوتا ناممکن ہے۔“

ایک دفعہ حضرت نے خواجہ صاحب سے فرمایا کہ خواجہ صاحب! آپ کا ایک شعر مجھے اتنا پسند ہے کہ میرے پاس اگر ایک لاکھ روپیہ ہوتا (جواباً مبالغہ آج کے ایک کروڑ روپے کے برابر تھا) تو میں آپ کو اس شعر کے انعام کے طور پر دے دیتا۔ جب یہ شعر میری زبان پر آتا ہے تو میں اس کو کم سے کم تین دفعہ تو ضرور پڑھتا ہوں۔

کیوں نہ ہو؟ وہ تو اعلیٰ درجے کے صاحبِ حال، صاحبِ ذوق اور خود اعلیٰ درجے کا شاعرانہ ذائقہ رکھتے تھے۔ اس لئے اس شعر کا ان پر جو اثر ہوتا ہوگا، ہم بے ذوق اس کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ شعر یہ ہے :-

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی

اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

غور فرمائیے کہ اس شعر کا صحیح لطف وہی شخص اٹھا سکتا ہے جس نے خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے ساری دنیا کو چھوڑ دیا ہو اور محبوبِ حقیقی کی طلب میں سب کچھ نگاہوں سے گرا دیا ہو۔ جیسا کہ خواجہ صاحبؒ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ :-

ساری دنیا کی نگاہوں سے گرا ہے مجذوبؔ

تب کہیں جا کے حیرے دل میں جگہ پائی ہے

اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ :-

دے چکا ہوں دونوں عالم سے کشو

یہ گرام سے تم سے کیا لی جائے گی
غرض! حضرت حکیم الامتؒ کی یہ شہادت کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ حضرت
خواجہ صاحب کے کلام کے لئے بڑی سند ہے۔

حضرت کے پسندیدہ شعر کے ہم مضمون کئی شعر دیگر شعراء کے اس
وقت ذہن میں آرہے ہیں لیکن ان سے ایک شعر جو اردو کے بلند پایہ شعر جناب
جگر مراد آبادی کا ہے پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آ جاؤ کہ اب خلوت غم خلوت غم ہے

اب دل کے دھڑکنے کی بھی آواز نہیں ہے
غرض یہ کہ حضرت خواجہ صاحب کا کلام ایک طرف عارفانہ شان لئے ہوئے ہے
تو دوسری طرف اودیت و شعریت سے بھرپور ہونے کے ساتھ ساتھ بے پناہ
روانی اور بے ساختگی کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شعراء کے مجمع میں ہمیشہ وہ مرتز
نئے رہے۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود دوسرے ہم عصر اور قدیم شعراء کے اچھے
کلام کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور بڑی ستائش کے ساتھ نقل فرماتے۔

ایک مرتبہ تھانہ بھولن میں ہمارے گھر کے مردانے میں تشریف رکتے
تھے۔ کرسی پر پاؤں دراز کئے۔ ہاتھ میں تنبیج لئے کچھ سنگار ہے تھے فرمانے لگے
کہ شوکت تھانویؒ کا ایک شعر مجھے بہت ہی پسند ہے۔

ہر انسان فرض انسانی سے غافل ہوتا جاتا ہے

زمانہ آگ دے دینے کے قابل ہوتا جاتا ہے

اشعار ترنم سے پڑھتے تھے آواز میں بلا کا سوز، غضب کی تاثیر اور بے پناہ
کشش تھی اپنا کلام سنائے کا انداز بھی ایسا نرالا بنے ساختہ اور جاذب تھا کہ جو اپنی
نظیر آپ ہے، گھنٹوں مسلسل کلام سناتے رہتے اور سامعین سے دباو لیتے رہتے اور
جوش میں آکر مزید سناتے رہتے نہ تھکتے تھے نہ آواز میں تغیر پیدا ہوتا نہ ہمت میں

کئی ہوتی نہ محفل کی دلچسپی میں۔ خود سامعین دیوانہ وار اسی طرح گھنٹوں بیٹھ رہتے۔ عام طور پر یہ مجالس اس وقت ختم ہوتیں جب نماز کا کیا کھانے کا وقت آجاتا۔ شعر کو کئی دفعہ اپنے خاص انداز میں ترنم کے ساتھ دہرایا اور فرمایا کہ میں نے بھی اس ردیف و قافیہ میں غزل کہی ہے۔ چند اشعار سنائے۔

نگاہ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے
مری نظروں میں پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے
بہ مقدار جنوں مجذوب عاقل ہوتا جاتا ہے
کہ ہوش اپنا تو زائل، لہن کا حاصل ہوتا جاتا ہے
قدم مجذوب کے ہٹتے نہیں بڑھتے ہی جاتے ہیں
رفیق اک اک جدا منزل بہ منزل ہوتا جاتا ہے

ایک مرتبہ اپنا یہ شعر ترنم کے ساتھ پڑھ رہے تھے اور محفوظ ہو ہو کر بار بار دہرا رہے تھے۔

زیست کیا ہے لہدائے درد دل
موت کیا ہے انتائے درد دل

ماموں شبیر علی صاحب بھی تشریف فرما تھے بولے کہ غالب نے بھی اس مضمون کو بولا کیا ہے۔ استفاد فرمایا کہ کیسے؟ ماموں صاحب نے شعر پڑھا۔

قید حیات و مدد غم اصل میں را

سن کر پھر کٹھن اٹھے تڑپ گئے اور بولے کہ غضب کر دیا واقعی استاد استاد ہی ہے۔ میرا شعر پھیکا پڑ گیا۔ اسی طرح کوئی شخص ترنم سے اگر شعر پڑھتا تو اس کو بھی بہت پسند فرماتے اور بڑے ذوق و شوق سے سنتے رہتے۔ وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ چنانچہ میرے ایک بھائی جناب کاظم صاحب فاروقی تھانوی جو شعر و سخن کا بہت اچھا ذوق رکھتے ہیں انہوں نے ایک مرتبہ خواجہ صاحب کے اشعار اپنے

انداز میں ترنم سے پڑھ کر سنائے 'خواجہ صاحب' بے حد محفوظ ہوئے اور بار بار فرمائش کرتے رہے اور دیر تک ان سے اپنا کلام سنتے رہے۔ میرے یہ بہوئی انگریزی تعلیم یافتہ ہیں اور سگریٹ کے بھی عادی ہیں انہوں نے ایک دفعہ ان کے سامنے سگریٹ پینے کے لئے احتراماً اجازت چاہی اور معذرت کے انداز میں فرمایا کہ صاحب مجھے اس کی عادت ہے اس لئے مجبور ہوں ورنہ آپ کے سامنے گستاخی معلوم ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب نے نہایت خندہ پیشانی سے اجازت دے دی اور فرمایا کہ بس آپ پیئیں مگر ہمیں نہ دیں اور یہ شعر فرمایا:-

نہ لول گامیں سگریٹ، وہ دیں جتنا چاہیں
کہ میں کھینچتا ہوں دھواں دھار آئیں

اسی سلسلے کی ایک طویل کڑی یہ بھی ہے اور دراصل اس تحریر کا محرک یہی کڑی ہے کیونکہ دیگر حالات اور اشعار تو حضرت خواجہ صاحب کے مدون بھی ہیں اور نیز متحدہ حضرات کی زبان پر جاری و ساری بھی۔ مگر ان کی زندگی کا یہ گوشہ جس کا تعلق اس عاجز کے خاندان سے ہے صرف اس خاندان کے چند لوگوں کے گوشہ یاد میں محفوظ ہے۔ اس میں سے بھی کئی حضرات اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ اگر کچھ عرصہ مزید گزر گیا تو شاید اس داستان کا سنانے والا بھی کوئی نہ رہے۔

اس لئے جی چاہتا ہے کہ یہ واقعات ذرا تفصیل سے قلم بند کر دیئے جائیں تاکہ حضرت خواجہ سے تعلق رکھنے والے حضرات خصوصاً اور اہل ذوق حضرات عموماً اس سے محفوظ ہوں کہ:-

نور شہ بہا ندسیہ بر سفید

نوبہدہ را نیست فردا امید

اور :- یوں الخط فی القرطاس دھرا

و کاتبہ ریمم فی التراب

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہم کی سوانح مرتب کرنے کی لگن میں حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنی ملازمت سے تین سال کی رخصت لی اور مستقل تھانہ بھون میں قیام فرمایا۔ یہ تین سال کا عرصہ خصوصیت سے ایسا ہے کہ اس عاجز کو ہر طرح سے ان کا قرب و تعلق رہا اور ان کی شفقتوں اور توجہات سے بہرہ مند ہونے کا موقع ملا۔ اس وقت احقر کی عمر ۱۳-۱۴ سال کے لگ بھگ تھی۔ جس ماحول میں زندگی گزری وہ اس قدر مختلط تھا کہ اس عمر میں مجھے زندگی کی ضروریات تک کا علم نہ تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر طبیعت میں بے حد شرم، حجاب، جھجک اور عجز و انکسار تھا۔ جس کو آج کل کی اصطلاح میں احساس کمتری کہتے ہیں اسی زمانہ میں میرے سب سے بڑے بھائی جناب حافظ سید شمس الحسن صاحب تھانوی مدت فیوضہم کی شادی خانہ آبادی حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ کی صاحبزادی مرحومہ کے ساتھ ہونا قرار پائی۔ والد صاحبؒ کے وصال کے بعد ہم ماموں صاحبؒ موصوف کی ہی زیر نگرانی رہے اور ایک ہی جگہ اس طرح کہ گھر اگرچہ الگ الگ تھے مگر عملاً متحد ہی تھے۔ یعنی ایک مردانہ حصہ درمیان میں تھا اور اس کے دونوں طرف دو زمانے مکان تھے۔ ایک میں ہم رہتے تھے اور ایک میں ماموں صاحبؒ۔ مردانہ مکان مشترک تھا۔ اور دونوں گھروں سے اس میں راستہ تھا۔ یہ شادی ماہ نومبر ۱۹۳۵ء شعبان ۱۳۵۴ھ میں ہوئی۔ والدہ صاحبہ مدظلہا نے حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ شمس الحسن سلمہ کی شادی ہو رہی ہے اس کے لئے سہرا لکھ دیجئے۔ خواجہ صاحبؒ نے اس پر خاص توجہ نہ فرمائی اور جواب میں کہلادیا کہ میں سوانح کی ترتیب میں اس قدر مصروف ہوں کہ اس کام کا وقت نکالنا بہت مشکل ہے، وقت گزر تا گیا۔ جب شادی کی تاریخیں قریب آگئیں تو والدہ صاحبہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے گھر تشریف لے گئیں اور ان کی اہلیہ سے کہہ آئیں کہ

شادی کے موقع پر سرائہ ملا تو آپ سے لڑائی ہو جائے گی۔ چنانچہ شادی سے کچھ روز یعنی تقریباً دو چار روز قبل حضرت خواجہ صاحبؒ نے اس طرف توجہ فرمائی اور شادی کے دن ایک بوے گتے پر خوشخط کاتب سے لکھوا کر ”اسلامی سہرا“ پیش کیا۔ مجھے یاد ہے کہ صبح ہی صبح لے کر تشریف لائے اور مردانے میں دری پر بیٹھ کر چند حضرات کی موجودگی میں پورا سہرا خود پڑھ کر سنایا۔ اسی انداز میں اور اسی ترم میں جو ان کا طرہ امتیاز تھا اور جو ابھی تک کانوں میں اسی طرح گونج رہا ہے کہ جیسے سامنے بیٹھے پڑھ رہے ہیں۔ ہر ہر شعر پر سامعین جھوم اٹھتے اور بار بار پڑھا جاتا۔ یہ سہرا ادب اور شعریت کے لحاظ سے اس قدر بلند ہے کہ اس کے لئے درمیان میں ایک واقعے کا نقل کرنا مناسب ہو گا جو میں نے حضرت خواجہ صاحبؒ ہی سے اس وقت سنا جب یہ محفل سوئی ہو چکی تھی، یعنی بھائی صاحب مدظلہ کی اہلیہ کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ یعنی ہمارا گھر اور وطن دونوں ویران ہو چکے تھے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ کا وصال بھی ہو چکا تھا۔ اور حضرت خواجہ صاحبؒ آخری دفعہ تھانہ بھون تشریف لائے ہوئے تھے۔ اور احقر ان کے ساتھ ساتھ رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ ایک روز دوپہر کے کھانے پر ذکر فرمایا کہ اللت پور میں آل انڈیا مشاعرہ تھا، میں بھی مدعو تھا۔ مگر میں نے انکار لکھ بھیجا۔ اس طرف سے اصرار ہوتا رہا۔ مگر میں نے انکار ہی کیا۔ اتفاق یہ کہ عین مشاعرے کے دن مجھے کسی کام سے اللت پور جانا پڑا۔ مشاعرہ رات کے وقت تھا۔ اور پشاور سے لے کر کلکتہ اور بمبئی تک کے چوٹی کے شعراء مدعو تھے۔ اس لئے دل چاہے کہ مشاعرہ میں جا کر شعراء کا کلام سنوں۔ چنانچہ پہنچ گیا۔ دیکھا کہ بہت بڑا پنڈال ہے جو حاضرین سے کھپا کچھ بھرا ہوا ہے۔ اسٹیج پر بھی تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ بڑے بڑے نامور شعراء اپنے کلام کے جوہر دکھانے کو حاضر ہیں۔ میں بھی مجمع میں چھپ کر پیچھے بیٹھ گیا۔ مشاعرہ شروع ہوا۔ صدارت کسی بہت بڑے ہندو شاعر

کی تھی۔ میں شعراء کا کلام سنتا رہا اور محفوظ ہوتا رہا۔ مجھے کسی نے پہچان لیا اور اسٹیج پر چٹ بھیج دی کہ مجمع میں خواجہ عزیز الحسن صاحب مجددی موجود ہیں۔ کوئی صاحب غزل پڑھ رہے تھے کہ یکایک ان کو روک کر صدر مشعرہ نے اعلان کیا کہ معلوم ہوا ہے کہ خواجہ صاحب اس مجمع میں تشریف رکھتے ہیں، لہذا ان سے درخواست ہے کہ وہ اسٹیج پر تشریف لے آئیں۔ خواجہ صاحب فرماتے تھے کہ یہ سن کر مجھے بہت پریشانی ہوئی اور میں حیران تھا کہ اب یہ کیوں؟ کیونکہ بہت عام حالت میں تھا۔ کپڑے بھی مینے اور مشاعرے کی شرکت کی تیاری بھی کچھ نہیں۔ ابھی اسی کشمکش میں تھا کہ آواز آئی صاحب تشریف لے آئے کیونکہ مشاعرے کا کارروائی اس وقت تک شروع ہی نہ ہو گئی جب تک آپ اسٹیج پر تشریف نہ لائیں گے۔ اگر دیر فرمائیں گے تو پھر ہم خود آپ کو تلاش کر لیں گے۔ فرماتے تھے کہ چارونچار مجھے جانا پڑا۔ جیسے ہی انھیں سارے مجمع میں تالیاں اور نعرے گونجنے لگے۔ اسٹیج پر پہنچا، سب کھڑے ہو گئے اور بہت خوش ہوئے۔ جو صاحب غزل پڑھ رہے تھے اب انہوں نے اپنی غزل پوری کی۔ اور اس کے بعد مجھ سے غزل کی فرمائش ہوئی۔ میں نے کہا طرحی مشاعرہ ہے اور میں نے اس پر کوئی غزل نہیں کہی۔ اس لئے مجھے معاف رکھا جائے۔ مگر میرا کوئی غزل نہ سنا گیا۔ اور باتفاق یہ مطالبہ ہوا کہ آپ تمام پانہویوں سے مستثنیٰ ہیں۔ اپنی کوئی بھی غزل سنا دیجئے۔ غرض میں نے اپنی ایک مرصع غزل سنائی۔ ہر شعر پر سب حدِ اولیٰ اور بار بار پڑھوایا گیا۔ شعراء نے تو اپنے کو بیٹ لیا اور کہا کہ خواجہ صاحب! یہی الفاظ اور تراکیب ہم باندھتے ہیں تو شعر آسمان سے اونچا ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ غزل کے چند شعر نقل کرنے کو بے ساختہ جی چاہتا ہے جو حضرت خواجہ صاحبؒ سے سنے ہوئے حافظے میں رہ گئے ہیں۔

کوئی مزا مزا نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں
 ترے بغیر زندگی موت ہے، زندگی نہیں
 میٹھا! یہ تو میٹھی زندگی ہے میٹھی نہیں
 آنکھوں سے تم نے پی نہیں آنکھوں کی تم نے پی نہیں
 بیٹھا ہوں میں جھکائے سر نیچی کئے ہوئے نظر
 بزم میں سب سسی مگر وہ جو نہیں کوئی نہیں
 شیشہ ہے جام ہے نہ خم اصل تو ردقیں ہیں گم
 لاکھ تبا رہے ہو تم بزم ابھی تھی نہیں
 دل ہے امید و دم میں کشمکش عظیم میں
 پیٹھے ہوئے حریم میں ہاں ہے کبھی کبھی نہیں
 ٹھہرے گا دل تھیں کے اٹک آہ مگر ابھی نہیں
 غم ہے یہ دل تکی نہیں رونا ہے یہ مٹی نہیں

بہر حال مشاعرہ ختم ہوا اور اب رات کے ڈیڑھ دو بجے تھے کہ سب
 شعراء مل بیٹھے۔ لکھنؤ کے ایک بہت بڑے شاعر (جن کا نام خواجہ صاحب نے لیا
 تھا لیکن میں بھول گیا) اور پورے ہندوستان میں سر اسنے میں استاد مانے جاتے
 ہیں اور کوئی ان سے مقابلے میں سر انہیں کہہ سکتا۔ انہوں نے خواجہ صاحب سے
 کچھ حریفانہ چٹمک کے انداز میں خود اعتمادی کے تاز کے ساتھ کہا کہ ”سنا ہے کہ
 خواجہ صاحب! آپ نے سر الکھا ہے“ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ صاحب! میں
 کیا سر الکھ سکتا ہوں۔ پس یہ سمجھئے کہ تک بندی کی ہے۔ بولے کہ سنا ہے۔ خواجہ
 صاحب نے فرمایا کہ آپ اس فن کے متفقہ استاد ہیں۔ آپ کے سامنے اپنا سرا
 سنا دعوے کی صورت ہے اور مجھے دعوے ہے نہیں۔ اس لئے بے ادبی سے
 معاف کیا جاؤں تو عین نوازش ہو مگر وہ نہیں مانے اور سب نے اصرار کیا اس لئے

سناتا پڑا۔ خواجہ صاحب کا بیان ہے کہ وہ صاحب جو اس فن کے استاد ہیں، ہر ہر شعر پر نوپ گئے اور ایک ایک شعر کو چار چار پانچ پانچ دفعہ اور بعض کو دس دس دفعہ سننا شعر سن کر اچھل پڑتے تھے اور اپنے آپ کو پیٹ لیتے تھے اور کہتے تھے کہ غضب کر دیا۔ کہاں سے لائے یہ تشبیہیں اور کیسے ترتیب دیا ان مضامین کو۔ بقیہ رات اسی میں گزر گئی اور سراسر اکمل نہ ہوا۔

اس نرسلے سرے کے چند اشعار نقل کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یہ ذہن میں ہے کہ نوشہ کا نام ”شمس“ یعنی آفتاب ہے اور وہ عالم دین، حافظہ قاری، وضع قطع میں مشرع اور جوان صالح ہے۔ پھولوں کا سر امانا کر باندھنا خلاف شرع ہے۔ اس لئے ایک عالم باعمل سر اکیسے باندھ سکتا ہے۔ لہذا شاعر کا تخیل یہ ہے کہ چونکہ فضل و ہنر اور علم کی دولت سے مالا مال ہے اس لئے سروں سے بڑھ کر ہے۔ اب اسی تخیل کو ذہن میں رکھئے کہ نوشہ کے سر پر رسی اور غیر شرعی سرا نہیں ہے مگر حضرت خواجہ صاحب نے کتنے حقیقی اور معنوی سرے باندھے ہیں کہ جس سے ظاہری سرے کی نہ کوئی ضرورت رہتی ہے نہ حقیقت۔۔۔

تجھے ہر گز نہیں درکار اے شمس الحسن سرا
تجھے ہے خود ترا فضل و ہنر اور علم و فن سرا
کوئی سرا نہیں پھر بھی ڈھکا بیٹھا ہے سروں سے
کہ شمس حسن تو ہے، حیرتی ہے ہر ہر کرن سرا
ہر ایک جانب سے ایک بارش تار نظر تجھ پر
تیرے سر باندھتی ہے انجمن کی انجمن سرا
تجھے حاجت ہی کیا ان عارضی پھولوں کے سرے کی
کہ تو وہ گلدن ہے جس کا ہے سارا بدن سرا
فضیلت کا عمامہ تجھ سے کرتا ہے یہ سرگوشتی

کہ میں ہوں سراج سر میں ہوں ترالے جان من سرا
 کلام اللہ جب پڑھتا ہے منہ سے پھول جھرتے ہیں
 خوش الحانی کا تیرے سر ہے اے شیریں دہن سرا
 سلیا جاتا ہے دل میں کھبا جاتا ہے نظروں میں
 یہ لطف آتا کہاں رخ پر جو ہوتا جان من سرا
 دکھاتی ہے غضب کا بائگن یہ ساوگی تیری
 بھلا کوئی دکھا سکتا ہے ایسا بائگن سرا
 بدت سکتا ہے رسم کفر کیوں کر مولوی ہو کر
 میرا نوشاہ کیوں باندھے ترالے برہمن سرا
 یہ وہ سرا نہیں جو بعد شادی کے اتر جائے
 رہے گا پاس یہ تا عمر شمل جان و تن سرا
 وہ یوم کامرائی ہے کہ ہوتا آج اگر تو بھی
 جائے قیشہ تیرے سر پر ہوتا کوہن سرا
 خوشی ہے ہر کہ وہ کہ خوش ہو ہو کے گاتے ہیں
 ادھر تو بلبل و قمری ادھر زاغ و زغن سرا

حضرت خواجہ صاحبؒ نے اس سرے میں اپنے شیخ کا (جو اس صدی

کے مجدد بھی تھے) ذکر فرمایا ہے اور ان کی اس شان کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

صدی بھی چودھویں اور چودھویں کا چاند ہے تو بھی
 ادھر اس صدی کا ہے شبہ تھانہ بھون سرا
 بیفین مولوی معنوی تھانوی میں نے
 حمد اللہ کہا ہے 'ور خور تھانہ بھون سرا
 ابھی تک سب سے تھے ممتاز سرے ذوق و غالب کے
 مگر آج ان پہ بھی مجذوب کا ہے خندہ زن سرا

غرض یہ کہ ذکر ہو رہا تھا کہ عین شادی کے روز خواجہ صاحبؒ سرالکھ کر دے گئے۔ راقم کو چونکہ انہی کے انداز میں پڑھنے کی خوب مشق تھی اس لئے یہ سرالکھ میں اور اس کے بعد جگہ جگہ مجھ ہی سے سنا جاتا۔ چند روز بعد رفتہ رفتہ اس امر کی اطلاع حضرت خواجہ صاحبؒ کو بھی ہو گئی کہ یہ لڑکا سرالکھ میں طرز و انداز میں پڑھتا ہے۔ چنانچہ خواجہ صاحبؒ نے سننے کی خواہش ظاہر فرمائی مگر حجاب شرم اور ندامت کی وجہ سے کسی طرح ان کے سامنے زبان ہی نہ کھلتی تھی۔ آخر کئی روز کے بار بار اصرار و ٹکراؤ سے زبان کھلی اور بادلِ خواستہ دھڑکتے ہوئے دل اور لرزتے دُرتے سر اسنا شروع کیا۔ خواجہ صاحبؒ نے بے حد قدردانی فرمائی اور بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد تقریباً روزانہ بلکہ دن میں کئی کئی بار یہ مشغلہ رہا کرتا کہ خواجہ صاحبؒ گھر پر تشریف لے آتے اور بڑے بھائی صاحبان اور یہ عاجز سب مردانے میں بیٹھ جاتے اور سر اُڑھا اور سنا جاتا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ بھی جتہ جتہ پڑھتے رہتے اور مجھ سے بھی سننے رہتے۔ کہیں کہیں طرزِ اول اور لب و لہجے میں اصلاح بھی فرماتے۔ ۵۴۰ شعر تھے سرے کے۔ اگرچہ روزانہ یا ہر مجلس میں قوسب کے سب نہ پڑھے جاتے مگر بہر حال اس کی وجہ سے محفلِ شعر و سخن خوب گرم رہتی اور اس تقریب سے خواجہ صاحبؒ اپنا کلام سناتے رہتے۔ سر اسنانے پر ایک شعر بھی فرمایا۔

کچھ اس انداز سے گاتا ہے نجم الحسن سرا

کہ سننے لگتا ہے سن کے مرا ہر موئے من سرا
ایک روز فرمانے لگے کہ آپ صرف سر اُڑھی سنا سکتے ہیں یا دوسرے بحر کے اشعار بھی پڑھ لیتے ہیں۔ بھائی صاحب نے بتایا کہ یہ آپ کی ہر غزل کو آپ کے طرز سے پڑھ سکتا ہے اس پر تو وہ بہت خوش ہوئے اور اس کے بعد سے ہر مجلس میں سرے کے ساتھ اپنے اشعار بھی ذوق و شوق سے سنتے رہتے اور سارا

وقت اسی میں ختم ہو جاتا۔ ساتھ ساتھ خود بھی پڑھتے رہتے۔ سبحان اللہ! صاحب حال صاحب ذوق صاحب دل سبھی کچھ تھے۔ ایک روز ضمیر علی مرحوم (میرے ماموں زاد بھائی) نے ایک غزل سنائے کی خواہش ظاہر کی کہ:

جی اٹھے مردے تری آواز سے

اس فرمائش پر خواجہ صاحب کو بڑا تعجب ہوا کہ اس غزل کا ان کو کیسے علم ہوا؟ مگر ہمارے تومارے گھر آنے کو ان کے اشعار نوک زبان تھے اور سب ہی ان کے کلام کے دلداد تھے۔ سرالکھنے کے بعد خواجہ صاحب نے ایک مبارک بادی بھی لکھی جس میں نوشہ کو خطاب فرمایا۔

اے نوشہ تجھے شادی مبارک ہو مبارک ہو
یہ قید غم سے آزادی مبارک ہو مبارک ہو
دلہن لاتی ہے کتنا ساز و سامان شکر کر نوشہ
ترے گھر آئی شہزادی مبارک ہو مبارک ہو
وہ ڈولے سے جب اتری گھر کا گھر سب جگمگا اٹھا
تری تقدیر چمکا دی مبارک ہو مبارک ہو
جو ماموں، خسر بھی، مشفق بھی، حسن بھی
تجھے ایسے کی دلدادی مبارک ہو مبارک ہو

اس مبارک بادی کے بعد غالباً اٹھارہ شعر تھے جس میں زیادہ تر دلہن کو سراہا ہے۔ کچھ روز بعد فرمایا کہ صاحب کہیں خدا انخواستہ دلہن کے دل میں بغب پیدا نہ ہو جائے اس لئے دلہن کو مخاطب کر کے فرمایا۔

شکر کر تو بھی تری قسمت بھی جاگ اٹھی

کہ سید سے ہوئی شادی مبارک ہو مبارک ہو

بڑی عزت تو یہ پائی کہ عالم کے گھر آئی
 جو ہو گا خلق کا بادی مبارک ہو مبارک ہو
 نسب دونوں کا ہے عالی وہ سید ہے تو فاروقی
 وہ شہزادہ ہے تو شہزادی مبارک ہو مبارک ہو
 غم کا نہیں عادی طبیعت اس کی ہے سادی
 رہے گی خوب آزادی مبارک ہو مبارک ہو
 بچھی کو مل گیا شوہر حلیم ایسا سلیم ایسا
 بچھی ہیں ورنہ فریادی مبارک ہو مبارک ہو
 تصور میں بھی جو تیرے نہ آتی تھی وہ خالق نے
 تیرے پہلو میں بٹھلا دی مبارک ہو مبارک ہو
 ہوا بھی جس حیا والی کی پاؤں غیر ممکن تھا
 وہ حق نے گھر میں پہنچا دی مبارک ہو مبارک ہو
 غم دوری نے ڈورے بچ میں ڈالے بہت لیکن
 بالآخر ہو گئی شادی مبارک ہو مبارک ہو
 بہت درپے رہا پیر فلک لیکن ہوں اللہ
 چچی اس کی نہ استادی مبارک ہو مبارک ہو
 خدا کی یہ بھی رحمت ہے کہ اک مجذوب کے منہ سے
 دعا دونوں کو دلوادی مبارک ہو مبارک ہو
 کچھ روز تک اس مبارک بادی کا خوب چرچا رہا۔ سرائیکھا گیا تھا والدہ کی
 فرمائش پر۔ اس لئے والدہ صاحبہ نے شادی کے کچھ روز بعد ایک سینی میں امرتیاں
 لگا کر خواجہ صاحب کے گھر بھیج دیں۔ دوسرے روز خواجہ صاحب ایک کاغذ پر یہ
 قطعہ تحریر فرما کر وے گئے۔

سنی بھری جو گھر میرے بھیجیں امرتیاں
 اجنی خوشی ہوئی کہ کروں اس کا کیا بیاں
 میرے حقیر سرے کی یہ قدر داناں
 کتا ہوا پھرتا ہوں گھر گھر یہاں وہاں
 مجھ کو صلے میں سونے کے کلگن عطا ہوئے
 اور ایک دو نہیں کئی درجن عطا ہوئے

ایک روز صبح صبح تشریف لائے۔ نماز فجر بعد کا وقت تھا اور ہم سب بھائی
 سر کو نکلے ہوئے تھے۔ اس لئے انتظار میں باہر تشریف فرما رہے۔ سخت سردی کا
 موسم تھا۔ رضائی لوڑھے کرسی پر سر انگٹا رہے۔ ماموں شبیر علی صاحب
 کے مکان سے نوکرانی کسی کام سے باہر آئی تو دیکھا کہ خواجہ صاحب تشریف فرما
 ہیں اور اشعار نگار ہے ہیں۔ اندر جا کر بتایا تو ممانی صاحبہ نے ایک سینی میں ناشتہ
 لگا کر ان کے لئے بھیجا۔ خواجہ صاحب نے ناشتہ کیا ہم لوگوں کو لوٹنے میں دیر
 ہوئی۔ اس لئے ناشتہ کر کے ناامید ہو کر واپس تشریف لے گئے اور دس بجے کے
 قریب دوبارہ تشریف لائے ہم سب حاضر ہوئے اور حسب معمول نکلے۔ شعر
 سخن شروع ہوئی۔ حضرت خواجہ صاحب نے ایک کاغذ پر دو شعر لکھے ہوئے
 عنایت فرمائے کہ یہ مولوی شبیر علی صاحب کے گھر بھیجوا دیے۔

دلہن کے در پہ سرا میں نے اس انداز سے گایا
 کہ فوراً گھر سے مجھ کو پر تکلف ناشتہ آیا
 مزے لے لے کھاتا ہوں دعا میں دیتا جاتا ہوں
 خدا کا شکر ہے، محنت کا ثمرہ میں نے بھر پایا

سردی کا موسم تو تھا ہی ایک روز رات کو ہم سب جمع تھے۔ سر اسٹایا جا رہا
 تھا۔ چائے نوشی ہو رہی تھی کہ ممانی صاحبہ موصوفہ نے دھکتی ہوئی انگلیٹھی ہاتھ

سینکے کے لئے بچھ دی تاکہ سردی میں کمی ہو۔ خواجہ صاحب بہت مظلوم ہوئے اور بڑی قدر فرمائی اور یہ شعر کہے۔

انگلیٹھی تم نے انگاروں بھری کیوں ہائے بھجوا دی
دہکتی آگ سینے کی مرے اف اور بھوکا دی
کیا تھا کم ہوائی مشکل سے جوش اشعار پڑھنے کا
میں ٹھنڈا پڑ گیا تھا پھر طبیعت مری گرمادی

اگلے روز تشریف لائے تو انگلیٹھی کے یہ شعر کئی بار سنے اور فرمایا کہ صاحب انگلیٹھی کے شعر بہت اچھے ہو گئے۔

ایک روز چائے پیش کی اس کی پیالیاں بہت پسند فرمائیں اور برابر تعریف بھی فرماتے رہے اور اٹھا اٹھا کر دیکھتے بھی رہے۔ اگلے روز ان پیالیوں کے حسن پر بھی شعر فرمائے۔

پیالی چائے کی اف اف ہیں یہ کیسی حسین دیکھو
حسین ہیں اور پھر اس پر ہیں کیسی نازیں دیکھو
بہت مجذوب کی ہیں جاذب حسن و جمال آنکھیں
نہ رکھ لے جائے آنکھوں ہی میں یہ ان کو کہیں دیکھو

ایک روز چائے پر علاوہ متفرق چیزوں کے میاں ظہیر علی مرحوم (میرے ماموں زاد بھائی) نے ایک پلیٹ میں مصنوعی پھل جو مٹی کے بنے ہوتے ہیں اور رنگ و روغن اس طرح کیا جاتا ہے کہ بالکل اصلی ہی معلوم ہوتے ہیں 'بھی لار کھے۔ رات کا وقت ہونے کے باوجود خواجہ صاحب نے ایک ہی نظر میں پہچان لیا اور دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئے۔ ایک ایک چیز کو بار بار اٹھا کر دیکھتے اور تعریف فرماتے۔ اگلے روز اس پر بھی دو شعر فرمائے۔

ذرا چشم حقیقت میں سے تو دیکھو ظہیر ان کو
جو تم لائے ہو، سیب، اخروٹ، اور بادام مصنوعی
نہ سمجھو ان کو یہ سبق آموز عبرت ہیں
اسی صورت سے اس دنیا کا ہے ہر کام مصنوعی

ظہیر علی مرحوم نے ہوائی مدوق سے خواجہ صاحب کے سامنے ایک
فاختہ پر نشاندہ باندھا اور نشاندہ بالکل صحیح لگا۔ فاختہ گری اور زچ کر لی گئی۔ اس پر بھی
ایک شعر فرمایا۔

ظہیر ایسا شکاری ہے کہ دم میں فاختہ ماری
بڑی پھرتی سے ماری اور بہت بے ساختہ ماری

ظہیر علی مرحوم کے چھوٹے بھائی مشیر علی سلمہ جو اس وقت ڈیڑھ دو
سال کی عمر کے غیر معمولی صحت مند اور فربہ تھے۔ اکثر کسی کی گود میں آتے اور
خواجہ صاحب بھی ان سے کھیلتے۔ ان پر بھی ایک شعر فرمایا کہ۔

ترے گال کیا ہیں ذلیل روئیاں ہیں

نہیں کوئی ہڈی فقط بوئیاں ہیں

میرے بڑے بھائی محمد کاظم صاحب فاروقی (جن کا ذکر پہلے بھی آیا

ہے) کی بڑی چچی اس وقت چار پانچ سال کی تھی۔ طبیعت کی بہت ہی سنجیدہ اور
شرمیلی۔ کبھی کبھی باہر آجاتی تو خواجہ صاحب اس کو گود میں بٹھالیتے اور بہت محبت
اور شفقت فرماتے اور ایک روز فرمایا کہ یہ ہماری بیٹی ہے۔ ماشاء اللہ بہت ہی
سنجیدہ اور بہت خوبصورت کی بنی ہے۔ پوچھا اس کا نام کیا ہے۔ بھائی صاحب نے بتایا
کہ ”نجمہ خورشید نگین“ سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ یہ نام شعر میں لانا کٹھن ہے
مگر دوسرے روز یہ دو شعر لکھ کر لائے۔

بیٹی ہے مری نجمہ خورشید نگیں ایسی
دیکھی نہ حسین ایسی 'دیکھی نہ متیں ایسی
اس شان کی لڑکی کو تو اس کی ضرورت ہے
انکے نہ کبھی باہر ہو پردہ نشیں ایسی

اس جی نے ایک روز پان کی تھالی لا کر پیش کی۔ پان کے پڑے سے
ہوئے تھے اور چاندی کے ورق میں لپٹے ہوئے جی کے ہاتھوں میں مندی بھی
لگی ہوئی تھی۔ لا کر شرماتے شرماتے اس نے پیش کئے۔ خواجہ صاحب نے پان کی
تھالی لے کر رکھ لی اور اس کو گود میں بٹھالیا اور شفقت سے باتیں کرتے رہے۔ پھر
پان تناول فرمایا اور بہت ہی قدر کے ساتھ اس کی تعریف فرماتے رہے۔ بعد میں
اس پر بھی دو شعر ہوئے۔

یہ چاندی کا ورق لپٹا ہوا مجھ کو جو پان آیا
تو گویا پاس ہڈھے کے من ٹھمن کے جوان آیا
دیا دستِ حنائی سے جو نجمہ نے تو میں سمجھا

کہ مجھ کو نفرتی پان اور زریں پان دان آیا
بھائی شمس الحسن صاحب مدظلہ نے ایک روز خواجہ صاحب کی دعوت
کی اور کئی قسم کے پر تکلف کھانے پکوائے۔ کھانے کے بعد مجلس شمر و سخن دیر
تک رہی۔ اس دعوت کے بعد یہ شعر فرمائے۔

خبر کیا تھی مجھے نوشہ! کہ اک سرے کے نکلنے سے

میرے پیچھے ہی پڑ جائے گا سارا خاندان ایسا
کرد گے خون کیا مجھ دوپ کا تم لوگ مل جل کر

کہ لائے خواں ایسا پان ایسا پان دان ایسا
اسی طرح یہ وقت ”ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برات“ کی طرح

گزر رہا تھا۔ تقریباً ہر روز کا معمول بنا ہوا ہے کہ گھر پر یا پھر اس طرح کہ بعد عصر سیر کے لئے قصبے سے باہر نکل کر اور راستے میں بھی اور وہاں پہنچ کر بھی کسی جگہ بیٹھ کر محفل شعر و سخن گرم رہتی۔ جس میں زیادہ تر ایسا ہوتا کہ خواجہ صاحبؒ مجھ سے اپنا کلام سنتے اور محفوظ ہوتے۔

ایک روز اسی طرح ہم سب باہر نکلے اور ایک جگہ پہنچ کر ایک پانی کے کھال پر جو پل بنا ہوا تھا اس کی دو طرفہ منڈیوں پر آٹے ساٹنے سب بیٹھ گئے۔ اتفاق سے میرے سامنے خواجہ صاحبؒ اور ان کے سامنے میں تھا۔ اس زمانے میں خواجہ صاحبؒ کی ایک غزل بہت پڑھی اور سنی جا رہی تھی۔ یہ وہی غزل تھی جس کی فرمائش ابداءِ ظمیر علی مرحوم نے کی تھی۔ چنانچہ خواجہ صاحبؒ نے اسی کی فرمائش کی اور احقر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ۔

تو ہے مطرب میں ترا ساز ہوں

تو زبان ہے میں تری آواز ہوں

یہ شعر بہت پسند کیا گیا اور بار بار پہلے ہی سنا گیا۔ غزل جس کی فرمائش کی گئی تھی چند شعر یاد ہیں۔

جی اٹھے مردے تری آواز سے

پھر ذرا مطرب اسی انداز سے

اہل محفل فرشتہ محفل ہو گئے

بزم میں آئے وہ کس انداز سے

اک نظر میں آئیاں گم کر وہ کو

بھانپ لیں ہم بیت پرواز سے

آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا

ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے

آشنا اچھا ہے یا نا آشنا
پوچھئے یہ آشنائے راز سے
اس غزل میں ایک شعر مزاحیہ فرمایا۔

میں ہوں لاجپتہ قد کا وہ ہیں پستہ قد
جوڑ سارس کا ملا ہے تاز سے

یہ وقت اپنی پوری رعنائی اور پرکشش رونقوں کے ساتھ سرایا بہار کی
طرح گزر رہا تھا۔ گیارہ سال بعد ظہیر علی مرحوم صرف تین چار روز
بسترِ علالت پر رہ کر ہم سب کو داغِ مفارقت دے گیا۔ اور اس کے ٹھیک ڈیڑھ ماہ
بعد اس کی بہن بھی چند روز بیمار رہ کر داغِ مفارقت دے گئیں۔ دونوں گھروں
میں ان دونوں جواں سال اموات سے جو کچھ گزری اسکا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے کجا
یہ کہ اس کو الفاظ کا جامہ پہنایا جاسکے۔ سارے ہی قصبہ میں ایک سنانا سا چھا گیا اور
ساری فضا سو گوار ہو گئی۔ آنسوؤں کا نہ تھمنے والا سیلاب اور غم کا نہ رکنے والا
طوفان تھا اور ہم تھے۔ چاند اور ستارے بھی بے نور نظر آتے تھے اور بڑے
پرکشش پر بیمار اور پر رونق مناظر بھی خزاں کا اور ویرانے کا منظر پیش کرتے
تھے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے
چاند تاروں میں روشنی کم ہے

اور۔

دل گلستان تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
یہ ہیلیاں جب ہوا عالم ہیلیاں ہو گیا

اور۔

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

اس عظیم پریشانی اور مصیبت کے وقت محمد اللہ ایمان کی دولت کی قدر ہوئی کہ یہی ڈھارس مبارک اور خالق حقیقی سے رشتہ قائم رہا۔ جس کی وجہ سے ان مصیبتوں کے ساتھ ساتھ دل میں ایک خاموش سکون، اطمینان اور تسلی موجود تھی۔ اس حادثے کی وجہ سے زندگی بری طرح متاثر ہوئی۔ چنانچہ مجالس شعر و سخن کی جگہ مجالس تعزیت اور مجالس حزن و ملال رہ گئیں اور گزشتہ روایتیں اور مجلسیں ختم ہو گئیں۔ اس کے بعد قریب دنوں ہی میں خواجہ صاحب اپنی تین سال کی رخصت گزار کر واپس تشریف لے گئے۔ دونوں بڑے بھائی صاحبان تعلیم کی تکمیل کر ہی چکے تھے۔ اس لئے روزگار کے سلسلہ میں وطن سے باہر چلے گئے۔ چند سال بعد مجھے بھی بعد تکمیل باہر جانا پڑا۔ اور اس طرح ہم تینوں بھائی لاہور پہنچ گئے۔ وہاں سے ایک دفعہ ایک سلسلہ میں بڑے بھائی صاحب نے حضرت خواجہ صاحبؒ کو ایک خط لکھا جس کا چند روز کے بعد جواب آیا۔ آخر میں تحریر تھا کہ ”آپ لوگ کہاں چلے گئے؟ بہر حال ہر کجا باش باخدا باش“ اس کے بعد دعا و سلام کے بعد خط ختم فرمایا اور نام کی جگہ یہ شعر تحریر فرمایا۔

وہی آپ کا ہوں غلام محبت : کہ مجذوب ہے جس کا نام محبت

مجھے لاہور آئے ہوئے ایک ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوا تھا کہ حضرت تھانوی قدس سرہ کی وفات ہو گئی۔ اس کی خبر ہم لوگوں کو لاہور ہی میں ملی اور ہم تینوں فوری طور پر تھانہ بھون روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو خزاں کا عالم تھا۔ چمن اجڑ چکا تھا اور ہر طرف اداسی اور ویرانی نے ڈیرے بھار رکھے تھے۔ ہر شخص غمزدہ، اداس، دلگیر اور جھٹکا ہوا تھا اور ساری فضا غم و اندوہ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ حضرت خواجہ صاحبؒ بھی وہیں تھے جو اب ریٹائر ہو چکے تھے اور حضرت قدس سرہ کی طویل علالت کی وجہ سے عرصہ سے وہیں قیام فرماتے۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ کئی سال بعد ملے اور اس حال میں کہ دل و جگر غم سے لبریز اور روح رنج و الم سے

مستعمل۔ بس ہر وقت اسی آفتابِ ہدایت اور مرکزِ خلافت کی باتیں تھیں اور انہی کا تذکرہ تھا۔ اب شعر و شاعری کا موضوع بھی یہی تھا۔ ایک روز کھانے پر فرمایا کہ ۔

کہاں یہ خوش رنگ تیلیاں اور کہاں وہ بد رنگ خشک جٹکے
مگر قفس پھر اف قفس ہے اور آشیاں پھر بھی آشیاں ہے
فتا سے کر سکے بھلا یہ اجل کی بھی دسترس کہاں ہے
وہ غیر متک جو ایک ربطِ خفی میرے ان کے درمیاں ہے

اور اسی قسم کے اشعار سناتے رہے۔ اس زمانے میں ان کی حالت چند سال کی حالت سے بالکل مختلف تھی۔ بس ایک بے چینی اور بے قراری سی پائی جاتی تھی۔ ہر وقت یہی ذکر رہا کرتا تھا۔ حضرت اقدس کی ذات والا صفات، خانقاہ اور ان بزرگوں کے واقعات و تذکرے جو خانقاہ سے وابستہ ہیں۔ حضرت قدس سرہ جس جگہ خانقاہ میں تشریف فرما ہوا کرتے تھے وہ ایک سہ دری تھی۔ اس سہ دری چشمہ فیض کے وہ سوتے جاری تھے جنہوں نے چارواگ عالم کو سیراب کیا۔ خواجہ صاحب اس سہ دری کے بارے میں فرماتے ہیں ۔

اس سہ دری اشرف فردوسِ مکاں میں
جب آئے زیارت کو تو با چشمِ ترا آئے
جو بزم بھری رہتی تھی مستانِ خدا سے
خالی وہ نظر آئے تو کیوں جی نہ بھر آئے

در اصل یہ شعر انہوں نے اپنی ایک پرانی غزل میں نئے اضافہ فرمائے۔ فرماتے تھے کہ جب میں نے اپنا مکاں، یولیا تو ایک کمرہ خاص اپنے لئے رکھا ہے اور اس کا نام ”کاشانہ مجذوب“ رکھا ہے۔ اس کمرہ پر یہ قطعہ لکھوا کر لگاؤں گا۔

کاشانہ مجذوب ہے منزلِ سحرِ مستان
جو کوئی یہاں آئے سمجھ سوچ کر آئے

فرزند جسے جنا ہو جائے وہ کہیں اور
دیوانہ جسے جنا ہو بس وہ ادھر آئے
سو بار بجونا جسے منظور ہو اپنا
وہ آئے یہاں اور چشمِ دلبر آئے

پور فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے ایک مرید کی والدہ نے
شکایت کی کہ آپ نے میرے لڑکے کو بگاڑ دیا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں
بھئی! ہم تو بگاڑتے ہیں جس کو سو دفعہ بجونا منظور ہو وہ ہمارے پاس آئے اور
جس کو سنورنا ہو وہ کہیں اور چلا جائے۔

ایک روز بڑے سوز و گداز سے یہ شعر پڑھے :-

ڈھونڈتا ہے دل وہی کیفِ آفریں ماحول پھر
وہ بہاریں ہیں کہاں جو آہ کے خانے میں تھیں
مستیوں ہر سو برستی تھیں درودیوار سے
اور وہاں کیفیتیں سو خم کی پچانے میں تھیں
ایک روز صبح ناشتے کے بعد حاضر ہوا اور ایک قطعہ سنایا :-

مُو یاد یار ہیں اوقاتِ آج کل
ڈوبے ہوئے ہیں کیف میں دن رات آج کل
فیضِ یقیں سے قلب ہے مُو مشاہدہ
وسواسِ ان دنوں ہیں نہ شبہات آج کل

کیف لے لے کر دیر تک اسی قطعے کو سناتے رہے اور پھر اسی سلسلہ میں اور قطعات
سنائے۔

مجدوب کو کہاں تھا یہ احساسِ زندگی
کچھ ہوش میں ہے کیا ترا دیوانہ آج کل

وحشت ہے گھر سے انس ہے صحرا سے ان دنوں
یکساں نہیں ہیں خانہ د ویرانہ آج کل

ساری فضا ہے دہر ہےستان آج کل
دور فلک ہے گردش سے خانہ آج کل
ہر شے میں کیف ہے جو طبیعت میں کیف ہے
سادا جمال نظر میں ہے سے خانہ آج کل

فطرت ہے مست روح ستان آج کل
شیشہ ہے قلب دیدہ ہے پیانہ آج کل
دران خوں میں کیف ہے دور شراب کا
مخدوب اپنا آپ ہے میخانہ آج کل

مسجد بھی ہے نگاہ میں سے خانہ آج کل
تبیخ بھی ہے گردش پیانہ آج کل
اللہ سے جوش مستی مخدوب ان دنوں
دیوانہ ہو رہا ہے یہ ستانہ آج کل

انوار سے دل ہے پری خانہ آج کل
صد شمع در بغل ہے یہ پروانہ آج کل
جالب ہزار حسن ہو اٹھتی نہیں نظر
مخدوب ہر حسین سے ہے ہیگانہ آج کل

یہ قطعات دراصل خواجہ صاحب کے اپنے حال اور کیف کی ترجمانی تھے۔ وہ عرفان و مشاہدہ کے جس مقام پر تھے یہ اسی کی ترجمانی تھی۔ اسی سلسلے کی کڑی کے چند اور قطعات یاد آتے ہیں۔

تم سا کوئی ہدم کوئی دم ساز نہیں ہے
ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے
ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

اب اور کچھ ہے میرے دن رات کا عالم
ہر وقت ہے اب ان سے مناجات کا عالم
اب دل میں شب و روز جو ہے ان کا تصور
فرقت میں بھی رہتا ہے ملاقات کا عالم

جلا کر وہ دستِ دلدادہ ہوں میں
مجھے دیکھ آئینہ یار ہوں میں
سنوارا ہے کس درجہ جڑے ہوئے کو
سید دل تھا یا اب پرانوار ہوں میں

انہی قطعات کے سلسلے میں حضرت خواجہ صاحبؒ نے وہ قطعات بھی تحریر فرمائے جو اپنے شیخؒ کی تعلیمات پر مشتمل ہیں اور اصلاحِ نفس کے آسان طریقے ان میں درج ہیں یہ قطعات بڑے ہی موثر و لائق اور دل میں گھر کرنے والے ہیں۔ چند قطعے تحریر کرنا لایا ہی ہے تاکہ نمونہ از خروارے کا مصداق ہو۔

تجھ کو چلنا طریق عشق میں دشوار ہے
 تو ہی ہمت ہار ہے ہاں تو ہی ہمت ہار ہے
 تو جو راہروں پر قدم پر کھارہا ہے نھو کریں
 لنگ خود تجھ میں ہے ورنہ راستہ ہموار ہے

راہبر تو بس دکھا دیتا ہے راہ
 راہ چلنا راہروں کا کام ہے
 تجھ کو رہبر لے چلے گا دوش پر
 یہ ترا رہ رو خیال خام ہے

سوچ ماضی کو نہ مستقبل کو
 ٹھیک رکھ بس تو اپنے حال کو
 کیا ہوا کیا ہو گا اس غم میں نہ پڑ
 پاس لا اپنے نہ اس جنجال کو

رو عشق میں ہے تنگ و دو ضروری
 کہ یوں تا منزل رسائی نہ ہو گی
 پہنچنے میں گو ہو گی حد درجہ کلفت
 تو راحت بھی کیا انتہائی نہ ہو گی؟

مترس از بلائے کہ شب در میان است
 یہ کہہ کر نہ سو شب بھر آرام ہی سے

ارے کوچ گو صبح ہونے پہ ہو گا
مگر فکر توشہ تو کر شام ہی سے

کسمبہ دنیا تو کر، ہوس کم رکھ
اس پہ تو دین کو مقدم رکھ
دینے لگتا ہے پھر دھواں یہ چراغ
اک ذرا اس کی لو کو مدھم رکھ

طبیعت کی رو زور پر ہے تو رک
وگرنہ یہ حد سے گزر جائے گی
ہٹالے خیال اس سے کچھ دیر کو
چڑھی ہے یہ نمدی اتر جائے گی

حضرت خواجہ صاحبؒ بہت بڑے شاعر، عارف، صوفی، بزرگ اور خدا
رسیدہ ہونے کے علاوہ بے حد متواضع، منکسر المزاج، حلیم الطبع، ہنس مکھ، خوش
مزاج اور بے تکلف فطرت کے مالک تھے۔ جس نے ایک دفعہ ان کی مجلس میں
حاضری دی وہ عمر بھر کے لئے ان کا گرویدہ ہو گیا۔ ان کے دوستوں میں سے کسی
نے ان کی بعض باتوں پر گرفت کی اور ان باتوں کو ان کی شان کے خلاف قرار دیا۔
حضرت خواجہ صاحبؒ کی ذات بابرکات ان چیزوں سے بلند و بالا تھی کہ
وہ تعصب اور تکلف سے بظاہر پرہیزگار اور پر رعب رہیں۔ اس لئے ان کو جواب میں
لکھ بھیجا کہ:-

یہ قرب مبارک ہو تجھے صوفی صافی۔
مجدوب کو اک دور کی نسبت بھی ہے کافی

اس رند کے حق میں یہ دعا کروے خدا را
 توفیق عداوت سے ہو غفلت کی سلامتی
 بخشے تجھے اللہ بلدی مراتب
 مجھ کو ہو عطا میرے گناہوں کی معافی
 ایک روز اپنی غزل سنا رہے تھے اس میں بھی اس مضمون کو بیان فرمایا۔
 غزل کے چند شعر یاد ہیں :-

ہم پردہ تجھے ہر بزم میں شامل سمجھتے ہیں
 کوئی محفل ہو اس کو ہم تری محفل سمجھتے ہیں
 سمجھتا ہے غلط لیلیٰ کو لیلے قیس دیوانہ
 نظر والے تو لیلیٰ ہی کو ایک محل سمجھتے ہیں
 سمجھتا ہے گنہ رندی کو تو اے زہد خود میں
 اور ایسے زہد کو ہم کفر میں شامل سمجھتے ہیں

حضرت تھانوی قدس سرہ کی وفات حسرت آیات کے بعد قیام تھانہ بھون کے
 زمانے میں دہلی میں آل انڈیا مشاعرہ ہوا۔ اس کے ناظم آزاد صاحب نے جو خواجہ
 صاحب کے بے تکلف دوست اور بلند پایہ شاعر تھے۔ مشاعرہ میں شرکت کے
 لئے دعوت نامہ بھیجا اور خصوصی خط تحریر کیا کہ ضرور آئیے۔ خواجہ صاحب نے
 غذر لکھ بھیجا کہ اب طبیعت میں ان مجالس کی طرف نہ رغبت ہے اور نہ ہمت ہے
 وغیرہ وغیرہ۔ انہوں نے پھر اصرار کا خط لکھا کہ یہ مشاعرہ عام مشاعروں کی طرح
 نہیں ہے بلکہ اس میں خصوصیت کے ساتھ صرف وہی شعراء حصہ لیں گے جن
 کا ذوق اور بلندی مسلمہ ہے۔ اس لئے آپ کی شرکت کے بغیر یہ نامکمل رہے گا اور
 آپ کو جن وجوہ سے کچھ ہچکچی ہو اور تاہل ہے وہ امور نہیں ہوں گے۔ اس لئے
 آپ ضرور تشریف لائیے۔ خواجہ صاحب نے جواب میں یہ قطعہ لکھ بھیجا۔

چھوڑ دینا و جام کی باتیں
اب ہوں پیری میں کام کی باتیں
دن کی باتوں کا اب یہ وقت نہیں
شام ہے اب ہوں شام کی باتیں

آزاد صاحب بھی شاعر تھے۔ انہوں نے جواب میں پھر اصرار کا ایک لمبا چوڑا
خط لکھا اور اسی زمین میں ایک طویل لکھن تحریک کی جس کی ایک جھلک یہ ہے۔

کیوں ہوں دینا و جام کی باتیں
کبھی آ کے کام کی باتیں
آئے لوگ سننا چاہتے ہیں
ایک شیریں کلام کی باتیں
آپ بزمِ عوام میں آ کر
کبھی اپنے مقام کی باتیں

مگر بہر حال خواجہ صاحب دہلی کے اس شاعرے میں تشریف نہیں لے پاسکے۔
خواجہ صاحب اپنا کلام سناتے اور سنتے رہے اور خواہش ظاہر فرمائی کہ
میں اب واپس وطن جانے والا ہوں۔ اگر آپ (یعنی راقم) میرے ساتھ چلیں اور
دو چار چھ مہینے میرے پاس رہیں تو میں اپنا دیوان آپ سے مرتب کر کے آپ کو
دے دوں۔ ورنہ یہ کام ہو نہیں سکے گا لیکن مجھے انہی دنوں لاہور پہنچنا تھا اس لئے
یہ کام نہ ہو سکا۔ اس سلسلے میں فرمایا کہ دیوان مرتب ہو جائے تو اس کا نام اس
طرح رکھا جائے گا۔ کہ پہلی سطر میں ”کلام مجذوب“ لکھا جائے پھر اس کے نیچے
”ملقب بہ“ خفی قلم سے لکھا جائے اور جلی قلم سے ”پیامِ محبت“ اور سب سے اوپر
یہ شعر لکھا جائے۔

کلام مجذوب والمانہ، ہمیشہ دہرائے گا زمانہ
کسی حسین کا نہیں فسانہ، یہ ایک عاشق کی داستان ہے

اور نیچے یہ شعر ہوگا :-

جو مجذوب کا ہے کلامِ محبت

وہ دنیا کو ہے اک پیامِ محبت

ایک روز شعر و سخن کی مجلسِ خاصی طویل ہو گئی اور یہ کوئی نئی بات نہ

تھی۔ بعدِ خواجہ صاحبؒ کے ساتھ بیٹھ کر پورے اہلِ مجلس کو وقت کا پتہ ہی نہ چلتا

تھا۔ اس روز بھی ایسا ہوا تو فرمایا کہ :-

بڑے اکثراً نہ تم مجذوب کی پھر یہ سن پاؤ گے افسانہ کہاں

کر رہا فاشِ رازِ حسن و عشق پھر ملے گا ایسا دیوانہ کہاں

یہی قطعہ بار بار پڑھتے اور سنتے رہے اور پھر فرمایا :-

یہ تپش یہ تفتہ جانی پھر کہاں

سن لو یہ آتشِ بیلنی پھر کہاں

پھر کہاں مجذوب کی یہ شورشیں

یہ طبیعت کی روانی پھر کہاں

ایک روز احقر کے ساتھ میرے ایک قریب عزیز جو عالم و فاضل ہیں۔

دوسرے حضرات کے ساتھ حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔

حضرت خواجہ صاحبؒ اپنے طرز میں ترنم سے پڑھ رہے تھے۔ احقر بھی اسی طرز

میں پڑھنے کی کوشش کرتا کہ ان صاحبؒ نے اپنے انداز سے ہلا کے سوز و ترنم سے

پڑھا۔ جس کو سن کر سب بے حد محظوظ ہوئے۔ خواجہ صاحبؒ تو الہانہ سن رہے

تھے۔ خواجہ صاحبؒ نے ان سے دوبارہ سنانے کی فرمائش کی مگر وہ صاحبؒ کئی روز

خواجہ صاحبؒ سے مصرعے کہ آپ دہلی میرے غریب خانہ پر تشریف لے چلیں

۔ خواجہ صاحبؒ انکار فرما رہے تھے۔ اب جب دوبارہ پڑھنے کی فرمائش ہوئی تو ان

صاحبؒ نے کہا کہ میں اس شرط پر پڑھوں گا کہ آپ دہلی چلے کا وعدہ فرمائیں۔

خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ وعدہ تو جب تک چلنے کا قصد نہ ہو گا نہ کروں گا۔ خواجہ صاحبؒ کے بار بار اور بہت اصرار پر بھی انہوں نے نہ سنایا۔ آخر کار مجبور ہو کر پھر احقر سے فرمائش کی کہ اچھا صاحب! آپ ہی سنائیے۔ چنانچہ احقر نے سنایا مگر اس دفعہ ان صاحب کی طرز میں سنانے کی کوشش کی۔ اللہ اللہ! سن کر خواجہ صاحبؒ نے اس قدر قدردانی فرمائی کہ احقر بھی حیران رہ گیا۔ پھر دوبار بار احقر سے سنتے رہے اور دیر تک محفل جمی رہی۔

یہ وقت بھی گزر گیا احقر لاہور اور خواجہ صاحبؒ اپنے وطن چلے گئے۔ چند ماہ بعد پھر تھانہ بھون جانا ہوا تو دیکھا کہ خواجہ صاحب بھی خانقاہ میں تشریف فرما ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی۔ فرمانے لگے کہ اب جب سے پنشن ہوئی ہے بڑا آرام ہے۔ جو پنشن ہو گئی ہے اب تو واہ کیا بات ہے اپنی

سحر اپنی ہے شام اپنی ہے دن اپنا ہے رات اپنی معلوم ہوا کہ خواجہ صاحبؒ عنقریب خانقاہ سے ایک سفر شروع فرمائیں گے جس کا مقصد اپنے پیر بھائیوں سے ملنا اور ملاقات کرنا ہو گا۔ احقر کا قیام چند روز تھا، اس لئے کوشش یہی کرتا کہ زیادہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ گزاروں۔ بالآخر وہ دن بھی آ پہنچا کہ جس روز مجھے ظہر کی نماز کے بعد گاڑی سے روانہ ہو جانا تھا اس لئے میں نے خیال کیا کہ نماز کے بعد خدا جانے ملنا ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ اس لئے ناشتہ کر کے تقریباً آٹھ بجے صبح خانقاہ حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آج جانا ہے۔ رخصت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ دیگر حضرات بھی تشریف فرما تھے۔ مجھے اپنے بہت ہی نزدیک بٹھالیا۔ اور اپنے اشعار، قطعات اور غزلیں سنتے رہے اور سناتے رہے۔ تقریباً گیارہ بجے اسی قطعہ کو سننے کی فرمائش کی جس کا ذکر ابھی مزرعہ احقر نے تعمیل کی۔ پھر فرمائش کی، پھر تعمیل کی۔ کبھی خود پڑھتے کبھی مجھ سے پڑھواتے۔ قطعہ ان کے حسب حال تھے۔ اس لئے سن کر اور پڑھ کر کسی

طرح ان کا جی نہ بھرتا تھا۔ فرمانے لگے کہ صاحب! اب تو دل چاہتا ہے کہ درد دیوار سے اللہ اللہ نکلے۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب یہ محفل برخواست ہوئی۔ جب میں اٹھ کر آنے لگا تو چند نصیحتیں بڑے دل سوز انداز میں فرمائیں اور رخصت کیا۔ قطعہ جو زیادہ سنا گیا وہ یہ ہے ۔

مجھے دوست چھوڑ دیں سب، کوئی مہرباں نہ پوچھے

مجھے میرا رب ہے کافی مجھے کل جہاں نہ پوچھے

شب و روز میں ہوں مجذوب اور یاد اپنے رب کی

مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے، مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے

اور احقر کی ان سے یہ آخری ملاقات تھی۔ احقر لاہور آگیا۔ اور وہ ایک

آدھ روز کے بعد اپنے مجوزہ سفر پر روانہ ہو گئے۔ سب سے پہلے امرتسر حضرت

مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے اور چند روز قیام کے بعد ہمسار

ہوئے اور ہمساری کی شدت کے باعث وطن واپس تشریف لے گئے اور وہیں انتقال

فرمایا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب، خواجہ صاحب کا ذکر ہمیشہ اس

انداز سے فرماتے کہ ان کو اپنا مقتدا سمجھتے ہوں۔ ان کے اشعار اپنے وعظ میں

بڑے جوش و خروش سے نقل فرماتے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ جب امرتسر تشریف لائے اور ہمسار پڑ گئے تو بعید اللہ عیادت

کے لئے حاضر ہوا تو فرمایا کہ دیکھو لوگ میری طرف کیسے کھینچے آتے ہیں اور کتنا

احترام کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یہ شبہ ہے کہ میں دیندار ہوں۔

حالانکہ میں نے دینداروں کا محض ہمیں ہمارا کھا ہے۔ سو اگر اس میں حقیقت ہو اور

واقع میں انسان دیندار بن جائے تو پھر اس کی کچھ ایسی قدر ہو۔ آخرت تو درست

ہو ہی گی مگر دنیا میں بھی عزت و احترام دین ہی کے صدقے ملتا ہے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ میں تھانہ بھون خانقاہ کے جس حجرے میں مقیم تھا اس کے دروازے پر ایک روز خواجہ صاحب آئے اور چوکھٹ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کھڑے ہو گئے باتیں کرنے لگے۔ میں نے کہا کہ خواجہ صاحب! یہ شعر تو آپ نے جیسے میرے ہی لئے کہا ہے :

میں بدی میں آپ ہوں اپنی مثال : بد عمل، بد نفس، بد خو، بد خصال
خواجہ صاحب نے فرمایا کہ شعر تو میں نے اپنے ہی لئے کہا ہے، اگر کوئی اپنے اوپر چپکائے تو چپکا تا پھرے۔

حضرت مفتی صاحب اپنے مواعظ میں حضرت خواجہ صاحب کے جو اشعار پڑھا کرتے تھے ان میں زیادہ تر ”مراقبہ موت“ کے اشعار تھے۔ مثلاً :-
ہو رہی ہے عمر مثل برف کم چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم
سانس ہے اک رہبر و ملک عدم دفعہ اک روز یہ جائے گا تھم
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

دار دنیا کی سجاوٹ پر نہ جا نیکیوں سے اپنا اصلی گھر جا
پھر وہاں بس چین کی جسی جا اِنَّهُ قَدْ فَارَ قَوْزًا مِّنْ نَّجَا
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

بہر غفلت یہ تری ہستی نہیں دیکھ جنت اس قدر سستی نہیں
رہ گزر دنیا ہے یہ بستی نہیں جائے عیش و عشرت و مستی نہیں
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

گرتا ہے دنیا پہ تو پروانہ دار گو تجھے جلنا پڑے انجام کار

اس پہ دھوئی ہے کہ ہم ہیں ہشیار کیا یہی ہے ہوشیاروں کا شمار
 ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
 کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے
 حیف دنیا کا تو ہو پروانہ تو ! اور کرے عقی کی کچھ پرواہ نہ تو
 اس پہ بتا ہے بڑا فرزانہ تو کس قدر ہے عقل سے میگانہ تو
 ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
 کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

خواجہ صاحب کا قول نقل فرماتے کہ سامنے دیوار ہے جو بے جان ہے،
 جب سے بنی ہے اور جب تک قائم رہے گی اس میں کوئی گناہ کا تقاضا پیدا نہ ہوگا۔
 مگر اس دیوار کو خدائے عزوجل کے یہاں کوئی درجہ نہ ملے گا۔ درجات انسان کے
 لئے ہیں کہ اس میں گناہ کرنے کا تقاضا پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے اور
 اس مقابلے میں ہوتی ہے مشقت۔ بس اسی مشقت کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے ہاں
 درجات بلند ہوتے ہیں۔ اس لئے جب کبھی کسی گناہ کا تقاضا دل میں پیدا ہو تو
 انسان بھانپ جائے کہ اب لوٹ کا اور کمائی کا وقت ہے۔ یعنی اس گناہ سے بچے اور
 خدا تعالیٰ کے ہاں اپنے درجات بڑھائے۔

ہے شوق و ضبط شوق میں دن رات کش مکش
 دل مجھ کو -- میں ہوں دل کو پریشاں کئے ہوئے

خواجہ صاحب کے حوالہ سے حضرت مفتی صاحب نے یہ واقعہ بھی بیان
 فرمایا کہ ایک دفعہ لکھنؤ میں تھے، رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ چونکہ خواجہ صاحب
 انسپکٹر آف سکولز تھے اس لئے وہاں سے سربراہ محکمہ نے جو کہ ہندو تھا، میٹنگ
 رکھ لی اور وقت میٹنگ کا شام کار کھا گیا۔ اس میں خواجہ صاحب کو بھی شرکت کرنا
 تھی اور بلاوا ضروری تھا۔ فرماتے تھے کہ میں پریشان ہوا اور شش و پنج میں پڑ گیا کہ

اگر جاتا ہوں تو مغرب کی نماز باجماعت اور بعد کی نوافل وغیرہ جاتی ہیں۔ نہیں جاتا تو ملازمت کا معاملہ ہے۔ اسی پریشانی میں دن گزرا۔ آخر کار یہ فیصلہ کیا کہ نماز پڑھ کر معمولات پورے کر کے ہی جاؤں گا۔ چنانچہ نہایت اطمینان سے سارے کاموں سے فارغ ہو کر پہنچا۔ راستہ میں طرح طرح کے خیالات تنگ کرتے رہے۔ وہاں جا کر دیکھا تو میٹنگ شروع تھی اور ایک صاحب تقریر کر رہے تھے۔ میرے پہنچنے پر سربراہ نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا۔ اس لئے سب کو کھڑا ہونا پڑا اور کارروائی رک گئی۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور بتایا کہ اجلاس فلاں وقت شروع ہوا اور پہلے فلاں صاحب نے یہ یہ باتیں کیں۔ اس کے بعد فلاں صاحب نے یہ یہ کہا۔ اب یہ صاحب لال رہے ہیں۔ انہوں نے یہ کہا اور یہ کہا۔ پھر ان صاحب سے خطاب کر کے کہا کہ اب آپ آگے فرمائیے۔

ایک دفعہ حضرت خواجہ صاحبؒ کو ان کے شیخؒ نے سخت تنبیہ فرمائی اور خانقاہ سے نکل جانے کا حکم فرمایا۔ خانقاہ سے نکل کر تھبے ہی میں کسی جگہ رہے اور معافی کے لئے خط و کتابت فرمائی۔ اس میں فرمایا :-

مجھ کو نکال بھی دیا تب بھی ہوں میں یہیں پڑا

جاؤں کہاں میں اے خدا، در کوئی دوسرا نہیں

جس زمانے میں سرالکھا گیا اور شادی کے بعد خواجہ صاحب کی خدمت میں سنی بھر کر امرتیاں بھیجی گئیں اور حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنے شکریے کے قطعے میں ان کو ”سونے کے کنگن“ سے تشبیہ دی۔ اسی زمانے کا ذکر ہے کہ خانقاہ میں ایک صاحب اللہ آبلو کے مقیم تھے۔ عمر رسیدہ، زندہ دل، ظریف، خوش طبع اور صاحب ذوق۔ شعر کہنے پر قدرت رکھتے تھے اور اساتذہ کا کلام اپنی باتوں میں بے تکلف نقل فرماتے۔ انہوں نے ایک بار مجھ سے فرمایا کہ میں نے مبارکبادی کا ایک شعر لکھا ہے، اس لئے مجھے بھی کم از کم ایک امرتی ملنی چاہئے۔

مبارک باوی کا شعر ایک پرچے پر مجھے لکھ کر دیا :-

حمد اللہ رہی محفوظ ہر اک رسم و بدعت سے
یہ شادی سیدھی اور سادھی مبارک ہو مبارک ہو

میں نے اس بات کو سرسری سمجھا۔ مگر انہوں نے بار بار تقاضا فرمایا کہ
میری میرے جیسے کی امرتی لاؤ۔ چنانچہ ایک روز کسی سلسلے میں گھر میں کافی مقدار
میں بیڑے آئے جو تقسیم کئے جا رہے تھے۔ میں نے موقع قیمت جانا اور ایک
پلیٹ میں پانچ بیڑے رکھ کر ان کو دے دیا۔ وہ لے کر خواجہ صاحب کے پاس چلے
گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ ان کی اور خواجہ صاحب کی اس سلسلے میں کیا گفتگو چل
رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحب نے خواجہ صاحب سے ازراہ ظرفیت
و حسن مذاق یہ کیا ہوا گا کہ امرتیاں ملنے میں کچھ آپ کی خصوصیت نہیں بلکہ مجھے
بھی مل سکتی ہیں۔ اور خواجہ صاحب نے اس کی تردید کی ہوگی۔

بہر حال یہ معاملہ ان دونوں بزرگوں کی بے تکلف زندگی اور حسن مذاق
سے متعلق ہے۔ خدا خواستہ کسی قسم کی بدحرگی یا دلوں کی کدورت کا اس سے کوئی
لونی تعلق بھی نہیں، کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ ان شعری مناقشوں کے باوجود
دونوں حضرات اسی طرح خلوص سے ملتے اور الفت و محبت کا دم تاؤ رکھتے تھے۔
معاشرت ان واقعات سے ذرا مدد بھی متاثر نہ تھی اور ہوتی بھی کیسے؟ دونوں
علیہ السلام تعالیٰ خدا سید بزرگ اور اللہ والے تھے۔

فرض یہ کہ اگلے روز ان بزرگ نے مجھے ہلور شکرپے کے دو شعر لکھ کر دیئے :-
تقسیم کیا اچھی رہی انعام کی سرکار من

بھٹن کو تو کنگن ملے، بھٹی کو چاندی کے بن
صد آفریں تقسیم پر، صدر حیات جو پر
خوش آب کو دائم رکھے برودگار ذوالین

یہ صاحب خانقاہ کے مدرسے میں روزانہ ڈیڑھ گھنٹے حساب اور امارات کوں
کو سکھاتے تھے۔ جس روز انہوں نے یہ قطعہ لکھ کر بھیج دیا، میں نے کر گھر جا رہا
تھا کہ راستے میں خواجہ صاحب مل گئے۔ پوچھا کہ آپ کو شیخ صاحب نے بطور
شکریے کے کوئی قطعہ لکھ کر دیا ہے؟ میں نے جیب سے نکال کر پیش کر دیا۔
انہوں نے فرمایا کہ یہ میں آپ کو پھر دوں گا۔ چنانچہ اگلے روز واپس فرمایا۔ جس پر
بہت سے اشعار لکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے جو یاد رہ گئے پیش ہیں۔

ملے پانچ بیڑے جو یہ تم کو بھائی !
یہ ہیں پانچ جوتے نہ سمجھو مٹھائی
خبر بھی ہے تم نے سزا کیوں یہ پائی
بھڑے تم جو مجذوب سے منہ کی کھائی
مری طرح سونے کے کنگن نہ پائے
مرے منہ کو آئے تو جو لے ہی کھائے

نہیں یہ بن بڈیاں ہیں چالو کرد شکر آقا کا، دم کو ہلاو
و شیخ جی اپنے منہ سے نہ بھئی اچھل جائے گی اپنی چڑی سنبھالو
تمہیں ڈیڑھ گھنٹے کا ملتا ہی کیا ہے کہ اتنے میں تو تم کئی گھر کمالو
کہاں آکے بیٹھے ہو تم مدرسے میں قلم چھوڑ دو اپنا پیجر سنبھالو
کوئی بزم شادی میں کہہ دے نہ تم کو یہ بھئی ہے بھئی، نکالو، نکالو
نہیں پانچ بیڑوں کا مطلب کہ کھالو

اشارہ ہے پانچ پانچ اپنے سر میں لگاؤ

دونوں بزرگوں کی یہ نوک جھونک جو سر اسر دوستانہ تھی، ایک عرصے
تک چلتی رہی۔ ہوتا یہ تھا کہ شیخ صاحب ایک آدھ شعر کہہ دیتے اور خواجہ
صاحب ایک دریاے رواں کی طرح امنڈ پڑتے اور شیخ صاحب خاموشی، خندہ
پیشانی اور مسکراہٹوں کے ساتھ اس مجاہدہ جو کو سنتے رہتے اور پھر دو چار روز کے

بعد دو تین شعر موزوں کر دیتے۔ یہ تمام اشعار کسی جگہ بھی ضبط نہیں۔

خواجہ صاحبؒ کے وصال کے بعد ان کے متوسلین، احباب اور شائقین کی طرف سے یہ تقاضا شروع ہوا کہ ان کا کلام شائع کیا جائے اور اس کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کے صاحبزادگان سے عرض کیا جائے کہ وہ یہ کام خود کریں یا کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں جو اسے کرنے کی لگن اور استعداد رکھتا ہو۔ کچھ عرصے کے بعد کسی ماہانہ رسالہ میں غالباً ”معارف“ میں یہ خوشخبری پڑھی کہ خواجہ صاحبؒ کا کلام مرتب کیا جا رہا ہے، جو عنقریب شائع ہو کر ہدیہ نظرین و شائقین ہوگا۔ اس کا دیباچہ باعیش لفظ حضرت العلامة مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے لکھنے کی درخواست کی گئی تھی۔ علامہ موصوف نے خواجہ صاحب کی رحلت پر ”فراق مجذوب“ کے نام سے بھی تحریر جو پہلے ”معارف“ میں چھپی اور اب ”یادِ فرنگاں“ میں موجود ہے۔ اسی طرح شاہ معین الدین احمد ندوی نے ایک تفصیلی مضمون ”ولوی ایمن“ کے نام سے معارف میں شائع فرمایا۔ لیکن تادم تحریر یہ کام نہیں ہو سکا۔

خواجہ صاحبؒ کا کچھ کلام تو ان کی حیات میں طبع ہوا، جس میں رسالہ ”نمکدان طرافت“، ”نغیر غیب“، ”مراقبہ موت“، ”دوازدہ اذکار عبرت“، ”جذبات مجذوب“ حصہ اول و دوم، ”فریاد مجذوب“، ”نغان بیوہ“ وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید ظہور الحسن صاحب مدظلہم نے ایک مجموعہ اس طرح مرتب فرمایا کہ جہاں جہاں سے ان کا کلام ملا اس کو جمع کر کے چھاپ دیا۔ اور نام اس کا ”مشکولِ مجذوب“ رکھا۔ اس میں طبع شدہ کلام شائع نہیں کیا گیا۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کے صاحبزادگان نے ان کی وفات کے بعد ان کا کلام کسی کو نہیں دیا۔ بسہ ان حضرات کا ارادہ خود ان کو شائع کرنے کا ہے۔ خدا کرے کہ یہ کام جلد پایہ تکمیل کو پہنچے۔

إِنَّمِنَ الشَّعْرِ لِحِكْمَةٍ

مجموعہ کلام

حافظ عمر حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب غوری رحمۃ اللہ علیہ

کہ مصداق ہے، اس شعر کا

کلام مجذوب والمانہ ہمیشہ دہرائے گا زمانہ
کسی حسین کا نہیں فسانہ یہ ایک عاشق کی داستان ہے

کلام مجذوب

ملقبہ

پیامِ محبت

جو مجذوب کا ہے کلامِ محبت
وہ دنیا کو ہے اک پیامِ محبت

کشکول مجذوب مکمل

حلمداً و مصلیاً و بسماً معروض ہے کہ "کشکول کی پہلی اشاعت جیسا کہ حق نے اسکی تمہید میں ظاہر بھی کیا ہے بہت ہی ناسازگار حالات میں ہوا، اہم وقت یہ قیمت سمجھا گیا تھا کہ جس صورت سے بھی ہو ایک دفعہ شائع ہو جائے۔ اور اشاعت کے بعد ان حضرات سے جن کے پاس حضرت مجذوبؒ کے کلام کا کوئی قلمی ذخیرہ ہو، استدعا بھی کی گئی ہے اپنا اپنا ذخیرہ روانہ فرمائیں اور اس میں جہاں ترمیم و اضافہ مناسب سمجھیں براہ کرم مشورہ سے مطلع فرمائیں۔ چنانچہ بہت حضرات نے اس سلسلہ میں ہماری مدد فرمائی بالخصوص محترم مولانا نجم الحسن صاحب "احسن" بدنامپ گڈھی ٹم کراچی نے (جنکو حضرت مجذوبؒ "مجذوب نامی" فرمایا کرتے تھے) "قدر مجذوب کے" عنوان سے تبصرہ ارسال فرمایا جس کو کشکول کا جز بنایا جا رہا ہے۔ نیز مولوی نجم الحسن تھانوی ٹم لاہوری نے مجذوب صاحب کی وصیت روانہ کی کہ میرا کلام چھاپا جائے تو اس کا نام "کلام مجذوب" رکھا جائے اور لوح کو اس طرح لکھا جائے جیسے آحق نے اس وقت صفحہ اول پر لکھ دیا ہے۔

نیز محترم مولوی محمد رضا صاحب انصاری فرنگی علی کے مرتبہ مجموعے "مجذوب اور ان کا کلام" کے ایسے حصہ کو جو سابق اشاعت میں نہ تھا اپنے اپنے موقع پر ہمیں شامل کر دیا گیا۔ اور اب کثیر ترسیلات و اضافات کے بعد موجودہ ایڈیشن ریاست مستقل مجموعہ بن گیا کہ یہ نشان بھی آسان نہیں کہ کہاں کہاں کیا کیا تبدیلیاں عمل میں آئیں، بہر حال اب یہ مجموعہ بالکل نئی شان کے ساتھ حاضر خدمت ہے۔ والسلام۔

بندہ ظہور الحسن غفرلہ عمر الحرام ۱۴۲۷ھ

فہرست

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۸	مکتول مجذوب - مولانا ظہور الحسن صاحب	۴۸	مکتول مجذوب - مولانا ظہور الحسن صاحب
۴۹	فہرست -	۴۹	فہرست -
۵۳	پیش نظر از اقدام ہمارے حق کوئی	۵۳	پیش نظر از اقدام ہمارے حق کوئی
۵۷	خبر عقیدت (نظم) لکھنؤ	۵۷	خبر عقیدت (نظم) لکھنؤ
۵۳	عرض جان اول کے آئینہ مولانا شیعہ خاں	۵۳	عرض جان اول کے آئینہ مولانا شیعہ خاں
۵۵	صاحب نقد ہمارے وقت مجذوب از جذب	۵۵	صاحب نقد ہمارے وقت مجذوب از جذب
۵۶	میر معنی صاحب صاحب ہمارے حق پہچوندی	۵۶	میر معنی صاحب صاحب ہمارے حق پہچوندی
۵۵	نقد ہمارے وقت از صاحب نقد لکھنؤ	۵۵	نقد ہمارے وقت از صاحب نقد لکھنؤ
۵۶	نقد ہمارے وقت از صاحب نقد لکھنؤ	۵۶	نقد ہمارے وقت از صاحب نقد لکھنؤ
۵۹	مجذوب (مضمون) جذب شہادت کوئی	۵۹	مجذوب (مضمون) جذب شہادت کوئی
۶۰	"نقد مجذوب" مولانا ظہور الحسن صاحب ہمارے حق پہچوندی	۶۰	"نقد مجذوب" مولانا ظہور الحسن صاحب ہمارے حق پہچوندی
۶۸	ظاہر مطلق باطن زائرہ میر -	۶۸	ظاہر مطلق باطن زائرہ میر -
۶۹	مجھ پہ لطف فرماؤں میں تو اس قلم نہ تو	۶۹	مجھ پہ لطف فرماؤں میں تو اس قلم نہ تو
۶۹	مجھ پہ لطف فرماؤں میں تو اس قلم نہ تو	۶۹	مجھ پہ لطف فرماؤں میں تو اس قلم نہ تو
۶۹	نزدک جان حضور ہیں	۶۹	نزدک جان حضور ہیں
۷۰	میں میر کوئی حاکم قدردان نہ تیرے	۷۰	میں میر کوئی حاکم قدردان نہ تیرے
۷۱	خفت	۷۱	خفت
۷۰	میں سب قویہ میں میر کا ہم ہو جائے	۷۰	میں سب قویہ میں میر کا ہم ہو جائے
۷۲	آقا میر تقی میر کے دور دور میر	۷۲	آقا میر تقی میر کے دور دور میر
۷۳	جو تخت طریقا کوئی شہان محمد	۷۳	جو تخت طریقا کوئی شہان محمد
۷۷	مظہر ارہیت - مبارک اواسے بقرہ نہ پند	۷۷	مظہر ارہیت - مبارک اواسے بقرہ نہ پند
۷۸	بہار ہیت - جو ہے جہاں اے وہ گدا نہ پند	۷۸	بہار ہیت - جو ہے جہاں اے وہ گدا نہ پند
۷۹	یادگار ہیت گہاں ہیت گہاں ہیت	۷۹	یادگار ہیت گہاں ہیت گہاں ہیت
۸۰	فرہیں (الف)	۸۰	فرہیں (الف)
۸۲	اب ہائے کوئی نہ میری نہیں ہاں	۸۲	اب ہائے کوئی نہ میری نہیں ہاں
۸۲	قرآن میں اہل سے جب مجھ کو پیش کردہ	۸۲	قرآن میں اہل سے جب مجھ کو پیش کردہ
۸۳	تہ سبھا میر کوئی کہ میں لکھی تیرا سہل قد	۸۳	تہ سبھا میر کوئی کہ میں لکھی تیرا سہل قد
۸۴	کسی سے سیکھے اہل سراپا اس میں ہوتا	۸۴	کسی سے سیکھے اہل سراپا اس میں ہوتا
۸۴	تیری بات نہ کہی ہو تو ان کو کہے جا	۸۴	تیری بات نہ کہی ہو تو ان کو کہے جا
۸۶	میں فرہیں کسی کا جو نہ لکھی نہیں ہو	۸۶	میں فرہیں کسی کا جو نہ لکھی نہیں ہو
۸۷	دلفیت پیش جب پرمان حال دردمند اس قد	۸۷	دلفیت پیش جب پرمان حال دردمند اس قد
۸۸	برجہ میں جس نے نہ لکھی نظر تیرا	۸۸	برجہ میں جس نے نہ لکھی نظر تیرا
۸۹	رحم کا تیرا کہی جلد در کما بھی دے گا	۸۹	رحم کا تیرا کہی جلد در کما بھی دے گا
۹۱	دور نہ ہوں جو عیاں ہو کے بھی عیاں نہ ہوں	۹۱	دور نہ ہوں جو عیاں ہو کے بھی عیاں نہ ہوں
۹۲	دلف کو رخ پہ ترے جھوٹے نہ چاہیں دیکھنا	۹۲	دلف کو رخ پہ ترے جھوٹے نہ چاہیں دیکھنا
۹۳	راجہ قصور رخ نہ ہو گیا	۹۳	راجہ قصور رخ نہ ہو گیا
۹۴	جہاں دے کا لطف بھٹکا دامن نظر پتا	۹۴	جہاں دے کا لطف بھٹکا دامن نظر پتا
۹۵	میں میر میں لکھی ہے یہ دلی میر کا	۹۵	میں میر میں لکھی ہے یہ دلی میر کا
۹۵	تو نہ لکھی میر کا ہو گیا میر کا	۹۵	تو نہ لکھی میر کا ہو گیا میر کا
۹۶	میں میر میں لکھی ہے یہ دلی میر کا	۹۶	میں میر میں لکھی ہے یہ دلی میر کا
۹۷	میں میر میں لکھی ہے یہ دلی میر کا	۹۷	میں میر میں لکھی ہے یہ دلی میر کا

مضمون صفحہ

۱۲۶	دوست چاہیے کہ اور شہر ہو	۱۲۶	آئینہ بنامہ رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل
۱۲۶	جب تک اس بیکٹ فیس میں دم رہا	۱۲۶	راجہ دن ایک گھم کا لہن دروہی
۱۲۷	بوجھ کے لئے کھڑا کر کے لے لے	(م)	
۱۲۷	دو غزلیں دل در فکھ بولا سر دھجیاں بند	۱۲۶	ہر سائیں کے جب خون دل نہ خون ہر گم
۱۲۷	== بلور لہریں اور تک دلم رہا	(ن)	
۱۳۱	جو آگے لکھ کر کے لے لے	۱۲۳	قوی سہاگہ گر مائلہ صف کا ست کیا کریں
۱۳۱	شیر افکھ نے جو ہر بل نہ سنبھالا ہوتا	۱۲۳	تین غزلیں۔ ہر سہ ایک ہی آغلا ہوتا ہوں
۱۳۱	ہر طرف سر چھان کے دیکھ لے	۱۲۷	دو غزلیں سیاقی سا فیلر صدف سے مٹی کر دھن
(د)		۱۲۷	== کوئی سر دھجیاں کوئی خوشی خوشی میں
۱۳۱	۵ غزلیں۔ سنبھل کر دراز کا کام صحت	۱۲۷	== حادیب سنبھل کر دھن
(ر)		۱۲۷	== ہم غزلیں سے کر کے آگے دھجیاں
۱۳۵	دو غزلیں۔ چھٹے گھر سر نور ہو کر	۱۵۰	دو غزلیں۔ چھٹے گھر سر نور ہو کر
۱۳۶	ہر سہ سنبھالوں میں راغلیہ شیت ہو کر		دو غزلیں
۱۳۷	مزاج آغلا سب سے ہو کر	۱۵۲	نہ شکر لے کے قیہوں نہ طعت لے کے قیہوں
۱۳۷	تہہ تو کر رہا ہوں ہی تو کر کے چاہو شیش		دو غزلیں
(۱)		۱۵۲	پانچواں جہاں میں سنبھل دی ہیں لہجہ
۱۳۷	پہلی سہ دھت ہو رہیں یہ فکھ ہر	۱۵۳	دو غزلیں غزل میں قوی سب کے لہجہ لکھ ہے یہی
(ب)		۱۵۳	خود کا فکھ ہے چھٹے گھر دی لکھ رہے ہیں
۱۳۸	کبیرہ ہر گھر میں راغلا لکھ اس طرف	۱۵۵	پہلے غزلیں۔ کھٹے گھر ہے مائل ہے ہے یہ میں
(ل)		۱۵۷	نہ گھو کر ہر طوب ہو رہے ہیں
۱۳۸	رہنہ لکھ چھٹے گھر سنبھال اس قدر	۱۵۸	دل و دل میں چھٹے گھر ہے معلوم میں کھل
۱۳۹	تم میں کہ کہ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ		دو غزلیں
۱۴۰	سوتے جہاں لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ	۱۵۸	سودا چھٹے گھر ہے ہر گھر میں کھل

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۷۳	کوئی ہو کیے تو یہ راو طلب میں آواز میری	۱۶۰	مردش میں تھیں کانٹا و کچھ ہے جیہ۔
۱۷۲	دختر میں مجبور پاں مٹھ رکی۔	۱۶۰	یہ کوہ نام لکھ جو خود داریاں ہیں۔
۱۷۴	ہو اُمیں آئے تھیں اب تو کوئے و لبر کی		پانچ غزلیں۔
۱۷۵	یاد بھی ہے وصل کی وہ بات فرمائی ہوئی	۱۶۱	شب فرشت کی ہوئی کوہم یوں دور کرتے ہیں
	تھیں غزلیں	۱۶۲	جو لہر اہ بجی کتنی تھی اکبر ہوں میں
۱۷۵	کیا نظر مجھ پر نہ ڈالی جائے کی۔	۱۶۳	اے سوختہ جاں بھو یک دیا کیا سرے دل میں
۱۷۷	طوقہ یہ ہے مریخی تسمائی	۱۶۵	اشک ہے ہوئے ہیں نظارے ہوئے جیہ۔
۱۷۷	کیے جانے کس انداز سے عالم نے نظر کی	۱۶۶	کسے دیکھ کر قلعہ ہم آسے جیہ
	چار غزلیں	۱۶۶	یو چپ چٹوں تو ایک کوہ گمراہ معلوم ہو جیہ
۱۸۳	کب رات ہو کب ان سے ہوں	۱۶۷	بہیں پر دو بجے برہم میں شامل
	ظنوت میں مگر نیم		کھینچتے ہیں
	(۷)	۱۶۸	یوں رکے گا سے فلک یہ نان عجم نہیں
		۱۶۸	آگے میرے سو گم میں عالم نے گھنٹے ڈال دی
۱۸۳	کسی کی یاد میں میں زعمی اپنی گزرتی ہے		(۱)
۱۸۵	شعروں میں ہم کو دس غنطوہ ہے۔	۱۶۹	تسکین دل ہے پھر دور دور جگر ہے تو
۱۸۶	گھر کیا یا قصور میں تری قصور نے	۱۷۰	نہیں کہ جب بخار و بخار دل کی بکری خند ہے
۱۸۶	تیرے قدموں سے چھرا ہنسنے چاہیے	۱۷۰	اب گمراہ دل ہے کہ آنکھوں کی بھلائی
	دو غزلیں	۱۷۰	دشک کیوں گرد جہن دیکھ کے دیون ہو
۱۸۷	مہذب کو لے آؤ محفل میں جوا نا ہے	۱۷۰	چھپ کے ظنوت میں قصور کی ہوا آئے تو کما
۱۸۸	حیث کہتے ہیں چادر دگر	۱۷۱	یہ کیا ہے ترے ہوئے افسردہ ہے یقین
۱۸۸	یہاں تک قضا یہ نہا تک ہے	۱۷۲	پھر سے ہر دور کب تک الٹی
۱۸۹	نہ دل کا تو کہم تیرے وعدہ و وعسے	۱۷۲	لو ابو مریدان کا تری کیا میراں بدل
۱۹۰	میں ایک چلی ی پلے کوئی		(۱)
۱۹۰	پھر میں کے آگے خرم نہیں	۱۷۲	یہ کون آیا کہ وہ جیہ چنی نوش کھل تی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۱۲	پتھر محبت کبھی آزار نہیں ہے۔	۱۹۲	دل میں جو ہو کہ باغ و بہار اس سے کھیلے
۲۱۳	نور دیکھ اس کا ہر سو پھر بھی وہ مستور ہے	۱۹۳	بٹخا ہوں دل میں یاد کو مصلیٰ کئے ہوئے
۲۱۳	جواب اور دل کو دنیا نے	۱۹۳	زبان حال ملی عشق کے یہاں کے لئے
	وہی معلوم ہوئی ہے۔	۱۹۵	کروں میں بائے کب تک منید
۲۱۵	وہ جلوہ تو ہر سو عیاں ہو رہا ہے	=	اسے ظالم ترے دُور سے
	نہیں غزلیں	۱۹۶	سکون دشمن کا علم تھیل ہوتا جاتا ہے
	میں ہوں اور دفتر تک اس در کی	۱۹۷	جو تیری یادِ فرقت میں مری و سازنی جائے
۲۱۶	صحنِ مائی ہے۔		دو غزلیں
۲۱۸	جو ہم ترک ملائق کر کے کوئے پاد میں آئے	۱۹۸	اسے فدا اپنی کر تا آبِ نور گل سے مجھے
۲۱۸	حسرتِ دل کر لیا اچلا نہیں	۲۰۰	آئے تھے کئے حالِ دل مجھے نہیں لب بیٹے ہوئے
۲۱۹	نہ قہ جاب مست دیکھیں گے		دو غزلیں
	جہاں میں ہر سو ہے اس کا جلوہ	۲۰۰	میرے دہے تو عہدِ اسے گردِ شایم ہے
۲۱۹	کہاں نہیں ہے نہ مہر نہیں ہے۔		دو غزلیں
۲۱۹	مہم کشد حیرت بھی کوئی جھوٹا نہیں ہے	۲۰۲	قیامتِ خیز میرا غمِ مستان ہو تا ہے
۲۲۱	جئے یہاں کے لئے یا مرے وہاں کے لئے	۲۰۳	حسن کے راز کو مجھے کوئی چراغوں سے
۲۲۱	اب کہوں کب تک دعا یہ کر رہا کر میرے لئے	۲۰۵	دیکھی ہی نہات مصلوب رہا ہوئے کو ہے
۲۲۱	شوخیِ قادی کا اچھا دیکھ تو مڑ کر اوڑھ	۲۰۶	آتا ہے مجھے حکمِ سزاوار بھی کچھ ہے
۲۲۱	ہم تو ہوتے ہیں نہ واقفِ دان سے	۲۰۷	تم سا کوئی جرم کوئی دہشت نہیں ہے
۲۲۲	جو آجاؤ نسلوت میں تم آئیے	۲۰۷	جی اٹھے مردے تری آواز سے
۲۲۳	(تھکیں)	۲۰۷	لو کہن میں ہم عشق کا کھیل کھیلے
۲۲۳	تقصیمِ دراشتہ عشقِ قادی پوری	۲۰۸	نکلے مگر تے تے باجوں سے مر دل نہ جائے
۲۲۳	تھکائے کھڑا دبِ کھائے محبوب	۲۰۹	بہت دل سے آرزوئے دلِ جب شگفتہ میں ہے
۲۲۶	ہر دستِ شمع	۲۱۲	کوئی عزم نہیں صابِ حالِ مراد میں ہے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵۱	مرثیہ وفات حضرت مولانا اشرف علی	۲۲۶	بخاری
	صاحب قضاوی رحمۃ اللہ علیہ	۲۲۷	چٹن
۲۵۷	حقائق دہشت	۲۲۸	حیدر ناکل از مہذب عارف
۲۵۸	قلعات تعلیمات اثر فیہ المکرم	۲۳۱	مولانا جواب مولانا مہذب
	قلعات	۲۳۱	حیات و خدمات مائت مہذب
۲۸۷	فیروشی	۲۳۳	حیات مہذب
۲۸۸	شکار گاہ	۲۳۴	حقیقت نثر
۲۸۹	مد سائنس کی آمد	۲۳۵	طریقہ اصلاح
۲۹۱	تہذیب نو	۲۳۶	فریب خواب ہستی
۲۹۲	دلیرانِ علم	۲۳۷	اشعار مختلفہ کتب
۲۹۵	نمودہ نماز	۲۳۹	قدیم کی (فارسی کلام)
۲۹۹	دواشعار جو بعد وفات حضرت قضاوی	۲۴۰	قلعات
	حضرت مہذب کے اکبر و دو زبان ہے		
۲۹۸	جبریل مددین سنگول از مولانا جمیل احمد صاحب	۲۴۱	دعائے عالمین
۲۹۸	جبریل طبع اول سنگول از مولانا اسد اللہ	۲۴۲	دعائے عالمین
	صاحب ہاشم مجاہد علوم ساریہ	۲۴۵	حسن احمد شہزادہ سرائیکی از قضاوی
	قطرہ جبریل طبع ثانی کلام مہذب	۲۴۹	افکار ہائے عقیدت
	از حمیرا الامام نصیر اسد علی کاتب	۲۵۰	مرثیہ حضرت مولانا شہید احمد صاحب
	دیوان پڑا مولانا "ظہور الحسن صاحب"		مکتوبیہ رحمۃ اللہ علیہ

حامذا ومصليا ومسلما

پیش لفظ

چرخ زندہ میخوائی در شب زندہ داراں زن

کہ بیداری خفت از خفت بیداراں شود پیدا

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں (آپ کی ولادت ۱۶ شعبان ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۲ جون ۱۸۸۳ء بروز چار شنبہ صبح صادق کے وقت ہوئی۔ تاریخی نام مرغوب احمد ہے۔ ہمایوں کے عہد میں آپ کے اجداد میں کوئی بزرگ الہ دین خواجہ غوری تھے۔ اس لئے آپ کو لور آپ کے خاندان کو غوری کہا جاتا ہے۔ آباد اجداد کا وطن ریاست مہر چور کا ایک قصبہ آصف آباد عرف ندبئی ہے، جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ بھی ان بارہ بھٹیوں میں سے ایک ہے جو سلطان شہاب الدین غوری نے ہماکی تھیں۔ اس میں آپ کے محلہ کا نامہ ”غوری پاڑہ“ آپ کے خاندان کی مناسبت سے ہے۔ آپ کے والد گرامی خواجہ عزیز اللہ صاحب نے جو ایک قلیل وکیل، معزز و با وضع بزرگ لور حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت تھے، لورئی ضلع جالوں بسلسلہ وکالت قیام فرمایا تھا۔ اس لئے خواجہ صاحب کا مولد و مسکن یہی مقام ہے۔ آپ شیوخ میں سے ہیں لور آپ کے خاندان کے افراد بڑے بڑے عہدوں پر معزز و سر فراز رہے ہیں۔ آپ نے علی گڑھ یونیورسٹی سے بی، اے کیا۔ انگریزی تعلیم کے زمانہ میں بھی اسلامی وضع قطع لور طریقہ کے پوری طرح پابند رہے۔ حضرت مولانا تھانوی سے بھی اسی زمانہ میں عقیدت و تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ شعر بھی اسی زمانہ سے فرمانے لگے تھے۔ پہلے حسن تخلص کرتے تھے لور بعد میں مجذوب کر لیا۔ آپ کا

یہ مختصر آپ کی طبیعت کی مناسبت سے حضرت تھانوی نے تحریر فرمایا تھا

نے اس شخص خطاب کی جو قدمی اس پر ان کا شکر بیچے۔ بنایا ہے بخدا رب کہ خان صاحب بہت ہی یہ نوٹے ہیں ناراض صاحبہ ۳۲۔

۱۰۰

خواجہ صاحب عارف و صوفی تھے، ادیب شاعر تھے۔ حضرت اقدس مولانا تھانویؒ کے یہاں ان کو وہی درجہ حاصل تھا جو حضرت شاہ نظام الدین اولیاءؒ کے یہاں حضرت امیر خسروؒ کو۔ ان سے ملنے والے ان کے خلوص و محبت، بے

نفسی اور عارفانہ کردار کے ہمیشہ معترف اور مداح رہے۔ ان کی ذات عرفان و آگہی کا ایک عمدہ مرقع، اسلامی فکر و عمل کا قابل قدر میکر اور انسانی خلق و مروت اور صدق و راستی کا ایک بہترین نمونہ تھی۔ ان کی صورت و سیرت سے اللہ اور اللہ والوں کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ وہ صاحب تقویٰ ہونے کے ساتھ ”حسن کلام“ کی قابل قدر نعمت سے بھی فیض یاب و بہرہ اندوز تھے۔ اور ان پر منجملہ دوسرے انعامات کے اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ایک بڑا فضل تھا۔

قال السیوطی بسندہ فی الجامع الصغیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکلام الحسن احد الجمالین یکسوه اللہ الرحمن جل الصالح۔ اسی خوش گفتاری، راست فکری اور خدا ترسی کی برکت تھی کہ وہ بلا امتیاز مذہب و ملت ہر انسان کے لئے مجذوب ہونے کے باوجود جاذب تھے۔ ہر ہر مجمع میں ان کی ہستی ایسی نمایاں ہوتی تھی کہ ہر شخص متوجہ ہونے پر مجبور ہوتا تھا۔ وہ بلند اخلاق و وسیع القلب تھے۔ جس کے سبب ہر شخص گردیدہ و متاثر ہوتا تھا۔ بڑے بڑے علماء اور معاصر شعراء بھی ان کا ادب و احترام کرتے تھے۔ وہ ”مرتبوں و مرتج“ کے زریں اصول پر عامل اور بے لوث پاکیزہ زندگی کے حامل تھے۔

چہ باید مرد را طبع بلندے مشرب نابے دل گرے نگاہ پاک بپنے جان پتابے
حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے والمانہ عقیدت رکھتے تھے اور
حضرت کی تعلیم و تربیت فیوض و برکات اور خود ان کے اتباع اور جذبہ اطاعت و
انقیاد نے ان کو انسانیت کے ایک بہت رفیع اور اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا تھا ۔

کیا یحسب عجب، مد گئی پیرمناں : خاک او ششم و چندیس در جانم و لوند
وہ میکدہ عرفان کے ایسے سے گسار تھے جن کو ساقی کی نظر التفات نے
خوب خوب ہی نوازا تھا ۔

محفل میں آج طرف قدح خوار دیکھ کر : ساقی نے التفات کا دریا بہا دیا
 خود بھی اس خم کدہ یقین کی شراب معرفت کا تذکرہ فرماتے ہیں ۔
 شراب اور غواں کیا پی کہ میرا کل جہاں بدلا
 نظر آتا ہے اب رنگ زمین و آسمان بدلا
 ایک ان ہی پر کیا منحصر یہ تو حضرت خواجہ صاحب ہیں جن کو گونا گوں خصوصیات
 ہیں۔ حضرت حکیم الامت کے پاس تو ہر ٹٹھنے والا یہی کتا نظر آتا ہے :
 دل کچھ نہ تھا تمہاری نظر نے بنادیا دنیا سے درد عالم حسرت جہان و لرغ
 عالم از زر گس تو بے سے وینا سرشار
 چشم بدور عجب ساغر بے مل زدہ
 یہی باد وحدت کی سرشاری و سرمستی اور پاکیزگی نفس کے مقدس
 جذبات تھے جنہوں نے ان کی شاعری میں اک عجب روح پیدا کر دی تھی اور وہ
 نغمہ و شعر کی کیف آفرینوں کے وقت بھی بڑے بڑے راز ہائے سرمد کا انکشاف
 کرتے تھے ۔

پتہ کی سناتا ہے مجذوب باتیں
 یہ بے خبریوں میں خبرداریاں ہیں
 محبوب حقیقی کی یاد اور رضاء و خوشنودی نے ان کو دنیا و مافیہا سے مستغنی
 بنادیا تھا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ۔

مجھے دوست چھوڑ دیں سب کوئی مہرباں نہ پوچھے
 مجھے میرا رب ہے کافی مجھے کل جہاں نہ پوچھے
 شب و روز میں ہوں مجذوب اور یاد اپنے رب کی
 مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے
 وہ ایک ایسے عالم میں ہیں کہ کوئی چیز بھی ان کی توجہ کے لئے یاد محبوب

سے مانع نہیں ہوتی۔

آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا : ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے
اسی عالم کیف و سرخوشی میں کبھی وہ یہ فرماتے ہوئے نظر آتے ہیں جس
سے ان کی رفعت مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

تم سا کوئی ہم کوئی دمساز نہیں ہے
ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے
ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس رہو خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

تقدیس نفس کی ان زمزمہ چیرائیوں کے سبب ایک زمانہ میں ان کو
رسالہ ”المحفتی“ دیوبند میں ”حافظ عصر“ لکھا جاتا رہا۔ حقیقت میں یہ خطاب اور
لقب ان کے لئے نہایت موزوں تھا۔ وہ واقعی ”حافظ عصر“ تھے۔ ان کے کلام
جیسا سوز و گداز، جذب و مستی، کیف و سرور اور حقیقت و واردات ہے۔ وہ اردو میں
لسان الغیب کے قبیح نظر آتے ہیں اور ان کے یہاں معرفت و حقیقت کے رموز
اور حال و قال کے وہ بلند ترین مرتعے موجود ہیں جن سے ان کو اردو میں ”حافظ“ کا
درجہ دیا جاسکتا ہے۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کے بعض مضامین دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ
حضرت حافظؒ سے ان کو گہری مناسبت ہے۔ خود ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

عندلیب بوستانِ راز ہوں
ہموائے بلبلِ شیراز ہوں

وہ بلبلِ شیراز کی ان ہم آہنگیوں اور نغمہ، قدس کی لطیف ترنم ریزیوں کے ساتھ
شاعری کی ہر صنف پر پوری طرح حاوی تھے۔ حالانکہ عام طور پر ایسا کم ہوتا ہے
کہ کوئی شاعر تمام اصنافِ سخن میں یکساں طریقہ پر عبور و قدرت رکھتا ہو اور اس کا

سمندر فکر مضامین کی سخت و نرم وادیوں کو بسبب ولت طے کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو لیکن حضرت خواجہ صاحب شاعری کی تمام اصناف و انواع میں طبع آزمائی فرماتے تھے اور انتہائی کامیابی سے ہر ایک صنف میں رواں دواں نظر آتے تھے وہ بڑی سخت اور سنگلاخ زمینوں کو روندتے چنے جاتے تھے اور ان کا شہب فکر کسی سخت سے سخت جو لاناگاہ میں تنگ و تناز سے نہیں رکھتا تھا۔ وہ جب کہنے پر آتے تو ایک بحر ذخار اہل پڑتا جو دریا کی تہ سے بڑے بڑے گراں بہا موتیوں کو دامین ساحل پر لا ڈالتا۔ خواجہ صاحب نہایت طبع اور ہر گو تھے۔ کوئی ادنیٰ سا بھی محرک ہوتا ہو اس طرح شعر کہتے گویا کسی دریا کا وہانہ کھول دیا گیا ہے۔

شور مران نسیم بہاراں میمانہ ایست

ہر شاہ گُل جنون مرا تازیانہ ایست

اس کیفیت پر ان کا کلام پوری طرح شاہد عدل ہے اور گو اس قدر پر گوئی کے ساتھ رشتہ شعر و نظم میں ہر قسم کے موتیوں کا ہونا کچھ بھی مستبعد نہیں ہے مگر پھر بھی ان کا کلام مخصوص نوعیت کا حامل ہے اور اپنے اندر اک خاص جذب و کشش رکھتا ہے۔ ہم اس سلسلہ میں نقد و نظر کے معاملہ بلند ذوق سخن شناس ناظرین ہی پر چھوڑتے ہیں لیکن یہ امر محتاج اظہار نہیں کہ ان کے خزانہ شاعری میں ابد ار لائی اس افزونی اور کثرت کے ساتھ ہیں کہ کم روشنی والے موتی بھی ان کی ضویر تابش سے چمک اٹھے ہیں۔

ان کی غزلوں میں سوز و گداز، جذب و شوق، کیف و مستی نظموں میں روانی، تسلسل محاکات، منظر کشی اور دوسرے اصناف سخن میں شاعری کے لطیف جوہر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ وہ بہت ہی عمدہ کہتے ہیں۔ ان کے کلام میں بلا کا درد و اثر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے آتش کدہ خیال سے مسلسل بلند ہونے والے شعلے افسردہ قلب میں ایک آگ لگائے چلے جا رہے ہیں اور جیسے یہ کلام انہوں نے

کسی خاص عالم میں تحریر کیا ہے اور وہی سال پڑھنے والے کے دل و دماغ کو متاثر کر رہا ہے۔ گویا ”ازدل خیز ویر دل ریزو“ کی مکمل و کامیاب شرح نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
ان کا کلام جس پاکیزہ حقائق کا آئینہ دار ہے اس کے پیش نظر ان کو بلا
خوف و تردید ”شاعر غنائیات“ یا ”شاعر روحانیت“ کہنا چاہئے۔

خواجہ صاحبؒ کے یہاں صرف عارفانہ غزلیں ہی نہیں بلکہ شاعری کی
دوسری اصناف بھی ایک خاص جذبہ عرفان کے ساتھ ہیں۔ سیاسی ہنگامہ آرائیوں
سے یکسو رہنے کے باوجود انہوں نے ایک زمانہ میں ملک و قوم کے حالات سے
متاثر ہو کر طویل نظمیں بھی کہیں ہیں جو بے حد مقبول ہوئیں۔ ان نظموں نے
وقت کے عام خیالات میں ایک انجیل ڈال دی اور عوام و خواص سے بے انتہا خراج
تعمین وصول کیا۔ یہ سیاسی آویزشوں کا دور تھا اور ملک میں ایک بڑے پیمانے پر
جماعتی کشمکش جاری تھی۔ اس وقت انہوں نے ملتِ خوابیدہ کو بیدار اور اسلامی
شعور و فکر کی صحیح شاہراہ عمل سے آشنا کرنے کے لئے یہ نظمیں کہیں جن سے
اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ صاحبؒ اپنے مخصوص طرزِ بیان کے لحاظ سے جس طرح
غزل گوئی اور بزم کی شاعری میں یدِ طولیٰ لار کھتے ہیں اسی طرح وہ جولا نگاہِ بزم میں
بھی جیغِ قلم کے جوہر دکھلانے اور زندگی کے مسائل و تعلیمات کو عمدہ اسلوب سے
بیان کرنے میں پوری دستگاہ کے مالک ہیں۔

خواجہ صاحبؒ حسب موقع مزاجیہ کلام بھی فرماتے تھے اور وہ شاعری کی
اس صنف پر بھی پوری طرح قادر تھے۔ جب کبھی ایسی صورت ہوتی اور وہ کسی
محفل میں ظرافت کے انمول موتی بکھیر دیتے تو ان کے اچھوتے اور خندہ آفریں

جواہر پاروں سے مجلس کشت زار زعفران ہی جاتی تھی۔ ان کے کلام میں حقائق بھار اور تعلیمات اشرفیہ کو بھی ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ انہوں نے قطعاً میں تعلیمات و مسائل منضبط کر کے مدگی فکر و نظر کی وہ اعلیٰ مثال قائم فرمائی ہے کہ ”خیر الکلام ما قل و دل“ اور ”ان من الشعر لحکمة“ کا صحیح مصداق سامنے آجاتا ہے بشرطیکہ دل معارف آگاہ اور طبیعت حقائق آشنا ہو۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

مرد تالوں پر کلام نرم و نازک بے اثر

شاعری کی ہر صنف میں کمال و مہارت کے ساتھ ان کے پڑھنے کا طرز نہایت دلانہ اور سرور انگیز تھا۔ وہ کیف کے ساتھ پڑھتے تھے اور جس وقت کلام سناتے تھے مجمع پر چھا جاتے تھے۔ اس موقع پر اس امر کا بیان بھی بے محل نہ ہو گا کہ خواجہ صاحب ”نثر نگاری میں بھی کامل و سترس رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا تھانویؒ کی سوانح حیات ”اشرف السوانح“ ان کی ایک عمدہ اور بہترین تالیف ہے۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا کے ملفوظات اور مواعظ بھی انہوں نے قلم بند فرمائے ہیں جو اپنے مخصوص طرز ضبط کی وجہ سے ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اب ہم خواجہ صاحب کے کلام سے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔

خواجہ صاحب کا کلام علم و حکمت کا خزینہ اور حقائق و معارف کا پیش ہما گنجینہ ہے۔ زندگی کی تمام تعبیریں ان کے کلام میں موجود ہیں۔ حیات انسانی کا کوئی سا گوشہ نہیں ہے جس کے متعلق انہوں نے کوئی راہ عمل نہ دکھائی ہو اور عشق و محبت الہی کا جذبہ تو ان کے کلام میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ ہر موقع پر مالک حقیقی کی رضا و خوشنودی کے طالب اور مشتاق نظر آتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی اب تو آجاب تو خلوت ہو گئی

کشمکش کا بیان کاغذ پر نہیں لکھا جاتا بلکہ اس کا بیان دل سے ہوتا ہے۔ اس کا بیان دل سے ہوتا ہے۔ اس کا بیان دل سے ہوتا ہے۔

واقعی اس محبوب حقیقی کی لگن اور عشق صادق کی پچی ترپ سے اہل دل حضرات کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ وہ تمام تمنائوں سے اپنے سینہ کو خالی کر لیتے ہیں۔ صرف ایک اس کی تمنا کے لئے وہ سب آرزوؤں کو ختم کر دیتے ہیں۔ صرف ایک اس کی آرزو کے لئے حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ اس شعر کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ خود خواجہ صاحب کا بیان ہے کہ :

یہ شعر حضرت اقدس کو اپنے حسب حال ہونے کی وجہ سے اس درجہ پسند تھا کہ ایک بار مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ”اگر میرے پاس اتنی رقم ہوتی تو میں ایک لاکھ روپیہ آپ کو اس شعر کا انعام دیتا“ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ :

”جب کبھی مجھ کو یہ شعر یاد آ جاتا ہے تو کم از کم تین بار پڑھے بغیر میری نہیں ہوتی۔“

حضرت حکیم الامت ان کے اشعار کی ایک سلسلہ ملفوظات میں اس طرح تعریف فرماتے ہیں کہ :

”خواجہ صاحب تصوف کے دقائق و غوامض کو اپنے اشعار میں ادا کرتے ہیں“ حضرت مولانا جیسے مجمع الفضائل جامع کمالات اور ہاذوق بزرگ کی یہ مدح و توصیف خواجہ صاحب کے لئے حسن قبول کی ایک عمدہ اور بہترین سند ہے۔

وہ اپنے جذب و مستی میں کائنات کی ہر چیز پر نظر ڈالتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا فکر لطیف بڑی خوبی سے حقائق اشیاء کا اندازہ کرتا ہے۔ وہ ربط و تعلق کی ایک خاص کیفیت کو کس خوبی سے بیان فرماتے ہیں۔

بٹھاتے ہیں جو آنکھوں پہ سب اس سے خوشی کیا ہو

کسی کی طبع نازک پر گراں معلوم ہوتا ہوں

وہ نغمہ و شوق کی ترنم ریز یوں میں بھی انسان کو یوم آخرت کی ذمہ داریاں

مترس از بلائے کہ شب در میان است
 یہ پڑھ کر نہ سوشب بھر آرام ہی سے
 لرے کوچ کوچ گویا ہونے پہ ہو گا
 مگر فکر توشہ تو کر شام ہی سے
 دوسری عالمگیر جنگ کی تباہ کاریوں کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہیں۔

یہ اڑا کر جو گرتے جا رہے ہیں روز طیارے
 مجھے تو یہ سزائے سرکشی معلوم ہوتی ہے
 نفسیات پر ان کی گہری نظر ہے وہ معارف و حقائق کے راز دار ہیں
 اور پھر کس خوبی سے ایک بہت ہی نفسیاتی حقیقت کا اظہار فرماتے ہیں۔

ابھی میں راز داں ہونے سے کوسوں دور ہوں شاید
 ابھی آثار سے میں راز داں معلوم ہوتا ہوں
 ان کا کلام سراسر واردات ہے وہ جو کچھ کہتے ہیں گویا مشیتِ ایزدی کو
 سامنے رکھ کر کہتے ہیں۔ اس لئے خود ان کا منظوم قول ہے۔

یہ حقائق یہ معانی یہ روانی یہ اثر
 شاعری تری ہے اے مجذوب یا الہام ہے
 ان کی شاعری مشاہدہ و یقین کا پر تو ہے۔

جیسی کچھ میں کہتا ہوں جب دیکھتا ہوں
 کہ دل بھی مرا ہم زباں ہو رہا ہے
 وہ عالی خیال اور بلند نظر ہیں اور ان کو بیمارِ عالم کی نیرنگیاں بھی اپنی
 طرف مائل نہیں کر سکتیں۔

زبے نصیب کہ میری نظر بہ فیض جنوں
 فریب خوردہ رنگینی بہار نہیں

تجلی دورود محبوب کا کتنا عجیب نقشہ ہے :-

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی کو شمع محفل کی

پتنگوں کے عوض اڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

ان کے مخصوص رنگ کا بہت ہی بلند مطلع پڑھے اور ان کی روح کو حقیقی داد پیش کیجئے۔

اب بھی مجذوب جو محروم پذیرائی ہے

کیا جنوں میں ابھی آمیزش دانائی ہے

رنگِ تفرل میں ڈوبے ہوئے اور بعض دوسری خصوصیات کے حامل

چند مطالع اور اشعار ملاحظہ فرمائیے :-

بس اک جلی سی پہلے کو ندی پھر اس کے آگے خبر نہیں ہے

اور اب جو پہلو کو دیکھتا ہوں تو دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

جہاں میں ہر سو ہے اس کا جلوہ کہاں نہیں ہے کدھر نہیں ہے

وہ ذرے ذرے میں جلوہ گر ہے مگر کوئی دیدہ ور نہیں ہے

کیا کروں یارب کدھر جاؤں کشاکش دل میں ہے

اک کشش گرداب میں ہے اک کشش ساحل میں ہے

اس کو ہر ذرہ ہے اک دنیائے راز

مکشف جس پر حقیقت ہو گئی

کوئی مزا مزا نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں

تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

سنبھل کر ذرا تیز گام محبت

مقامِ ادب ہے مقامِ محبت

چن کا رنگ گو تو نے سراسر اے خزاں بدلا
 نہ ہم نے شاخ گل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا
 ناچیز ہیں پھر بھی ہیں بڑی چیز مگر ہم
 دیتے ہیں کسی ہستی مطلق کی خبر ہم
 یہ آج تصور میں مرے کون حسیں ہے
 ہر موئے شجر طور ہے دل عرشِ مدیں ہے
 وہ اٹھ بھی گئے بزم سے کب کے مگر لب تک
 اللہ رے حیرت جو جہاں تھا وہ وہیں ہے
 جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت
 ایک سینہ بہ سینہ ہے اک خانہ بہ خانہ ہے
 جو تری یادِ فرقت میں مری و مسازن جائے
 تو مری دل کی ہر دھڑکن تری آوازیں جائے
 حقیقت میں تو میخانہ جہی میخانہ ہوتا ہے
 ترے دستِ کرم میں جب کبھی بیانا ہوتا ہے
 مگر اے مختب تجھ کو بھی کچھ ذوقِ رندی کا
 جہی آتا ہے تو جب رنگ پر میخانہ ہوتا ہے
 ہائے ایسے میں ہے تو ساقی کہاں؟
 کیا بھری برساتِ خالی جائے گی
 یوں تو اس پیکرِ ہستی میں مرے کچھ بھی نہیں
 کوئی مطرب ہو تو ہر نقدِ مرے ساز میں ہے
 کس کے آنے کی خبر نزع میں سن پائی ہے
 جانِ رگ رگ سے جو آنکھوں میں سٹ آئی ہے

فصل گل میں سب تو خنداں ہیں مگر گریاں ہوں میں
جب تڑپ اٹھتی ہے جھلی یاد آ جاتا ہے دل
معرفت اتنی ہی کافی ہے طریقِ عشق میں
یہ سمجھ میں آ گیا ہے وہ سمجھ سے دور ہے

حسن انشاء اسے سمجھوں کہ کہوں حسنِ ادب
رازِ دال ہو کے بھی دل جستجوئے راز میں ہے
موت ہر ذی روح کے لئے مقدر ہے اور کوئی اس کے آہنی پنجہ سے
مامون نہیں رہ سکتا۔ کل من علیھا فان دیتی وجہ ربک ذوالجلال والا کرام عالم و
ماروائے عالم کی کون سی چیز ہے جس میں اختلاف نہیں کیا گیا۔ لیکن موت ایک
ایسا مسئلہ ہے جس پر دنیا کا ہر انسان اتفاق کرنے کے لئے مجبور ہو گیا ہے۔ متنبی
کتا ہے کہ -

تخالف الناس حتی لا اتفاق لهم
الا علی شجب والخلاف فی الشجب
اس سلسلہ میں اصحابِ شعر و ادب نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن حضرت
خواجہ صاحبؒ نے زندگی کے اس ”لازمی انجام“ کو جس طریقہ پر بیان فرمایا ہے وہ
بھی اپنی مثال آپ ہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ -

میں اتنی سی حقیقت ہے فریبِ خوب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے
آزادی کی نعمت پر کس واقعیت کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں -
کہاں یہ خوش رنگ سرخ تیلی کہاں وہ بد رنگ خشک تنکے
مگر قفس پھر بھی اف قفس ہے اور آشیاں پھر بھی آشیاں ہے
حقائق و مسائل تصوف کے سلسلہ میں اہل سلوک کی اصطلاح سیر فی

اللہ اور سیر الی اللہ کو سامنے رکھے اور پھر خواجہ صاحب کا یہ شعر پڑھئے :-
 قطع راہ عشق اے راہرو کبھی ممکن نہیں
 اک سفر ہے تا منزل اک سفر منزل میں ہے
 حضرت حافظ نے فرمایا تھا کہ :-

چشم عقل بینا رہ گذر پر آشوب
 جہان و کار جہاں بے ثبات بے محل است

اور حضرت مجذوبؒ فرماتے ہیں :-

کیا دو روزہ زندگی کا یہ قرینہ چاہیے
 مرنے والے کی طرح دنیا میں جینا چاہیے
 ان کی حقیقت یبسنی اور فلسفیانہ انداز فکر قابلِ داد ہے۔ فرماتے ہیں :-

یہ کیا زاہد خشک تو چاہتا ہے
 کہ ہر شے سے دل کا غلو چاہتا ہے
 عبث ہے عبث سعی ترک تمنا
 کہ دل فطرۃً آرزو چاہتا ہے

مگر وہ اس تمنا کا اک خاص محور مقرر فرماتے ہیں اور وہ باری تعالیٰ کی رضا اور آرزو ہے۔

حدیث شوق ہمیں پس کہ سو ختم ہے تو
 سخن یکے ست و گریہ عبارت آرائی ست

پھر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تعلق مع اللہ ہی صالح فکر و عمل کی بنیاد
 اور انسانی درد و مصائب کا مداوا ہے اور اسی کی تلقین پر ان کا تمام کلام مشتمل ہے۔ وہ
 ظاہر میں عشق و محبت اور دوسری ہر قسم کی شاعری فرماتے ہیں مگر اصل میں ان
 کے پیش نظر دعوتِ حق ہے وہ اپنے عارفانہ کلام سے خدائے قدوس کی محبت و

عظمت کے زیریں آثارِ قلوب میں جاگزیں کرنا چاہتے ہیں۔

اور جو مثالیں پیش کی گئیں ہیں وہ ”مشتے نمونہ از خردارے“ کے طور پر ہیں۔ اشعار کے اس انبار میں ایسے اور ان سے بھی زیادہ نامعلوم کتنے گراں بہا گوہر موجود ہیں جو دیدہ و دل کے لئے سامانِ سرور و انبساط مہیا کرتے ہیں۔ ناظرین مطالعہ کے بعد اس کا خود اندازہ فرمائیں گے۔

خواجہ صاحب کا یہ کلام مختلف رسالوں، مکتوبوں اور بیاضوں سے فراہم کر کے ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے۔ اس میں غزلیں زائد اور نظمیں کم ہیں۔ کیونکہ بعض طویل نظمیں ٹریکوں کی شکل میں الگ طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔

ترتیب اور اس کے معیار کے بارہ میں کچھ عرض نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ہر شخص کا مذاق مختلف ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ جو ترتیب ایک شخص کے معیار کے مطابق ہے وہ دوسرے کے فکر و نظر پر بھی پوری اترے۔ ادھر یہ بھی واقعہ ہے کہ کلام کی ترتیب نہایت غلبت میں ہوئی ہے مگر پھر بھی اس غلبت میں جس قدر اہتمام ممکن تھا اس میں کوئی کمی نہیں کی گئی ہے بلکہ پوری سعی و کوشش کو کام میں لایا گیا ہے۔ اگرچہ ابتدا میں پیش نظر تھا کہ حضرت خواجہ صاحب کا متفرق کلام اس وقت تو کسی نہ کسی صورت میں جمع ہو جائے کہ حوادثِ روزگار کی دستبرد اور غیر اطمینانِ پیشِ قدمیہ نہرولیاقت معاہدہ سے پہلے کا ہنگامہ خیز دور تھا حالات سے کوئی ایسا مانع پیش نہ آجائے جس کی وجہ سے اس کی نقش و تالیف کی بھی نوبت نہ آئے۔ ”تابہ ترتیب و حسن ترتیب چہ رسد“

لے مولانا ظہور الحسن صاحب نے کشکول کے آخر میں آپ کی نظموں اور دیگر تصانیف کے اشتہارات دیدیئے ہیں۔ ۱۲۔ لے یہ نہرولیاقت معاہدہ سے پہلے کا ہنگامہ خیز دور تھا۔ ۱۲۔

کلام کی تدوین کے وقت یہ خیال ہوتا تھا کہ زیادہ طویل غزلوں میں سے بعض شعر کم کر دیے جائیں اور حذف و انتخاب کے بعد یہ کلام منصہ شہود پر جلوہ گر ہو۔ لیکن بعد میں اس راقم الحروف اور مولانا ظہور الحسن صاحب دونوں کی رائے تمام کلام ہی کو اس مجموعہ میں شامل رکھنے کی ہوئی۔ اس لئے تقریباً پورے اشعار جملہ باقی رکھے گئے۔ نظموں کے عنوانات میں بھی حتی الامکان جدت و ترمیم یا حذف و اضافہ سے کام نہیں لیا گیا۔ البتہ حمد و نعت، غزلوں، نظموں وغیرہ کے ابواب کو از سر نو قائم کیا گیا ہے۔

اس کلام ہلافت کی اشاعت کے سلسلہ میں حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب زید مجدہم اور باب ذوق کے خاص شکر یہ کے مستحق ہیں کہ جن کے طبعی تقاضوں اور پیہم کوششوں سے یہ کلام انتہائی غلٹ کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ ہو کر ناظرین کے ہاتھوں پہنچ رہا ہے ورنہ اگر مولانا کے دل میں حضرت خواجہ صاحبؒ کے ان منتشر جواہر ریزوں کے یکجائی صورت میں جلد سے جلد شائع کرنے کا اس قدر قوی اور مستحکم داعیہ نہ ہوتا تو معلوم نہیں اس کی طباعت میں کتنی تاخیر ہوتی۔ اور اہل ذوق اس کے مطالعہ سے مستفیض بھی ہو سکتے یا نہیں۔

بہر حال حضرت خواجہ صاحبؒ کا یہ کلام شعر و سخن میں عموماً اور صالح ابوب میں خصوصاً اک قابل قدر اضافہ ہے اور رموز و حقائق اور معارف و واردات کے جویدگان و طالبان کے لئے عرفانیات کا سرمایہ کیف افزا۔

حضرت مجذوبؒ کے تذکرہ کا اثر ہے کہ ان معروضات میں باوجود کوشش کے اختصار نہیں رہ سکا اور۔

”لذیذ و حکایت دراز تر گفتم“ کے بعد بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ

بروں از حد تقریر مست شرح آرد و مندی

لیکن اس سے زیادہ گزارش کے لئے اس کتاب کا مختصر سارا من متحمل نہیں۔ تا
سپاسی ہوگی اگر ان حضرات کا تذکرہ نہ کیا جائے جن کی مساعی جلیلہ اب یا کچھ پہلے
کسی نہ کسی صورت میں اس مجموعہ کے لئے مدد و معاون ثابت ہوئیں۔ اس سلسلہ
میں منجملہ دوسرے اصحاب کے جناب شیخ محمد یوسف صاحب سندیلوی مقیم سکھر،
جناب حاجی لطافت علی صاحب ہاللت پوری اور جناب مولوی نجم الحسن صاحب
تھانوی مقیم لاہور کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اس تمام گزارش احوال کے بعد اپنی علمی حسی مانگی ادلی بے بیضا عتی اور
فکرو نظری کی کوتاہی کا پوری طرح اعتراف ہے۔

آخر میں اس کلام سے مستفید ہونے والے حضرات سے التماس ہے کہ
وہ حضرت خواجہ صاحب کے لئے رفع درجات کی اور حضرت مولانا ظہور الحسن
صاحب اس کترین اور ان اصحاب کے لئے جنہوں نے اس سلسلہ میں کسی نہ کسی
طور پر حصہ لیا ہے۔ فلان دارین حسن خاتمہ اور رحمت و غفران کی دعا فرمائیں۔

احقر: انعام الرحمن غفرلہ تھانوی

جامعہ مظاہر علوم ساران پور ۱۳ اذیقہ ۱۳۶۹ھ



نادرِ عقیدت

اے حضرت ”عزیزِ حسن“ سالکِ سبیل
 مدحت سرا ہے ترا ہر اک فاضلِ جلیل
 نقول میں ترے زمزمہ قدس کی جھلک
 افکارِ مثلِ موجِ تسنیم و سلسبیل
 اس جذبِ وبے خودی میں یہ پرواز تاجِ عرش
 حاصل تری نگاہ کو ہے بالِ جبرئیل
 نعماتِ سرخوشی میں یہ ”انعام و ادرات“
 اس طرزِ خاص میں ہیں بہت کم ترے مثل
 دل میں ہے تیرے عشقِ خدا و رسول کا
 ہر شعر اس حقیقتِ روشن کی ہے دلیل
 اک ربِّ خاص ”حضرت اشرف“ سے ہے تجھے
 وہ جن کا طرزِ سنتِ احمد رو غلیل
 اس طرح گرمِ تازِ ترا اشہبِ قلم
 صوفی کا طیبی ارض ہو جیسے دمِ رحیل
 دریائے طبع ہے ترا موجِ اس طرح
 طغیانوں میں جیسے رواں آبِ رو نیل
 ذوق و شوقِ زمزمہ پیرائیاں تری
 آگاہی و فراستِ مومن کی ہیں دلیل
 تری حدیثِ حسنِ ادب اک پیامِ زیست
 تیرا کلامِ شوق اثرِ ہادی سبیل

لبریز بادہ ہائے محبت تری نگاہ
 معمور برگ و باد تیرے فکر کا علیل
 اشعار میں روانی موج خرام ناز
 تیری زبان و طرز بیاں دلکش و جمیل
 آئینہ دار جلوہ عرفان لم یزل
 تیرا کلام حسنِ حقائق کا ہے کفیل
 شاعر بہت جہاں میں مگر تجھ سے نغمہ سنج
 رمز آشنائے راہِ حقیقت بہت قلیل
 مجذوب! ہوش حق میں ہے تو فخر ساکاں
 قائل تری خرد کے ہیں دانشور و عقل
 ہے ضامن بیان معارف ترا سخن
 شرح صفات و ذات کا ترا قلم کفیل
 باوصف شیخ و عارف و صوفی و حق شناس
 تو شاعر و ادیب ہے بے مثل و بے عدیل
 ہر لفظ تیرا دعوتِ تبلیغ و انقلاب
 تو شاہراہِ اقدس کا ہے داعی و وکیل
 عرفان و آگہی کا مرقع ترا کلام
 شمع رہ حیات تری کاوش جمیل
 انعام کی دعا ہے کہ نازل ہو رات دن
 تیری لحد پہ لطف و کرم، رحمت جلیل

عرضِ حال یا دل کے آنسو

ار: حضرت مولانا شبیر علی صاحب تہانوی زادت معالیہ

مندرجہ بالا عنوان سے موصوف کا ایک مضمون ”خاتمہ السوانح“ میں حضرت مولانا تھانویؒ کی وفات پر ہے جس میں خواجہ صاحبؒ کے انتقال کا بھی تذکرہ آیا ہے۔ ذیل کا اقتباس اسی سے ماخوذ ہے (انعام الرحمن تھانوی)

۱۶ جولائی ۱۹۳۳ء کو خواجہ صاحب مع دیگر احباب کے جالندھر اور امرتسر کے سفر کے لئے خانقاہ سے روانہ ہوئے تاکہ وہاں اپنے پنجابی پیر بھائیوں سے ملاقات فرمائیں۔ خصوصاً مولانا خیر محمد صاحبؒ اور مولانا محمد حسن دامن ظلم سے۔ کس کو خبر تھی کہ حضرت کا یہ سچا عاشق اس دفعہ خانقاہ سے آخری مرتبہ رخصت ہو رہا ہے۔ حضرتؒ کی وفات کے بعد سے خواجہ صاحبؒ کا کیا حال تھا۔ اس کو دیکھنے والوں نے دیکھا ہے۔ الفاظ میں اس کو بس اس طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

بیاد یار و دیار آں چناں بحریم زار

کہ از جمال رہ و رسم سفر بر اندازم

من از دیار حسینم نہ از بلا در قیب

مہمنا بر فراق خود رساں بازم

خواجہ صاحبؒ تھے اور شوقِ لقاءِ محبوب میں در بدر کو بوجھ پھرتے تھے۔ محبوب کا پیام یعنی حضرتؒ کے ملفوظات جو ان کو اذہر تھے ہر شخص کو سناتے پھرتے تھے۔ بقول ان ہی کے۔

آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا

ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے

حضرتؒ کی وفات کے بعد خواجہ صاحب کو کیسی قرار نہ تھا۔ آج تھانہ بھون ہیں

توکل لکھنؤ میں اور پھر اعظم گڑھ میں تو معلوم ہوا کہ سیتاپور پہنچ گئے۔ غرض کہ چونکہ گل رفت و گلستان شد خراب یوئے گل را از کہ جو نیم از گلاب پر پورا عمل تھا کہ حضرت کے بعد حضرت کے خلفاء اور خدام کے پاس جا جا کر غم کو ہلکا کرتے پھرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں یہ سفر پنجاب بھی اختیار فرمایا تھا۔

۱۹ جولائی ۱۹۴۴ء کو امرتسر میں حجاز ہوا تھا اور سینہ میں درد ہول اول یونانی پھر ڈاکٹری علاج شروع ہوا، نمونیہ تجویز ہوا۔ ضعف کی کوئی انتہاء نہ تھی۔ خدا خدہ کر کے کچھ افادہ شروع ہوا۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری نے حق تباداری ادا کر دیا۔ غرض مرض میں اور ضعف میں تخفیف ہوئی۔ افادہ کلی نہ تھا کہ ۵ اگست ۱۹۴۴ء کو خواجہ صاحب نے وطن واپسی کا قصد فرمایا۔ مولانا محمد حسن صاحب نے اپنے بچے مولوی محمد عرفان صاحب کو ہمراہ کر دیا کہ راستہ میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ چنانچہ ۸ اگست ۱۹۴۴ء کو خواجہ صاحب اپنے وطن ”اورئی“ پہنچ گئے..... کچھ تو راستہ کا ٹھکان، کچھ مرض کا بقیہ پہلے سے موجود تھا ہی۔ ”اورئی“ پہنچ کر حجاز بھی عود کر آیا اور سینہ کا درد بھی دہاں بھی علاج ہو نہ رہا۔ آخر ۱۱ اگست ۱۹۴۴ء کو صبح ۸ بجے یہ چمکتا ہوا بلبل چستان اشرفی اور خسرو اشرفی اس دایر فانی سے رخصت ہو کر اپنے محبوب شیخ سے جا ملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون آج خاتمۃ السوانح پر نظر ثانی کے ساتھ خواجہ صاحب کے حالات مرض و وفات کو بھی اس تہہ بصد حسرت و یاس بنا رہا ہوں۔ خواجہ صاحب نے اپنے تمام حالات طفلی و جوانی کے اور حضرت سے فیوض حاصل کرنے کے نسب و خاندان وغیرہ غرض اپنے کل حالات بھی..... اشرف السوانح میں ضمنا مفصل لکھ دیئے ہیں اسی لئے ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اشرف السوانح کا مطالعہ کرنے والا شیخ و مرید دونوں کے حالات یکجا دیکھ لے گا تو خاتمۃ السوانح میں ساتھ ہی خواجہ صاحب کی وفات کے حالات بھی معلوم کر لے گا۔

قطعہ تاریخِ بر وفات

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب نور اللہ مرقدہ

از جناب محمد مصطفیٰ خان صاحب مذاہ (احق) پھیوندوی

”مجزوب“ کہ باوجود ثروت

۷۵۱

تھا رہا است و مردِ درویش

فردوس میں ان کے نام کے ساتھ

۶۱۲ × ۷۵۱

تحریر ہے سالک صفا کیش

۶۱۲

۱۳۶۳ھ

قطعہ تاریخِ بر وفات

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب نور اللہ مرقدہ

از جناب قاضی محمد مکرم صاحب ماضی تھانوی

پنشنر تحصیل دار ریاست بنویان

آل عزیز یکہ حسن نامند و خواجہ ش خوانند

رخت زیں سوئے کشیدہ بد یار محبوب

آہ از درد جدائی و غم فرقت او..

اختیار یکہ بدل و دو ہمہ شد مسلوب

آل چنان گم نہ شدہ یوسف مصرم یاراں

کش تداوک عواں کرو باشک یعقوب

آنچه پیش آمدہ پیش آمدہ بگذشت و گذشت

شکر داؤد بدست آدم و صبر ایوب

مرگے ماناست بہاروئے کہ تنگست و مفید

تاگوار لبہ تکلف بہ حقیقت مرغوب

خود توئی پردہ حائل بر رخ حسن ازل

بیکدراز خویش کہ این جنوہ تماند محبوب

فرخ آں راہرو منزل مقصود کہ او

سفر خویش امر پردہ عین اسلوب

شاہ آں بندہ کہ نور اطلہ صاحب او

خرم آں طالب فرخندہ کہ گردو مطلوب

رفتہ مجذوب بہ فردوس برین و مائل

باہم آمیختہ فردوس برین و مجذوب

۶۱۲
۷۵۱
۱۳۶۳ھ

ولہ ایضاً

خواجہ حسن ہم پیوستہ باحق

رضواں ربی مہذول حالش

آں دُر یکتا از سلک اشرف

نہمان نیارہ زین پس مثالش

اللہ اللہ مجذوب خوش گو

دور کلام و لطف مقالش

رفت او زیم و بیلین نہ رفت

تر قلب یاراں حزن و ملاش

ہر دل پریشان از رحلت او

ہر دیدہ گریاں بر انتقالش

مبذول حالش رضوان ربی
 ”مبذوب الاثر“ سال و حالش
 ۱۳۶۳ھ

قطعه تاریخ و فاقات

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری نور اللہ مرقدہ

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبند قسّم حَالِ کَراچی

مارا سرے نگہ کشا و سیر چمن نماند
 در دل ہوائے گلشن و سر و سخن نماند
 فریاد زیں خزاں کہ بہ بہستان ما رسید
 بود گلے و برگ گلے در چمن نماند
 صبر از و لم رمیدہ و دل از من حزیں
 گفتار و زبان و زباں در وہن نماند
 فریاد لے کریم ز غمہائے پے در پے
 در جان خست طاقت رنج و محن نماند
 دانی کہ زخم فرقت اشرفِ مہا چہ کرد
 زخم دگر رسید سر جان و تن نماند
 یارب ثواب مے شنوم یا حقیقت ست
 ایں تا شنیدنی کہ عزیز الحسن نماند
 آل یادگار اشرفِ ماہم زما برفت
 گم کردہ ایم یوسف وہم بپہن نماند
 زیں زخمہائے تازہ کہ بر زخمہا رسید
 شے پشیم و قطرہ خوں در بدن نماند

جز نامہائے غم شب و شام
 بچم انیس و دسیت الحزن نماند
 جزایں و حسرت و غم آہ و بکا شکر
 چیزے بہ خانقاہ ہو بہ تھانہ بھون نماند

ہر روز بریگاہ اشرف چو سال عدد
 بعدش فردن ز سال دم زینین نماند
 ایام سال فرقت اشرف فزودہ کو
 سال وفات خواجہ عزیز الحسن نماند

$$\begin{array}{r} ۱۰۰۳ \\ ۳۹۶ \\ \hline ۱۳۹۹ \end{array}$$

۱۰۔ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کی وفات ۱۶ رجب ۱۳۹۲ھ
 میں ہوئی اور خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲ شعبان ۱۳۹۳ھ تقریباً
 ایک ہی سال کا فاصلہ درمیان میں رہا۔ ایک سال کے عین سوساتھ دن کا عدد
 شامل کر کے "خواجہ عزیز الحسن نماند" کا وہ تاریخ ہو جاتا ہے۔ ۱۲۔



مجنوب

از حضرت شوکت تھانویؒ

خان بہادر خواجہ عزیز الحسن غوری!

نہ خان بہادر نظر آتے ہیں نہ گریجویٹ نہ انسپکٹر آف سکولز کوئی کہہ سکتا ہے نہ شاعر۔ صورت دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے اذان دے کر تشریف لارہے ہیں۔ بڑی سی دائرہ سی چوگوشیہ ٹوٹی 'لباسا کریم' اونچا سا پاجامہ، تسبیح کریمہ کی جیب میں اور ہاتھ تسبیح کے اوپر۔ خواجہ صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے۔ سودا کی ڈگری دینے کے جائے محکمہ تعلیمات میں منتقل ہو جانا پسند کیا۔ اب تک اسی محکمہ میں ہیں۔ (آج تو دور رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ مرتب)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ مدظلہ سے عشق کی حد تک عقیدت رکھتے ہیں۔ خواجہ صاحب بہت ہی عمدہ کہتے ہیں اور نہایت کیف کے ساتھ پڑھتے ہیں مگر کسی غزل میں ڈھائی سوا شعرا سے کم نہیں کہتے اور پھر انتخاب نہیں کر سکتے۔ کہتے چلے جاتے ہیں اور پھر کہہ چکنے کے بعد سنا تے چلے جاتے ہیں۔ اشعار کے ان انباروں میں اچھے برے سبھی قسم کے شعر ہوتے ہیں۔ مگر اچھے زیادہ اور معمولی کم۔ (ملخصاً)

نوٹ

جناب شوکت تھانوی مرحوم کا یہ مضمون "شیش محل" سے مختص کر کے لیا گیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے شعراء کے متعلق مزاح کے طرز پر اپنے تاثرات قلمبند فرمائے ہیں۔ اس تحریر میں بھی ان کا خاص رنگ جھلکتا ہے۔ (مرتب ۱۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قدرِ مجذوب

از: مولوی نجم احسن صاحب احسن پرتاب گدھی

کسی شاعر کے کلام کی اشاعت کے ساتھ یہ ضروری نہیں ہے کہ تقریق یا تبصرہ بھی ساتھ ہی ساتھ جگہ پائے۔ مگر ”خواجہ مجذوب“ کے کلام سے لطف اندوز ہونے کے لئے کم از کم یہ ضروری ہے کہ ہم کچھ نہ کچھ ان کو سمجھ لیں تاکہ یہ سمجھنے میں آسانی ہو کہ انہوں نے کیا کہا ہے اور کیوں!

صاحب کلام کی شخصیت و حقیقت اس ماحول کا نہیں منظر ہے جس سے کلام (بھی) متاثر ہے (اور صاحب کلام بھی)۔

عموماً شاعر اپنے ماحول کی پیداوار ہوتا ہے لیکن (ایک قسم کا) تودہ (شاعر) ہوتا ہے جو گرد و پیش کے موجودہ امکانات بہ الفاظ دیگر موجودہ مشہور اور ظاہر و باہر ماحول کو قبول کر لیتا ہے اور اسی طرح اس کا پیرا ہو جاتا ہے جیسے ایک بچہ والدین کے ساتھ بہہ جائے۔

ان حالات میں شاعر صرف وقتی اور آئی حالات و کیفیات جذبات کا تصور ہوتا ہے۔ وقت کے رخ کی ایک انداز خاص سے مورثی اس کا کام اور کارنامہ ہوتی ہے اور زندہ دقتیں نظر سے دیکھا جائے تو اس کا تفکر اور تصور سطحی اور کسی درجہ میں اضطرابی ہوتا ہے وہ اپنا ماحول پیدا نہیں کر سکتا جس ماحول میں پیدا ہوتا ہے اس کا مملوک و مغلوب رہتا ہے۔ مجذوب کی شعریت کا تفکر اور تصور اس سطحیت اور عامیت سے فوق اور ممتاز ہے۔ عقل و حواس کی بیداری اور شعور و احساس کی حریت کامل کے ساتھ پہلے ذوق نے ایک ماحول اپنے لئے تجویز کیا پھر اس کو انہیں طرح سوچ سمجھ کے مطلوبیت اور مرغوبیت کے درجہ کو پہنچایا اور

بلاخر (دل کو) اس (ماحول) کی وہ دھن ہو گئی اور وہ لگن لگی کہ اپنے لئے ممتاز اور مخصوص ماحول پیدا کر کے اس پر جم گئے۔

یہ طرز وہی تھا جس کے لئے کہنے والے نے کہا: ۹۰

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم

جنید و شبلی و عطار شد مست

پیش لفظ میں مجدد طریق معرفت و مفسر آئین محبت حضرت حکیم الامت تھانوی (من قر بانس) کا یہ ارشاد گرامی منقول ہے کہ ”خواجہ صاحب تصوف کے دقائق و غوامض کو اپنے اشعار میں ادا کرتے ہیں۔“

حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ سے زیادہ خواجہ مجددؒ کو سمجھنے والا کون ہو سکتا ہے ”اے باد صبا! میں ہمہ آوردہ تست“ کا معاملہ تھا۔ مرلی میں کیا ہے اور اس کے امکانات کیا ہیں۔ یہ خالص مرلی کے علم کے دقائق ہیں۔ حضرت اقدس کو خود بھی مجددؒ سے وہ تعلق تھا کہ حضرت والا ان کو اکثر ہمارے خواجہ صاحب کہہ کے یاد فرمایا کرتے تھے۔ لقب مجددؒ جو ماضی کے بعد حال اور مستقبل دونوں کا موضح اور ضامن ہو گیا۔ اسی شرف اور اشرف بارگاہ سے عطا ہوا تھا اور سب سے زیادہ اس تعلق کے جمال اور مناسبت کے کمال کی آئینہ دار یہ خصوصیت ہے کہ سینکڑوں جلیل القدر اور محترم علماء متقی اور پاک نفس عملاً اور محبت و محبوب حساً علماء کرام کے ہوتے ہوئے ”اشرف السوانح“ کی تالیف اور ترتیب بلکہ ایک درجہ میں تصنیف کی پیش قدر اور گراں مایہ خدمت مجددؒ ہی سے لی گئی۔ اگر مجددؒ مزاج دال نہ ہوتے تو یہ کام ان سے کیوں لیا جاتا اور مزاج دانی دلیل ہے طریق دانی کی۔ اس سند کے بعد اس (راہ سلوک) میں ان کے جان رلو ہونے میں شک کی گنجائش ہی کیا ہو سکتی ہے۔

چونکہ حضرت کے ارشاد گرامی میں لفظ سلوک آیا ہے لہذا مجددؒ اور

کلام مجذوب کی محرمی اور معرفت کے لئے ”تصوف“ سے روشناسی حاصل کرنا بھی ضروری ہو گیا۔

تصوف بے چارہ بھی اس درجہ بدنام اور اس قدر مجروح کیا گیا کہ عرف اور فہم عام میں اس کی ماہیت اور حقیقت ہی بدل گئی۔ عموماً شعراء نے اصطلاحات صوفیہ سے کلام میں گرمی حیات پیدا کرنے کی غرض سے قائدہ اٹھالیا۔ حالانکہ محض شاعر کو اس حقیقت کی ہوا بھی نہیں لگنی نہ لگ سکتی تھی۔ بلا وقت فہم اور بغیر اجتہاد و فکر کے بے جانے ہو جھے لکیر کے فقیر کی طرح شاعروں نے اڑان کی لینا شروع کی اور اس حقیقت کو مٹا دیا کہ یہ حال ہے۔ محض اور اکیلا قال نہ اس کا حامل ہے نہ امین۔

محض حلقہ شعراء ہی میں نہیں بلکہ جو اپنے کو علمبرداران تصوف کہتے ہیں اور کہلاتے ہیں اگر وہ متصوفین میں بھی نادان دوستی اور بے علمی سے اس ذرے بے بہا کی بری گت بنی اور مثل ہو گئی۔ جیسے کسی اندھے کے سامنے کوئی حسین بے نقاب ہو۔ یہ موقع تفصیل کا طالب تو ہے مگر مختل نہیں مگر طریق کی تصریح یوں کی جاسکتی ہے کہ حصول ایمان و اسلام بہ طریق احسان۔ احسان کی جو تعریف حدیث شریف میں آئی ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ۔ وہ عرفان کی جان ایمان کی بیان اور اسلام کی روح رواں ہے۔ سارے تصوف کی اور تفکرات کی بنیاد یہی گہر دانہ حسین اور جو اہر پارہ جمیل ”کانک تراہ“ ہے جو محبت ہو جاتی ہے اس کے لئے امکانِ فنا ہے مگر جو محبت کی جائے اس کی منزل بقاء ہے۔ ہو جانے میں اضطراب ہے اور کئے جانے میں اختیار اور اختیار بھی ترقی کر کے صورتِ کیفیتِ اضطرابی اپنے اندر سے ظاہر کرنے لگتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ استعداد تو ایک نعمت فطری ہے مگر استعداد صرف بقاءِ ظہور ہے۔ ظہور بقاء اور بقائے ظہور کے لئے بے

ساتھ ہی ساتھی یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ اہل ایمان کی جو تعریف خود حضرت حق نے یوں فرمائی ہے والذین امنوا اشد حبا لله۔ معلوم ہوا ایمان کی پہچان یہی ہے کہ سب سے زیادہ محبت اسی کی ہو جس نے محبت کی مجلس گرامی کو مخلوق کے لئے مخلوق کیا۔ اور فطرت بھری کو استعداد محبت سے مزین اور مہذب فرمایا۔

یہ الفاظ دیگر ایمان (تسلیم) اور اسلام (اطاعت) طریق محبت میں پہلا قدم ہیں۔ اسی قدم میں فکر و شعور اور ذہنیت کا وہ ماحول بہ تدبیر و کوشش پیدا کیا جاتا ہے جس میں قصد و اختیار سے اس جذبہ محرک کو جسے صرف اپنے مقصد و اختیار کا شرہ سمجھا جاتا ہے۔ مٹانے کی دہن ہوتی ہے اور ساری طلب اسی کی ہوتی ہے کہ اپنے قصد و اختیار کی وسعتیں اس درجہ محدود اور فانی ہو جائیں کہ محبوب کی مرضی کے تابع ہو جائیں۔ یہ الفاظ دیگر اپنے کو بھلا کے انہیں کو یاد رکھا جائے اور انہیں اور صرف انہیں کی رضامندی مطلوب ہو۔ یہ وہ مقام ہے جو ابتدا بھی ہے اور اختتام بھی۔ کیونکہ طلب بے حال طلب ہی ہے اور طلب ہی رہے گی۔ فرق صرف کیفیت و سوخ اور احساس و لذت کا ہے۔ ”احسان“ وہ اکسیر ہے جس سے یہ شفاء مطلوب حاصل ہونے کا امکان قوی ہے۔

عربی اور رسی تصوف میں انسان ڈوب جائے تو صرف سطحیات یعنی کیفیات اور احوال پر نظر ہوتی ہے اور وہ بھی بایں انداز کہ بظاہر کیفیات و احوال ہی کو مقاصد سمجھا جاتا ہے حالانکہ توڑا اگر تحقیق کے ارشادات سے سمجھا جائے اور حالانہ اور حسا حالات و منازل محبت کی معرفت پیدا کی جائے تو یہ نکتہ واضح ہو جائے کہ مقصود وہ اور صرف وہ یعنی ان کی رضا ہے باقی جو کچھ ہے وہ صرف وسائل و ضابطے نتیجہ ہیں۔ چشم ظاہر کے سامنے موجودات کی ایک غیر محدود وسعت ہے۔ ”محبت حقیقی“ نہ کہ محبت لغوی گلستان سے بہار کی بہاروں کے متعلق قیاس

آرائیاں کرتا ہے۔ یہ الفاظ حضرت مجددؑ

ناچیز ہیں پھر بھی ہیں بڑی چیز مگر ہم

دیتے ہیں کسی ہستی مطلق کی خبر ہم

جب گلستان کو آئینہ بہار دیکھا جائے گا تو اس کی ساری رعنائیاں بھی کسی

اور ہی کی رعنائیاں نظر آئیں گی۔

آتا ہے نظر حسن ہی جاتے ہیں جدھر ہم

کیا پھوڑ لیں آنکھیں ہی اب اے حسن نظر ہم

محبت کیا ہے؟ اس کا محل کون ہو سکتا ہے؟ 'خطراری' طبعی 'نفسیاتی اور

نفسیاتی تاثرات سے جو تعلق ہوتا ہے یا جو محرکات ظہور میں آتے ہیں ہو محبت یا

پر تو محبت نہیں۔ بقول جناب مجددؑ

یہ ہوا ثلث بوقع امتحانِ دردِ دل

دردِ دل سمجھے تھے جس کو تھا گمانِ دردِ دل

کیف محبت کے سراب کو خزینہ آب نہیں مانا جاسکتا۔ بھوک لگتی ہے تو

بھوکا کھانے کے پیچھے دوڑتا ہے۔ اس دوڑ اور اس طلب میں فرق کیا ہوا، جس میں

جائے لذیذ غذا کے کسی حسین مطلوب کی طلب ہو اور اسی انداز اور بے صبری سے

جیسے لذیذ غذا کی ہوتی ہے ایسی طلب میں فکر ہوتی ہے۔ حصول اور وصول کی اور

اس حصول و وصول کی سعی میں وسائل کے حسن و قبح پر بھی نظر نہیں ہوتی۔ اس

شرطِ اول قدمِ آہستہ کہ مجنوں باشی یہ صورت حال صرف مگر سگی اور تشنگی کی قسم

کی محبت کی عام لغوی میں نظر آنے کی در نہ محبت تام و حقیقی نام ہے ہوش و عقل

اور شعور کے ساتھ ترک اختیار ترک، ہم اور ترک فکر و وصول کا۔

”سپر دم ہو جملہ خویش را“

ذوقِ شعری، فطری، اعلیٰ اور سلیم ذوقِ شعری اس آئینِ حقیقت کو خوب

(اور مزے لیے کے خوب) سمجھ سکتا ہے کہ خلقت ہوئی ہے۔ جمال الہیہ کے ناز تشریح کے اعتراف و تخیل کے لئے عام اور عرفی محبت کے لئے مقصود محبت، مجازی مادی اور پیکری ہوتا ہے اور فکر اور کوشش ہوتی ہے۔ مقصود و مطلوب کو مفتوح کرنے کی۔ مگر مقصود مل گیا۔ تو روح محبت مردہ ہو جاتی ہے ورنہ امتداد سے کمزور تو بہر حال ضرور ہو جائے گی۔

ناز تشریح کے محرمانہ اسرار کے یہاں مقصود غیر متناہی اور ”آتش عشق ہر روز چیز تر گردد“ کا عالم ہوتا ہے۔ یہاں کوشش ہوتی ہے استعمال اختیار حسب رضاء محبوب اور موافق و ماتحت مرضی مختار کی مقصود خود کو مفتوح و مغلوب کرتا ہے۔ بایں انداز کہ ترک اختیار پر کار بند ہو تا فرض اولین ہے۔ محبت کے اس فرق امتیازی کو زبانِ مہذب یوں ادا کرتی ہے۔۔۔

اہل ظاہر نہیں سمجھے تجھے اے سادہ جمال

کوئی اس حسن کو پوچھے ہم ادا دانوں سے

جی بات یہی ہے کہ دقائق ادا تک رسائی صرف ادا دانوں ہی کی ہو سکتی

ہے۔ بتائیے مجدد سے ادا دانوں کے سوا یہ کون کہہ سکتا ہے۔

محبت ' محبت ' محبت ' محبت

بڑا لطف دیتا ہے نام محبت

محبت کے بدلے محبت ستم ہے

نہ لے اب نہ لے انتقام محبت

تصوف ایک نام ہے اصول محبت کے حالات اور حقوق کی ادائیگی کی

اصلیت (پیدا کر کے) پیدا ہونے کا۔ اس عالم میں زندگی کہتے ہیں ہمدگی کو اور

ہمدگی اسیرانہ نہیں عاشقانہ بہ زبان احقر احسن۔

ان کا سا کچھ ہوئے بغیر ان کا ہو ہم نشیں کیوں

اے مرے عشق فتنہ گر تو بھی نہیں حسین کیوں

ان سے ربط پیدا کرنے اور پیدا ہونے کے لئے کچھ نہ کچھ ان کا سامنا کرنا ضروری ہے۔ ملکات فاضلہ اسی لئے ودیعت کئے گئے ہیں کہ اخلاق الہیہ کے رنگ میں مشہود ہوں اور ان سے حصول ربط کی سعی کرنے میں اس رنگ کا چڑھ جانا یقینی ہے اور جتنی سعی میں کمی ہوگی اس رنگ میں کمی ہوگی۔

پا کے فضائے حسن خود ہو نہ گیا حسین کیوں
عشق ہی میں اگر مرے کوئی کمی کیسے نہیں

”طریق احسان“ حصول محبت کے لئے اس التدریج بلکہ واحد تدریج ہے۔ تصوف کی اصطلاح اختیار کی گئی۔ محض تشریح، تصریح اور توضیح کے لئے فہم کو قریب اور عمل کو اس کی طرف مائل کرنے کے لئے احسان کے ہر رخ ہر کنایہ اور ہر صراحت کی بسیط تفصیل اس طرح کر دی گئی کہ ہر ادا آئینہ ہو جائے۔ بعض چیزیں تدریج اور علاج کے درجہ میں خارج سے بعد میں ایسی شامل کی گئیں جو ابتداء میں نہ تھیں۔ ان میں خارجیت کے متعلق ماضی نے بہت سے فرخی اور من گھڑت گھروندے بنا ڈالے اور بعض لوگوں نے ان محذورات پر اتنا زور دیا اور ان پر دو وقت گتوایا کہ حاصل حقائق ان سے نہیں تو ان کی راہ پر چنے والوں کی نظر سے پوشیدہ ہو گئے ہیں۔

بہر صورت ”گو ہر اگر در خطاب افتد ہماں نفس است“ گرد آلود ہو جانے سے حسین چہرہ کے حسن میں کوئی نقص نہیں واقع ہوتا۔ حسن ہر آل اور ہر شان میں حسن ہی ہے اور حسن ہی رہے گا۔ بدعات کے حصار میں بھی اصل دین کی تابانیاں خفی نہیں رہیں۔ اس طرح باوجود زوائد حشویات اور اغلاطیات کے خود اصل دین اور تصوف کے محاسن اپنی جگہ قائم ہیں۔

شعریات یا شعروء خن کا تعلق سلوک سے کیا ہے؟ یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ایک نکتہ اس سلسلہ میں بالکل بے پردہ سامنے ہے اور وہ یہ ہے کہ

شعر میں حدود کی رعایت سے اگر حفوظ کی رعایت کی جائے تو کوئی عیب نہیں۔
والشعراء يتبعهم الغاؤون کے بعد الا الذين آمنوا بھی ہے۔ دوسری چیز
ذوق شعری کا محرک اور معین حصول آداب محبت ہوتا ہے، جن فطرتوں کو
قدرت سے ذوق شعری کی فراوانی، سیفا، یا کمایا کیف و کم دونوں کی بہتات کے
ساتھ عطا ہوئی ہے۔ ان میں حاصلی اور ثمراتی درجہ میں محبت کی استعداد اور اولیٰ
اور مرئشائی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے اور حسن تدبیر اس دولت اس دولت
بے بہا کو می نہیں کہ چار چاند لگا دے بلکہ نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ دیتا ہے اور
جمال و کمال کے سارے محاسن اس پر خود ہی نثار ہونے لگتے ہیں۔

اس راہ میں بے راہ وہی نظر آئیں گے جو سوء تدبیر یا نقص تربیت کے
شکبے میں پڑ گئے یا جنہوں نے آمد یا آورد کے فرق کو محسوس نہ کر کے اپنے امکانات
سے زیادہ بلند پروازی شروع کر دی۔ یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اسی طور پر جس
طرح راکب روح کو راہ طے کر کے منزل پر پہنچنے کے سبب مرکب تن کی
ضرورت ہے اسی طرح ذوق شعری بالفاظ دیگر امکانات و استعداد موسیقی و نغمہ
بالکل اسی طرح جیسے آواز واسطہ سماعت سے ذوق تک پہنچتی ہے نفس اور نفسیات
کو چھیڑ کے روح اور روحانیت کو جنبش میں لاتی ہے۔ بقول سعدیؒ:-

برگ درختان سبز و نظر ہو شیار

ہر درختی دفتریت معرفت کردگار

یہاں بھی معرفت کردگار کے دفتر ہونے کے لئے نظر کا ہوشیار ہونا
ضرور ہے ورنہ ہر نظر میں وہ بھیر تیں کہاں۔

ایک بار خواجہ مجذوب کے ذکر جمیل کے سلسلہ میں ان کے ایک شناسا
اعلیٰ عمدہ دار نے جو تعلیم جدید کے ساتھ ماحول قدیم کے بھی آشنائے لذت ہیں
اور یورپ، امریکہ اور ممالک عربیہ اور اسلامیہ کی سیاحت بھی کر چکے ہیں۔ راقم

الحروف سے یوں اپنی رائے ظاہر کی کہ حضرت اقدس تھانویؒ قدس سرہ نے
محبذب کو سنبھال لیا اور مرتب و مہذب فرمادیا ورنہ اس شخص کی استعدادیں نہ
جانے اسے کس فضائے رقصال میں گم کر دیتیں۔ غالباً اسی طرح کے احساسات
نے زبان محبذب سے یوں حقیقت کو جہاں آشکار کر دیا کہ ۔

مرا ساز ہستی ہے لبریز نغمہ

میں اک مطرب خوشنوا چاہتا ہوں

ساز کے نغمے ہمیشہ زخمہ مطرب کے انتظار میں رہتے ہیں۔ محبذب کا
تزیینۃ النغمات بہ صورت ذوق شعری چشم براہ تھا۔ تھانہ بھون کے مرئی کے
مضراب تربیت کا اگر نعمانیت اور شعریت تربیت میں مقید و محصور نہ کر دی جاتی
تو نہ جانے استعداد محبذب پر کیا کیا جلیاں گرتیں۔ محبذب کو خود بھی اپنی اس
شعلہ فطرتی کا احساس تھا اور اس کے ایک رخ کو یوں فرماتے ہیں ۔

نکلتے ہیں نالے بھی منہ سے تو موزوں

عبث شاعری چھوڑنا چاہتا ہوں

رحمت کی جو بارش ابر کرم سے ہوتی ہے اگر تالاب حوض اور نہروں
میں اس کے پانی کو اکٹھا اور محفوظ نہ کر دیا جائے تو بخر اور شور زمیں جذب ہو کے رہ
جائے اور بارش رحمت کی بانیقیت اور افادیت ظہور ہی میں نہ آ سکے۔ اسی طرح
بصیرت ”حسن نظر“ حسن ذوق (جس کا ایک پر تو ذوق شعری بھی ہے) اگر تربیت
سے محروم و مجبور رہیں اور بے محل اضاعت کا شکار ہو جائیں۔ اس قسم کی ہر
استعداد اور شان کے تمامی امکانات اور میلانات کا ”ثمرہ محسوس“ ذوق محبت ہے۔
یہی ذوق محبت اگر حیوانیت کی طرف جھک جائے تو انسان کو ”اس کے
جسم و روح کو“ اس کے میلانات و رجحانات کو اس کے استعداد و امکانات کو اس کے
کردار و اطوار کو بہترین نمونہ حیوانیت اور بدترین نظیر برابادی انسانیت بنادے اور

اگر روحانیت یعنی مطلوب بلندی انسانیت کی طرف پرواز کرے تو "صاف اگر باشد
مدافم چوں کند" کا مضمون ہوگا۔

آپ جہاں بھی شیش گئے کہ ذوق سلیم کا وجود ہے وہاں بنیادی چیز صرف
یہی ہے کہ ذوقِ شعری میلانِ نغمائیت اور استعدادِ حسنِ پسندی کی ضیافتِ طبع کی
جاتی ہے اگر غذا لطف ہے تو نتائجِ لطیف ہوں گے اور اگر غذا کثیف ہے تو نتائج
بھی کثیف اور اصل حاصل اس استعداد کا ذوقِ محبت ہے اور تصوف کی صورت میں
اہلِ ذوق اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پس جو ابھی ہوئی اور مجمل
تفسیر اس بنیادی پس منظر کی ہو سکے۔ جس کے تاثرات نے مجذوب کی شعر نوازی
کی صورت اختیار کی وہ سطور بالا میں کی گئی۔ اب ان معبوداتِ فنی و ذہنی کے
ساتھ کلامِ مجذوب کو دیکھئے تو اس کی حقیقتیں آپ پر آشکار ہوں۔

مفسرینِ محبت نے آئینِ محبت کی تدوین کر کے اس کو ایک فن کی
حیثیت کو پہنچا دیا اور درحقیقت یہی تصوف ہے جو فطرتیں خالقِ فطرت کے تصور
سے دور ہو کر یا اس کے اندازِ مقبول کی روشنی سے الگ ہو کر اس راہ میں چلیں۔ وہ
کفِ دو اور مشتِ غبار ہی کہ۔ بے حاصل حاصل تک پہنچ سکیں اور جن کی تربیت
طریقِ الہیہ پر ہوئی وہ ترقی کرتی گئیں۔ اور دقائقِ مقصودہ سے بہرہ اندوز ہوتی
گئیں۔ مجذوب دو لفظوں میں ترجمانِ محبت تھے اور بس۔

تصوف کے اسرار و غوامض کو اشعار میں ادا کرنا یہی معنی رکھتا ہے کہ
محبت کے "ادادانوں" میں ہیں اور (کسی درجہ میں) قایم یافتہ اور خیم "ادادانوں"
میں کیونکہ "راہِ جمال" کی "شاہرہ جمیل" کے ہر پہلو و خم اور نقیب و فرائز سے جانی
یو جمعی واقفیت رکھتے ہیں اور یہ بھی خوب سمجھتے ہیں کہ "ہر چہ بروئے می رسی
بروئے مایست" اسی لئے تو کہتے ہیں ۔

بہت دور پہنچا ہے مجذوب پھر بھی بہت دور ابھی ہے مقامِ محبت

یہ سمجھنے کی بات ہے کہ مقامِ محبت تک پہنچنا مقامِ محبوب تک پہنچنا ہے۔
محبوب غیر متناہی ہے تو مقامِ محبت کی فضا بھی وہی ہے۔۔۔
”نہ حسرت غایتیہ دار و نہ سحری را سخن پیاں“

اتنا اور سمجھ لینا چاہیے کہ غوامض اور دقائقِ تصوف کتابی چیز نہیں
احساسی اور احوالی نوادر ہیں۔ اصطلاحاتِ کتابی اور القاباتِ عرفی احساس اور احوال
کے محشرِ کیف کو ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ پھر بھی ماہرین نے فنی حیثیت سے کچھ
واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ جنابِ مجذوب نے کتابی اور عرفی رخ کے علاوہ
احساسی اور احوالی اسرار بھی کچھ نہ کچھ فاش کر دیئے ہیں۔

ان کے کلام سے لذت اندوزی جب ہو سکتی ہے جب ان کو سمجھ لیا جاتا
ہے اور پورا لطف تو اسی کو آسکتا ہے جو خود اس شاہرہ پر گامزن ہو اب صرف چند
اشعار بلا خاص ارادہ انتخاب کے پیش کر کے ان کے متعلق چند اشارات کر دیئے
جائیں اور اس نگارشِ مجذوبانہ کو ختم کر دیا جائے۔ یہ امر البتہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے
کہ حضرتِ مجذوب غامض سے غامض اور دقیق سے دقیق سر کو اس سلامت
امکانی اور سلامتی سے ادا کر جاتے ہیں کہ ہر ایک کے لئے ناممکن ہے اور اس کے
سبب دو قہی ہیں اور ہو سکتے ہی۔ ایک تو زبان اور ادا پر قدرتِ دوسرے اس نکتہ پر
عبورِ کامل جسے وہ بیان فرما رہے ہیں۔ اپنی مجذوبیت میں بھی تصور اور گفتار کے اس
ہوش کا ثبوت دیا ہے جو عام طور پر سالکین کو حاصل نہیں اور خصوصیتِ امتیازی
مرہونِ منت ہے۔ حضرتِ شیخ کے فیضانِ تربیت کی قادرِ الٰہی کا تو یہ عالم تھا کہ
جو بات کہنے کے قابل ان کے نزدیک ہو سکتی تھی اور کہنے پر آگئے تو اس بے تکلفی
اور بے ساختہ روانی سے ادا کر جاتے تھے کہ شاید وہ بایں۔

اور بہر حال حدود سے باہر تو کبھی وہ ہوئے ہی نہیں۔ صفتِ تویہ ہے کہ
ظرافت کے میدان میں بھی سنجیدگی اور سبق آموز پر ہمیشہ نظر رہی اور لموآن

کے تمام اثرات فکر کا منشاء ایک اور صرف ایک اور یہ تھا۔

مصنوع دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار

بچہ ا رند و خمر طرہ یارے گیرند

ملاحظہ فرمائیے اس شعر میں جذب و سلوک کے فرق اور شیخ کے حسن

تریت کو کس حسن و خوبی سے اور کس سادہ انداز میں ظاہر کیا ہے۔

مخل میں تیری سب کے ارمان نکل رہے ہیں

سانک این رہے ہیں مجذوب اچھل رہے ہیں

ذرا اس شعر پر توجہ فرمائیے۔

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے

تو مجھ کو بھری یزم میں تھا نظر آئی

اس شعر کا مزہ تو وہی خوب لوٹ سکتا ہے جس نے خود انہیں پڑھتے سنا ہو۔

مگر بہر حال محبت کا معراج کمال وحدت طلب وحدت رویت وحدت

شہود وحدت وجود کیا ہے جو اس میں نہیں۔ پھر تاروں اور مہر کی مثال سے

تاروں کا اکتساب نور مہر سے واضح کر کے مہر کے سامنے ان کا مانند بدھ بے وجود ہو

جانا۔ عارف کا مظہر اور ممکنات کے تجلیات اٹھا کے اسی کو جلوہ گرد دیکھنا سبحان

اللہ ایک شعر ہے۔

میر لاکھ اٹھاب کہیں اٹھتا ہے یہ مجذوب کا سر

بجد و مچلا ہے ترے در پہ جبین ناز میں ہے

جبین کو صاحب ناز اس حسن سے دکھادینا شاعر محض کا کام نہیں۔ ایک

توجہ ہی مقصود عہد بندگی ہونا پھر اس مقصد کے حصول و مقام پر جبین ساجد اور

احساسی جمود کا ناز اور تمنہ و قصد و اومت۔ اللہ اللہ۔

کہ ساری دنیا کی نگاہوں سے گرا ہے مجذوب

تف کہیں جا کے ترے دل میں جگہ مائی سے

ماسوا کو عموماً اور کبر و حب جاہ کو خصوصاً آگ لگائے بغیر منظور و مقبول ہوتا
 ممکن نہیں کیوں نہ مجذوب کے حسن ادا کی داد دیجئے۔ دیکھئے! ایک معنی کر کے
 اپنے کلام 'طرز کلام اور مکالم پر بہترین مفسرانہ تبصرہ وہ خود ہی کرتے ہیں۔

قدر مجذوب کی خاصانِ خدا سے پوچھو

شہرہ عام تو اک قسم کی رسوائی ہے

طالب کی معراج کا مقام سجدہ با حضور ہے فرماتے ہیں۔

✓ تصور عرش پر ہے وقف سجدہ ہے جہیں میری

مرا اب پوچھنا کیا آسماں میرا زمیں میری

تصور عرش پر ہے "کانک ترہ" کی تصویر پیش نہیں کرتا تو کیا ہے۔ "الا

لیعبدون" کی شان وقف سجدہ ہے، جہیں میری سے ظاہر ہوتی ہے اور دوسرا

مصرع "سخر لکم مافی السموات والارض" کا پر تو ہے۔

کلام مجذوب ایک دفتر ہے معرفتِ طریق اور ادا دانی و موز محبت کا کوئی

کہاں تک نمونہ پیش کرے گا۔

ایک غزل کے چند اشعار بلا انتخاب خاص سن لیجئے اور بس مگر اس مطلع

کے بعد۔

لو کہن میں ہم عشق کا کھیل کھیلے

وہ تلا کے کہنا الے الے ' الے الے

حیرت اور حیرت کا اثر اور راہ اور راہ عشق میں اسرارِ غوامض کے لحاظ

سے ہمیشہ مبتدی رہنا کیا خوب واضح کیا ہے۔ طور ہو کر دور ہو کر والی غزل کے

چند شعر ہمساختہ یاد پڑ گئے ذرا انہیں بھی دیکھئے۔

سردار ہو کر سرطور ہو کر

ترے پاس آئے بڑی دور ہو کر

سردار اور ہر طور میں احوال و کیفیات کی طرف اشارہ ہے۔ اس دقیقہ کے ساتھ کہ احوال و کیفیات مشعل راہ اور نشان طریق ہوں تو ہوں خود ان سے بہر صورت معید ہیں اور ان تک پہنچنا اور کچھ ہے اور احوال و کیفیات اور چیزیں۔

نہ ترساؤ ہر گام پر دور ہو کر

کوئی ہار بیٹھے نہ مجبور ہو کر

راہ محبت میں یوں بھی ہوتا ہے اور اس لئے اس حسن و طلب کی ضرورت اور وجہ۔ جو ”نہ ترساؤ“ میں ہے اپنی مجبوریوں کا اظہار ”کوئی ہار بیٹھے“ میں صاف صاف ہے۔ اور دونوں مصرعوں میں اس کو بالکل کھول دیا کہ وصول صرف ان کے کرم پر منحصر ہے تو قبول مجذوب۔

”وہی چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں“

قیام حدود عشق کی تصویر کیا خوب کھینچی ہے اس شعر میں۔

حدیں عشق کی کر رہے ہیں وہ قائم

کبھی پاس ہو کر کبھی دور ہو کر

اور پھر تسلی کا پہلو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ درمیان میں ایک اور مطلع یاد آ گیا۔

✓ چمکنے لگا سر ہر نور ہو کر

میں جل جانے والا نہیں طور ہو کر

✓ سماوات وارض کے ساتھ جبل نے بھی حمل لمانت سے انکار کر دیا تھا۔

لہذا مقابلہ طور انسان کا تفوق ظاہر ہے۔ دوسرا اشارہ جو اس میں ہے وہ یہ کہ تجلیات و انوار کا ورود جب ہو گا تو ان کی برکات سے مصطفیٰ و حزین اور مہذب ہو جائے گا اور جمال یہ صورت ظاہر نہ ہو سمجھ لینا چاہئے کہ تجلیات نہیں صرف گمان ہے۔

✓ تن یا سنین پر لباس مصفیٰ

وہ آئے ہیں نور علی نور ہو کر

شیخ کی تعریف میں اس شعر کو سمجھ لیجئے یا نعت میں مانئے۔ ہر جگہ صادق۔ یا سمین میں رنگینی نہیں ہوتی، سفید ساوگی ہوتی ہے اس سے کنا یہ ہے جلوہ بے رنگ کی طرف اور نور علی نور تو اللہ نور السموات والارض کے بعد ارشاد الہی ہے۔

✓ یہ کس کی محبت میں مرنے چلا ہوں
چلی آرہی ہے قضا حور ہو کر
موت مومن کا تھک ہے اور مومن کی صفت اشد حبا اللہ ہے۔ خواجہ
حافظ نے بھی فرمایا ہے۔

خرم آل روز کزیں منزل ویراں ہر دم
راحت جاں ظلم و زپے جاناں بردم
نذر کردم کہ گر آید ہر اس غم روزے
تا در میکدہ شادان و غزل خواں بردم
حکایت لذیذ ہے اور اندیشہ ہے کہ طبیعت اسے دراز تر نہ کر دے نہذالان شعروں پر
گزارش ختم کی جاتی ہے۔

جب عشق میں ہو حسن خدا داد کا عالم
تب آئے نظر حسن خدا داد کا عالم
احسن یہ خدا داد بصیرت نے دکھایا
مجدوب میں ہے حسن خدا داد کا عالم

بطور ضمیمہ یہ امر بھی واضح کر دینا ہے کہ معاصرین میں بھی حضرت
مجدوب کی حیثیت شاعرانہ کا پایہ بلند تھا اور مشاہیر تو ان کے کلام سے بے حد
لذت اندوز ہوا کرتے تھے۔ جناب ہر گوہر دیال صاحب نشر پریسڈنٹ بار ایسوسی
ایشن اورئی کے ذریعہ سے جو حضرت مجدوب کے طالب علمی کے رفقاء میں

ہیں۔ استاد مسلم المیوت جناب سیماب اکبر آبادی مرحوم کا وہ قطعہ تاریخ جو انہوں نے جناب مجذوب کی وفات پر لکھا تھا، محترمک پہنچا۔

آل عزیز احسن امیر و فقیر

سید و صوفی و عزیز قلوب

ہست و ہفتم زہد شعبان رسعت

مہر شد صبح پنج شنبہ غروب

شرعے یافت در ریاض جنا

کہ زائر نعلی بدو منسوب

شاعر خوش بیان و شیوہ کلام

شعراء و نغمہ مرغوب

نشر از بھر او جراحت یافت

بچو یوسف ز صدمہ یعقوب

سال رحلت ہنگتم اے سیماب

صاحب کشف سالک مجذوب

۱۰۱ء، ۵۰۰، ۱۱، ۱۵۱ء

۱۳۶۳ھ

اس قطعہ میں شیوہ کلام عمومی حیثیت سے اور نغمہ مرغوب بہ رعایت اسم تاریخی جناب مجذوب اور نیز بہ لحاظ معنویت دونوں نکتوں کے خاص طور پر توجہ کے قابل ہیں اور مصرعہ تاریخ بھی خوب ہے۔

۷ اگست ۱۹۴۴ء کو حضرت مجذوب جنت انفرادی کو رانی ہوئے۔

بستر علالت سے ۱۵ اگست ۱۹۴۴ء کو جو محبت نامہ انہوں نے اس ناچیز کو رقم

فرمایا بہ درست نہیں دو ۱۸ اگست ۱۹۴۴ء کو موصول ہوا۔ ان کے معف قدسیں

میں شامل ہونے کے ایک دن بعد اس نامہ محبت کے چند الفاظ پر اس ثوابیدہ

نگاری کو ختم کیا جاتا ہے۔ بہر حال

گو میں رہا رہتا رہتا ہوں ستم ہائے روزگار ✓

لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

دعائے صحت فرمائیں۔ بظاہر ان شاء اللہ کوئی خاص تردد کی بات معلوم

نہیں ہوتی۔

والغیب عند اللہ والخیر ما اراد اللہ

رقم زدہ

”احقر نجم احسن“ احسن



م

✓ مری نہ تھے انکارش یہی ہے
تھے نام سے ابتداء کر رہا ہوں

✓
حمد

ظاہر مطیع و باطن ذاکر مدام تیرا ✓
 بگڑے نظام دیں کو میرے بطنی تھکے ✓
 زہار ہونہ شیطان کا جز یہ تیرے غالب ✓
 یہ بد لگام و بدرگ نفس شریر و سرکش ✓
 چھوڑوں نہ زندگی بھر پابندی شریعت ✓
 دوری میں شاہِ خواباں تیرے حال حید ✓
 زور کشش سے تیرے کر جائے قطع دم میں ✓
 پردہ خودی کا اٹھ کر کھل جائے راز وحدت ✓
 باطن میں میسے یارب بس جائے یاد تیری ✓
 منوں بس ہو میری جاں کی فکر دم تیری ✓
 دل کو لگی ہے دھن، لیل و نہار تیری ✓
 مورد ہے یہ ہر دم تیری سبیلوں کا ✓
 سینہ میں ہو نقش یارب کتاب تیری ✓
 ہے اب تو یہ تمنا اس طرح عمر گذرے ✓

دونوں جہاں میں مجھ کو مطلوب ہے تو ہو

ہر محبت کا ر و وحدت مجذوب غلام تیرا

دنیا سے اس طرح ہو نہصت غلام تیرا ✓
 ہر اسولے غافل شوق لقا میں تیرے ✓
 ہے خوبی و دعا اک حسنِ خاتمہ پر ✓
 رگِ رگ میں متے دم ہو صدقِ نقیض کے عیش ✓
 منکر نکیر آکر دے جائیں یہ بشارت ✓
 رحمت سے بخش دینا میرے گناہ سارے ✓
 ہو دل میں یاد تیری ہو لب لب نام تیرا ✓
 ہو جان و دل سے حاضرینِ کمر پیام تیرا ✓
 کونا سر کس ہم کا ادنیٰ ہے کام تیرا ✓
 تیرے نبی کی وقعت اور احترام تیرا ✓
 تجھ کو ہے مبارک حسنِ خاتم تیرا ✓
 روزِ جزاء دیکھوں میں انتقام تیرا ✓

ہوں ار ذلِ خلافتی اشرف کا واسطہ ہو
شاخ ہو جو بنی ہے خیر الانام تیرا
اپنے کرم سے کرنا مجھ کو بھی ان میں رمل
جن پر عذاب یارب ہو گا حرام تیرا
اوروں کے آگے رسوا کرنا نہ مجھ کو مولا
آگے تیرے خجل ہے عاصی غلام تیرا
دینا جگہ مجھے بھی بندوں میں غم اپنے
محشر میں ہو پہنچ کر اس تشنہ لب کو حاصل
جنت میں چشمِ حیات ہو شاد کام میری
ہو جسٹہ انبیاء پر اصحابؓ و اولیاء پر

کہ دونوں جہاں کا دکھڑا مجذوب رو چکا ہے
آج کے فضل کرنا یا رُسے کام تیرا

مجھ پہ یہ لُطیف فراواں میں تو اس قابل نہ تھا
تیری اس رحمت کے قرباں میں تو اس قابل نہ تھا
یہ تھی دستِ ازل جی تیرے لئے کریم
لے چلا ہے بھر کے اماں میں تو اس قابل نہ تھا

ہے امدِ مہود اپنا اور بنی خیر الوری
شیخ بھی ہے قلوبِ اہل میں تو اس قابل نہ تھا

لے جاؤں گا عسمر بھر نام تیرا
ہے سُنا نہ سُنا شہا کام تیرا
میں ہوں ساری دنیا کے جھگڑوں سے بیکو
یہ ہے جذبِ الفت ہے نہم تیرا
یہ عواری مری موجبِ عُد شرف ہے
میں رسوا ہوں تیرا میں بدنام تیرا
✓ مُرادوں بھری ہے مری نامِ رادی

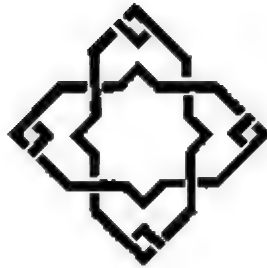
وہ ہے کامِ مراں جو ہے ناکام تیرا

اپنی طرف سے تو درگاہِ حضور ہیں
غافل ہیں ہیں قمر ہے ہم خود ہی دُور ہیں
رکھیں ذرا خیالِ حضور کا گھر تو پھر
آنکھوں کا نور آپ ہیں دل کا سُور ہیں



نہیں میرا کوئی حامی خداوند سواتیہ کے
 پھنسا ہے مرغ دل بے طرح میرا بندھ گیا میں
 دہ وریشہ ہے میرے قلب کا آلودہ عیاں
 زمین کیا، آسمان کیا، کوہ کیا، گلزار و صحرا کیا
 ظہور کُن شے ہو گئی برپا ہے عالم میں
 نگین دل سے مٹ جائے نشانِ عالم فانی
 نہ ہو مطلب کسی سے یاد تیری میری ہمدم ہو
 نگاہ جتنے ہی ہوں لیکن بتا سکتا ہوں ہاں اپنا

حسن اوپر ترے فریاد لایا نفس سرکش کی
 دیکھا ہے جھلا کس سے ترا بندہ سواتیہ کے



نعت

گروہ رازِ دالِ نظمِ فطرتِ پیر، ہیں مخفی
یہ سب سنگِ گامِ دُنیا خیر ہے مُسبِ تدا تم ہو



بس اَبق ایک میرا کام ہو جائے
اِسی پہ اپنے حُلِ دُوم ہو جائے

مدینہ جاؤں پھر آؤں مدینہ پھر جاؤں
تمام عمر اِسی میں تمام ہو جائے



اتنا ہوا قریب کہ وہ دور ہو گیا
 پردہ کیا ہے دور تو کیا دور ہو گیا
 سارا بدن حضور کا جب دور ہو گیا
 وہ نور حق ہو متبہ میں مستور ہو گیا
 حضرت کا چس مقام پہ مذکور ہو گیا
 دشمن بھی مان لینے پہ مجبور ہو گیا
 آیا جو سامنے وہی حضور ہو گیا
 موتے دینے جانے کا مقدور ہو گیا
 جس کا خدا کو بخشنا منظور ہو گیا
 جس دم تصور رُخ پر نور ہو گیا
 نقطہ غرب کا نور سے مسور ہو گیا
 مشق تصور رُخ پر نور جب بڑھی
 کیا فیض تھا کہ بڑگی جس پر بھی اک نظر
 ماہِ عرب کہ ہر جاں تاب تھے حضور
 ہر قول و فعل حضرت محبوب گہرا
 یا جان لینے آیا تھا قتل حضور کی
 سلتے ہی آکھ دشمن جاں بھی تھا جان نگر
 موتی بھیکے میں نے مزار حضور پر
 زیرِ علم حضور کے آکر جو لے پست
 شغل درود بھی ہے عجب شغل خوشگوار
 کیا حد ہے فیض شافعِ مہر تو دیکھتے
 گوتے اولیس دور مگر ہو گئے قریب
 کیف نگاہ ساقی کوثر نہ پوچھتے
 اک دم نظر جو گنبدِ خضر پہ جا پڑی

اتنا ہوا عیاں کہ وہ مستور ہو گیا
 وہ آپ لینے نور میں مستور ہو گیا
 چھو دور کیا ہے سایہ اگر دور ہو گیا
 ہر ذرۂ زمین لمس طور ہو گیا
 ہر سو ملک سے وہ حضور ہو گیا
 بے اختیار خمِ منہ دور ہو گیا
 زنا رکھ کر نور کے ذوالنور ہو گیا
 سامانِ راحت دل رنجور ہو گیا
 اس کو دینے جانے کا مقدور ہو گیا
 سینہ تمام نور سے مسور ہو گیا
 سارا اندھیرا کھنکھ کا کافر ہو گیا
 میں سر سے لے کے تا قدم نور ہو گیا
 رشکِ بنیہ و شبلی و منصور ہو گیا
 عالم تمام نور سے مسور ہو گیا
 تاحشر حشلق کے لئے دستور ہو گیا
 یا اپنی جان دینے بھی منظور ہو گیا
 پہلا ہی وار آپ کا بھر پور ہو گیا
 ہر قطرہ آتش کا ذرۂ نور ہو گیا
 مغلوب بھی مظفر و منصور ہو گیا
 جتنا تھارنج و غم مرا سب دور ہو گیا
 مجھ سا گنہگار بھی منظور ہو گیا
 بوجہل تھا قریب مگر دور ہو گیا
 آیا جو سامنے وہی حضور ہو گیا
 سارا صغہ کا رنج و تعب دور ہو گیا

سب لغت ہی ہے جی بھی آفریں کیجئے
مستعلیٰ جو کہنے کا دستور ہو گیا
محبوب کی صاف نہیں پہرہ گویاں
ایک شعر بھی جو لغت کا منظور ہو گیا
اب بعد لغت ہر ذرا کی کاغذ نہیں
محبوب شعر کہنے سے معذور ہو گیا
اے مختصر راہ نے خبر لے جذب کر دو
محبوب قافلہ سے بہت دور ہو گیا

دیگر

ہونے لگا کہ کیا کوئی شایانِ محمد
 ہے جس کے مدد خود ہی شایانِ محمد
 اللہ نے جولانِ گہِ عرفانِ محمد
 میں اور میرے ماں باپ میں قربانِ محمد
 ہے آیتِ حق نامِ خداستانِ محمد
 تفسیر اسی کی ہے یہ خداستانِ محمد
 درکارِ دعا و درمیشسانِ محمد
 میں اور میرے ماں باپ میں قربانِ محمد

تھے نہیں اشدِ عجزِ عبدانِ محمدؐ
 بہتے ہیں سدا طالبِ دامنِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ
 ہو جائے جو یہ عشق میں مستِ بانِ محمدؐ
 کہے لہری جانِ حسنی جانِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ
 ہیں لعل و جواہر لبِ دندانِ محمدؐ
 گویا ہے دہنِ پاک بہ خشانِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ
 رکھا ہے کتوں چار یہ ایوانِ محمدؐ
 وہ چار جو ہیں خاصہٴ فاضلِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

یارب رہو میں دن رات غزل خوانِ محمدؐ
 ہو جسے جن بھی ترا حسانِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہیں منتہا بن محمدؐ
 رفت ہو میں کیا ہے کہتے بھی میں معراجؐ
 پائیں تھے الوان کی ہے اے شانِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ
 ہر منت حضرت پہ چل سر کے بل اے دلؐ
 کرے جو خدا تجھ کو ادب انِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ
 کیا بات ہے حضرت کے اطاعت کے شرف کیؐ
 شاہانِ دو عالم ہیں غلامِ انِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ
 تعلیم دو عالم کے ہوئے آپ ہی باعثؐ
 دیکھے کوئی شانِ دسروں ماںِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ
 ہے دعوت ہر جن و بشر تا بہ قیامتؐ
 عالم میں بچا خوانِ پُر الوانِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ
 ہر ایک نبی کا تھا جدِ لوہنِ نبوتؐ
 آخر یہ کھلائے تھے وہ سب الوانِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ
 جاں لینے کو تیار ہی رہتے تھے صحابہؐ
 کافی تھا حفظِ جنبشِ مرگانِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ
 ان مختلف الشانِ بزرگوں نے دکھائیؐ
 نیرنگی گلہائے گلستانِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ
 انکار نبی لازم انکارِ احمدؐ ہے
 ایمانِ خدا لازم ایمانِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ
 سن کہتی ہے کیا آیت قل فاقولنیؐ
 محبوبِ خدا تابعِ فرمانِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ
 ہے طاعت حقِ متصل علیٰ طاعتِ احمدؐ
 کیا شان ہے کیا شان ہے کیا شانِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ
 دانائے عرب کا بھی ابو جہل بڑا نامؐ
 ہونا تھا یہی تھا بھی وہ نادانِ محمدؐ
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

کفار عرب جنت تھے نظروں میں مستند
 شیریں کے شکاری تھے غزالانِ محسند
 میں اور سے ماں باپ ہوں قربانِ محمد
 ہر چند وہ منسوق بھی ہیں اور شد بھی
 غصہ سے زلزلے سے ہر اک ابنِ محسند
 میں اور سے ماں باپ ہوں قربانِ محمد
 کیا زورِ شجاعت ہے کہ ایلوں کو کیا زیر
 شیرانِ عرب اب ہیں غزالانِ محسند
 میں اور سے ماں باپ ہوں قربانِ محمد
 کیا قریبِ ایمان نے نغموں کو اُچھارا
 ہوتے ہی وہ مومن بنے شیرانِ محسند
 میں اور سے ماں باپ ہوں قربانِ محمد
 کھینٹ نظم آئی ہمیں پڑھ کے عبادت
 دیکھا ہے یہی نثریں دیوانِ محسند
 میں اور سے ماں باپ ہوں قربانِ محمد
 تاحد نظر جمع خریدارِ عیس دیکھو
 بازارِ قیامت سے کہ دکانِ محسند
 میں اور سے ماں باپ ہوں قربانِ محمد
 ہیبت سے بے ہوشم کفار عرب بھی
 مانند زماں دیکھ کے مردانِ محسند
 میں اور سے ماں باپ ہوں قربانِ محمد
 مومن ہو کر شیطان بھی ہو تھا آپ کے مزار
 ہے قدرتِ حقِ قوتِ مردانِ محسند
 میں اور سے ماں باپ ہوں قربانِ محمد
 صوفی گل و نسیم علمِ نہرواں میں
 واعظ ہیں اگر بیلِ بستانِ محسند
 میں اور سے ماں باپ ہوں قربانِ محمد
 اہلِ جوامت میں ہیں اُڑتے ہیں ہوا پر
 اس میں تو وہ گویا ہیں سلیمانِ محسند
 میں اور سے ماں باپ ہوں قربانِ محمد
 پیشِ نظر اک گنجِ شہیداں سے دلوں کا
 ترکان کی کماندار ہیں حشمانِ محسند
 میں اور سے ماں باپ ہوں قربانِ محمد
 ہو جاتا تھا ہنسنے سے اندھیرے میں اُجالا
 تھے غصہ سے زلزلے سے ہر اک ابنِ محسند
 میں اور سے ماں باپ ہوں قربانِ محمد
 اب کیا ہے کسی اور کے پہرے کی ضرورت
 اللہ ہو آپ نگہبانِ محسند
 میں اور سے ماں باپ ہوں قربانِ محمد

ہو نور کا میدان کہ جو غفلت کا بیابان میں داخل جو لان کہ چشمان محمد
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربان محمد
 ہم پرستہ لولاک کے انعام ہیں کیا کیا ہے مہر بھی اک ذرہ احسان محمد
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربان محمد
 تحقیق صحابہؓ یہ شاعر کا نہیں قول ہے رشک مقرر ہے درخشان محمد
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربان محمد
 سب دیکھتے ہیں بہر شفاعت سوتے حضرت میدان قیامت ہو میدان محمد
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربان محمد
 حکمت تو ہے اک حرف بیاض دل امی ہے علم بھی اک طفل دبستان محمد
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربان محمد
 ہے صحبت اقدس میں عجب کس حقائق بڑھ کر ہے اسطو سے بھی وہاں محمد
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربان محمد
 سنا ہوں نکیرین کرتے ہیں زیارت نکلے گا مگر قبر میں ارباب محمد
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربان محمد
 خوبی مجھے مل جائے دو عالم کی الہی حاصل مجھے ہو جائے ایمان محمد
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربان محمد
 جنت میں پسینہ جاؤں میں یارب اسی صورت چھوٹے نہ کبھی ہاتھ سے دامان محمد
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربان محمد
 ہر ذکر پر حضرت کے مزا دیا ہے کہنا میں اور مے ماں باپ ہوں قربان محمد
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربان محمد
 مجذوب اٹھے خواب زیارت سے الہی سودا زردہ زلف پریشان محمد
 میں اور مے ماں باپ ہوں قربان محمد



یادِ مدینہ

اضطرارِ مدینہ

مبارک ہوئے جیت رازِ مدینہ بلا واسطے یہ اضطرارِ مدینہ
 ہوئے حبلِ لے رگزارِ مدینہ بہت سخت ہے انتظارِ مدینہ
 خواجہ صاحب کی بڑی اکثران سے شاعری کی وجہ سے ناراض رہتی تھیں۔ ایک
 انہوں نے مدینہ پر اشعار کہنے کی فرمائش کی تو بہت خوش ہوئے اور پھر کہا۔ ۴
 الہی دکھائے بہارِ مدینہ کہ دل ہے بہت بیقرارِ مدینہ
 یہ دل ہو اور انوار کی بارشیں ہوں یہ آنکھیں ہوں اور جلوہ زارِ مدینہ
 جوازے مدینہ ہو بالوں کا شانہ ہو آنکھوں کا سرمہ غبارِ مدینہ
 وہاں کی ہے تکلیف راحت سے بڑھ کر مجھے گل سے بڑھ کر ہے غبارِ مدینہ
 کبھی گردِ کعبہ کے ہوں میں تصدق کبھی جا کے ہوں میں نثارِ مدینہ
 کبھی لطفِ مکہ کا حامل کروں میں کبھی جا کے لوں میں بہارِ مدینہ
 ہے میرا ممکن حوالی کعبہ بنے میرا مدفن دیارِ مدینہ
 پہنچ کر نہ ہو لوٹنا پھر وہاں سے وہیں رہ کے ہوں جاں سپارِ مدینہ
 بعدِ عیشِ سوتوں میں تا صبح محشر جو ہو میرا مرتد کنارِ مدینہ
 مجھے چپہ چپہ زمیں کا ہولیبہ میں ایسا بنوں رازدارِ مدینہ
 میں پساندہ ہوں نیوں نہ حسرت کیوں سوئے عازمانِ دیارِ مدینہ
 وہاں جلوہ فرما حیاتِ البنی ہیں زبے زائرینِ مزارِ مدینہ
 نمکِ برجراحتِ اُف ذکرِ طیبہ کہ ہوں آہ میں دلفگارِ مدینہ
 میں جاؤں وہاں نیک اعمال لے کر کہ یارِ رب نہ ہوں شرمِ مدینہ

الہی بصد شوق مجذوب ہے پیچھے

یہ ناکام ہو کا مگارِ مدینہ

بہارِ مدینہ

خرابیاں ہوائے رہ گزاری مدینہ
 ہوا مر کے آفر عتبہ مدینہ
 مبارک غریب الدیار مدینہ
 مجھے غم نہیں لاکھ منزل کھن ہو
 ہوائے مدینہ مرے دل کی ٹھنڈک
 معطر کئے دیتی ہے جان و دل کو
 شریک نفس لے دل زار کر لے
 برستے ہیں دن رات انوار دل پر
 کہاں ایسے دن ہیں کہاں ایسی راتیں
 یہ غور شیدائے شاہ لولاک گویا
 بہت دُور سے شوق میں آ رہا ہوں
 دل و جان زرومل و خویش و اقارب
 کھرا بکے ہا ہوں میں روضہ کی جالی
 خوشامد گائی کوئے محسن
 زہرے جزو شان گدایان طیبہ
 نکلنے نہ دے مجھ کو آب زندگی بھر
 یقین متدکس میں ہو میرا فرقت
 نہ عجلت کرو وقت نصرت فیقوا
 ابھی رہنے دو محو نظارہ مجھ کو

کہ دنیا میں پھیلے بہارِ مدینہ
 ہزار آفریں جاں نثارِ مدینہ
 کہ پیش نظر ہے مزارِ مدینہ
 کہ ہیں پیش رو شہسوارِ مدینہ
 مرا نور دیدہ عتبہ مدینہ
 ہوائے خوش مشکارِ مدینہ
 شفا ہے شفا ہے عتبہ مدینہ
 عجب ہے عجب جلوہ زارِ مدینہ
 زارے ہیں لیل و نہارِ مدینہ
 ہے اک ذرہ تابدارِ مدینہ
 دکھا دے رخ اپنا نگارِ مدینہ
 فدا ہے مدینہ نثارِ مدینہ
 دکھا دے جھلک پردہ دارِ مدینہ
 زہرے ساکنانِ دیارِ مدینہ
 شہر دو جہاں شہر یارِ مدینہ
 ہمیں روک لے لے حصارِ مدینہ
 رہوں حشر تک ہمکنارِ مدینہ
 کہاں میں کہاں چسپاںِ مدینہ
 میں دل میں بسا لوں بہارِ مدینہ

جو تھا کر کسب کیستی میں قضا
 وہ مجھ کو رہا ہے ہوشیارِ مدینہ

یادگارِ مدینہ

یہاں بہت مدینیں وہ بہارِ مدینہ
 مرادوں سے ایک انحصارِ مدینہ
 زینتِ عزت و افتخارِ مدینہ
 ہے عرشِ آسمانِ خاکسارِ مدینہ
 کریں کچھ یونہی شوقِ دلی اپنا پورا
 وہ پھر رُک جیوروں کی دلکش قطاریں
 وہ محبِ وہ روحانہ و جنت کا گھرا
 جس اب میں ہوں اور یادگارِ مدینہ
 کہ اس میں بسا ہے دیارِ مدینہ
 شہرِ دو جہاں تاجدارِ مدینہ
 ہے کُرسیِ نشیمن جو ہے توارِ مدینہ
 کریں آؤ ذکرِ دینِ مدینہ
 وہ کچھ سار وہ سبز و زارِ مدینہ
 عموماً منظرِ پُر بہارِ مدینہ

نگینہ زمرہ کا ہے سبز گنبد

اور انگشتِ مری کو ہمارِ مدینہ

وہ دن حاصلِ زندگی میں جو گزرے
 کہاں جی لگے میرا بارِ جہاں میں
 میسر ہے ہر وقت مجھ کو زیارت
 نہیں جاؤں ظہیرِ ہی پیشِ نظر ہے
 اُدھر دیکھ اُدھر لے میری چشمِ حسرت
 وہاں سے میں حُبِ نبیؐ دل میں لایا
 باغِ بخشش لیل و نہارِ مدینہ
 ہے آنکھوں میں میری بہارِ مدینہ
 میں ہوں مٹو یادِ مزارِ مدینہ
 مجھے کل جہاں ہے جوارِ مدینہ
 میں دل میں لے ہوں بہارِ مدینہ
 یہی حُف ہے یادگارِ مدینہ

میسر ہو پھر اس کو یارب زیارت

کہ مجد و جہ ہے آشکارِ مدینہ



غزل تڑپنے کو و مجذوبے تابانہ آئینے
سرسبیل بلبل سرسبیل بلبل سرسبیل بلبل سرسبیل آئینے

الف

آب ہائے کوئی تار گریباں نہیں ہا
 کب میری جھٹوں سے گریزاں نہیں ہا
 وارفتگی شوق کا امکان نہیں رہا
 مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا
 دھنس بہا رکشن عارض تو دیکھتے
 تار نفس تو ہے اگر لے تجب جنوں
 قبروں میں جی کے رکھئے مڑے ارغضب
 وحشت میں جی پہلنے کا ساماں نہیں رہا
 کب مجھ سے دور دور سیا باں نہیں رہا
 آجاکہ دل میں اب کوئی آواز نہیں رہا
 بھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا
 جنگل کو رخ کیا تو سیا باں نہیں رہا
 کوئی گلے میں تار گریباں نہیں رہا
 یوں ہو کے قصہ گو زریباں نہیں رہا

لے چل اب اضطراب مجھے مٹے لامکاں
 شایان وجد عالم امکان نہیں رہا

فکرا میں واکس نے جب مجھ کو پریشاں کر دیا
 اُن کو تو نے کیا سے کیا شوق فراواں کر دیا
 ہو چلے تھے وہ عویاں پھر ان کو پنہاں کر دیا
 طبع رئیس نے مری گل کو گلستاں کر دیا
 زاہدوں کو بھی شریک بزم رنداں کر دیا
 جاں سپر و تیر اور غنوں صرف پیکاں کر دیا
 درد دل نے اور سب دردوں کو دریاں کر دیا
 دل نفس میں لگ چلا تھا پھر پریشاں کر دیا
 جب فکسے مجھ کو محروم گلستاں کر دیا
 یہ تری زلفیں یہ آنکھیں یہ ترا مکھڑا یہ رنگ
 میں نے سر نہر جنوں فتنہ سا ماں کر دیا
 پہلے جاں پھر جان جاں پھر جان جان کر دیا
 ہاتھ کیا اندھیر لٹنے چشم گریاں کر دیا
 پچھتے کچھ حسن نظر نے حُسن خواباں کر دیا
 سینکڑوں کو ذخیرہ رز نے مٹاں کر دیا
 پاس جو کچھ تھا مے سنبہر جہاں کر دیا
 عشق کی مشکل نے ہر مشکل کو آساں کر دیا
 ہر صغیر و کبیر نے کیوں ذکر گلستاں کر دیا
 اٹلہائے نون نے مجھ کو گل بدماں کر دیا
 حور کو اللہ کی قدرت نے انساں کر دیا

لے شوکت تھامی مجھ کے گھر مشاعرہ تھا جب حضرت نجمہ صاحبہ نے یہ شعر پڑھا تو شوکت تھامی
 نے کہا کہ حضرت یہ تو وارد ہو گیا ہے۔ دراصل انہی کے نظر اُفت شعر سن کر پھٹک گئی تھی۔ خواجہ صاحب نے
 دیکھے؟ کہنے لگے میرا شعر یہ ہے۔ تو نے کہا کہ یہ کیا ہے کیا یہ مرہم کو ہاں کر دیا؟ پہلے غل پھر خان غل پھر خان غل کر دیا۔

کر کے خیرات ان سے آج انہما راہاں کر دیا
 اُف مے ہر زخم کو تو نے نمکداں کر دیا
 اس کو حیراں کر دیا اُس کو پریشان کر دیا
 درد دل نے میری رگ رگ کو رگ ہاں کر دیا
 میں نے جس ذرہ کو دیکھا چاہ کناں کر دیا
 شامل بغیر مرا تار گریباں کر دیا
 دشت کو ذرہ تو ذرہ کو سیاہاں کر دیا
 محو دل سے امتیاز درد و دریاں کر دیا
 دل کو میسے راز و آرسن پہناں کر دیا
 ایکسائی نے انہیں قتل و بستان کر دیا
 دختر ز کو بھی میں نے پاک داماں کر دیا

ہر چہ باد ابادا کشتی در آب انداختہم
 رخ کردی زندگی شورش تری کچھ مدھی ہے
 زلف و رخ کو ڈھانکتے یہ بھی کوئی انداز ہے
 چمنک ہی اک رنج تو مجھ میں مری ہر آنے
 تو نظر آنے لگا کی اس قدر گہری لگا
 ٹوٹ جاتے کیوں نہ ٹانگے زخم کے دیکھا غضب
 جوش و شہت کی مے دیکھو کجاں کجاں
 مے چارہ گر کا دیکھ تو کوئی حسن طالع
 چکے چکے اندر اندر تو نے اے شوق نہل
 جن کی استادی پہ خود حکمت بجا کتی تھی ناز
 میں ہوں نہ پاک اہل دامن ترکو نہ دیکھ

مجھ کو سرجا بھی تو کیا مجھ کو بے حسرت کا علاج
 میں نے دل و بستہ زلف پریشاں کر دیا

لبوں پر تھی ہنسی و خوں سے چھلنی گومرا دل تھا
 یہی سودا زودہ سر تھا یہی حسرت مہرا دل تھا
 سرفوں میں سر مرا سر تھا دلوں میں دل مرادل تھا
 مجھے جینا بھی تھا دشوار در مرا بھی شکل تھا
 دیا جس کو دیا ہاں پھر کی کو کیا مرادل تھا
 مے کو مارا لے بے خبر بچھیل حاصل تھا

دیکھا غم بھر کوئی کہ میں بھی تیرا بسل تھا
 ازل میں کیا نہ تھا ساں مگر جو میسے قابل تھا
 ٹھیکاسر عین کے لگے نہ دل دنیا پر مال تھا
 نہیں دنیا کے لائق تھا میں مٹی کے قابل تھا
 یہ سب انا کہ وہ خاک تھا عالم تھا قاتل تھا
 ترافانی تو میں پہلے ہی لے میسے قاتل تھا

پالے دم بخود مجھ کو بے کیا جلتے حاصل تھا

لے چلا طریق عشق میں منزل بمنزل تھا

قتیل تین بے سر تھا شہید ناز بے دل تھا
 وہ بس اتنا ہی لے دل خضرہ بننے کے قابل تھا
 بس اک نصیر بے آبی سرا تیرا بسل تھا
 مجھے آسان تمام نا مگر پھر ہمیشہ مشکل تھا

ہر اک عاشق نے انداز سے دشت بان قاتل تھا
 طریق عشق میں جو جہت قدر گم کردہ منزل تھا
 ہزاروں زخم کھانے کے بھی نہ تیرا لے مجھ ہی
 بہر صورت تھی اک تکلیف بیماری الفت میں

عنیت ہے کہ مجھ کو قمر دریائے جگہ نے ہی
دل وارستہ ہی اپنا اکیلا رہ گیا آخر
کہاں پھر نعمت و صہب کہاں پھر مظلومی
کسی ہیل کے آتے ہی دگرگوں رنگ محل تھا
خدا مجذوب کو رکھے سلامت اس نے چو نکایا
ہے منزل سمجھ رکھا تھا وہ اک خواب منزل تھا

کسی سے یہ کہہ کر بے بس راہِ آسماں بننا
کوئی کہنے میں رہنا ہے یہ زیرِ آسماں رہنا
میں جہاں رہنا ہیں دنیا میں وقتِ امتحان رہنا
لکھنا ہے یہ تنکوں کا گلوں کے دریاں رہنا
میں دونوں برابر ہیں گستاخان ہو کہ صحرا ہو
یہ کیا طرفِ ادا، طرفِ تماشا، طرفِ پردہ ہے
خدا یا رحم کر لے چارہ گرفت کیسے گزے گی
غلامِ ہم سے سُن لے کوئی آدابِ محبت کا
پڑی ہے کشمکش میں جاں پر لہے گوگوں میں دل
مجلایہ بھی کوئی انداز ہے لے بے نالاں
یہی آتا ہے بس یا اور بھی کچھ تم کو آتا ہے
سب آوازِ اہل جاہ ہے درس تو افش ہے
مجرور کچھ نہیں اس نفسِ اتارہ کا لے زاہد

نہ رہ ناشادِ سالک مسلکِ مجذوب پر آ جا

اگر ہر حال میں تو چاہتا ہے شادمان رہنا

مری بلا سے کچھ بھی ہو تو ادا دکھائے جا
جامِ یہ جام لائے جا شانِ کرم دکھائے جا
روتا ہے رونے کل جہاں تو یونہی سکرانے جا
بیلاکس مری بڑھانے جا روزی پلانے جا

سے مجذوب فرمایا کرتے تھے کہ ایسے موقع پر مجذوب میری مراد حضرت شیخ بنوئے ہیں ۱۰ دہلیور

مینہ کو بیسے بصد کون جو رچھا اٹھائے جا
 شوق سے بزم خیمہ میں شرم و حیا جاتے جا
 ہاں مجھے مثل کیا خاک میں تو لاتے جا
 پہلو میں روز گئے جاشم و حیا اٹھائے جا
 کمویں وہ یاد کولیں رہیں پر ہو کیوں تری نظر
 علم سے کہاں فراخ چہل پہلو روز داغ ہے
 دین کا دیکھ بے خطر اٹھنے نہ پاتے ہاں نظر
 روزانہ چھوڑ چشم خم ہنسنا اگر ہو جام و عجم
 تیرا شرف یہ آب و گل تجھے ملک بھی میں اٹھل
 دیکھ یہ راہ عشق ہے ہوتی ہے بس لونی سیٹھ
 کیسی یہ آجکل کی ٹکلی ہے رسم دوستی
 رکھ نہ خوشی کی تو بوس دل کی ہے اس میں نہیں
 مطرب درو آشناتیرا بھلا کرے حسد
 درد کو کھونہ دیں کہیں ہاتے یہ مطرب حسیں
 باتیں اگر ہوں غیر سے اس کا ہو رشک کچھ نہ
 ایسا نہ ہو کہیں غضب سر ہو گری طلب
 بیٹھے گا پین سے اگر کام کے کیا رہیں گے پر
 ہو کہ ہے بے پتے جلا دل میں اثر نیا زکا
 سوزش دل تو ہو فردوس شورش دل کھو سکوں
 سب میں حجاب طرف دیکھوں کبھی کو ہر طرف
 لے مے ہوش علم خزا آفت حبل منبتلا
 مطرب خوشن نوا گجو، تازہ بہ تازہ نو بہ نو
 کیف نہ ہونے پائے کم پاس سسٹے پائے تم

یعنی زبان حال کہہ کہ ہاں سبتلے جا
 یوں تو نظر جراتے جا دل میں مگر سمانے جا
 شان مری گھٹانے جا رتبہ میرا بڑھانے جا
 شوق میرا گھٹانے جا انس مرا بڑھانے جا
 تو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگانے جا
 قبضہ میں تیسے بار ہے نہت گل گھٹانے جا
 گوئے ہاں میں تو اگر جائے تو سر جھکانے جا
 خون جگر پاتے جا حسن نظر بڑھانے جا
 جس نے دیا ہے درد دل گیت لکھنے لگانے جا
 سینہ بہ تیر کھاتے جا آگے قدم بڑھانے جا
 دل میں ہوا لکھ دشمنی ہاتھ مگر لاتے جا
 اٹھک اسے پائے جا عزم اسے تو کھلانے جا
 روز االت جو سنا فنفہ وہی سنانے جا
 ہاں مجھے لے دل عز میں خستہ عزم سنانے جا
 تو بھی شنید دید کے بیٹھے مرنے ازالے جا
 ہاں مرا عزم بڑھانے جا ہاں مجھے آزانے جا
 گوئے نکل اس کے گر خستہ میں پھر پڑانے جا
 ہو گی نہ یوں نمازا را سجدوں میں سر جھکانے جا
 جذب کو میرے لے جوں اور بھی بڑھانے جا
 پر سے یونہی اٹھانے جا جگو کو بھی دکھانے جا
 لے ترا وقت آگیا جا ارے جا وہ آسے جا
 چپے ہو پائے چپے ہو گائے جا پائے لگائے جا
 لے مے دفع الم و غمہ وہی سنانے جا

جذب میں جب مثل پڑی متعلق سے ہ گئی تھی
 بزم کی بزم چرخ اٹھی ترک نہ ابھی سنانے جا

ہزار کھاتا ہوں چوئیں نشان نہیں ہوتا
 کہے وہ کس سے کوئی نکتہ دال نہیں ہوتا
 بدن میں سر میں بلکریں کہاں نہیں ہوتا
 کچھ مست یا زہاؤ غزاں نہیں ہوتا
 یہاں تبادلت پیسہ و جواں نہیں ہوتا
 میں زندہ ہوں مگر احساس جاں نہیں ہوتا
 امید فتن میں خوف نریاں نہیں ہوتا
 نہیں تلے تو کوئی آسماں نہیں ہوتا
 یہ کفر شیخ کسی پر عیاں نہیں ہوتا
 تو یہ مسلمہ یوں مہر ہاں نہیں ہوتا
 کہ دل چڑھنے کا ان پر گماں نہیں ہوتا
 کسی سے بند ترا راز داں نہیں ہوتا

کسی کا جو نہ سانی عیاں نہیں ہوتا
 ادا شناس ترا بے رہاں نہیں ہوتا
 غضب ہے اُف ہمہ گیری در و دل ہمدم
 جوں عشق یہ اللہ سے تیری کیسے رنگی
 سب ایک رنگ میں ہیں میکہ کے خود و کلاں
 ہمیشہ ہوتا ہے اک عالم فتن طاری
 قمار عشق میں سب کچھ گنوا دیا میں نے
 سہم رہا ہوں میں لئے اہل تیر بتلاد
 یہاں ہے سحر کے دالوں میں رشتہ زناں
 جو آپ چاہیں کہ لے لیں کسی کا مفت میل
 وہ سب کے سامنے اس ساوگی سے بیٹھے ہیں
 وہ منتخب ہو کہ واعظ وہ فلسفی ہو کہ شیخ

جہاں فریب مجھ کو ہے یہ تری صورت

جوں کے عشق کا تجھ پر گماں نہیں ہوتا

تو درد دل میں، جگر میں کہاں نہیں ہوتا؟
 کہا بگڑ کے اجارہ ہے ہاں نہیں ہوتا
 ترے بنائے کچھ آب ہے فغاں نہیں ہوتا
 شریک طلقہ پیر معن اں نہیں ہوتا
 جو ضبط آہ بھی تم سے عیاں نہیں ہوتا
 یہ آج کیا ہے کہ وقت اداں نہیں ہوتا
 شعار تو کس عمر رواں نہیں ہوتا
 کہ ان کے غم میں غم این آں نہیں ہوتا
 تدار دل کو تیر آسماں نہیں ہوتا
 تو روز بھی یوں احتساں نہیں ہوتا

جب اپنے پاس وہ آرام جاں نہیں ہوتا
 کہا جو میں نے کرم مہر ہاں نہیں ہوتا
 بھی وہ جو کے خا اہر ہاں نہیں ہوتا
 گنوار ہے عجب شیخ غر خلوت میں
 بھرو فضول ز دم عاشق کا تم لئے دل
 شبصال، سر شام ہی سے رشتہ نہیں
 کہیں بھی راہ میں نزل سے پہلے دم لینا
 حمان کا اس لئے مرغوب ہے مجھے ناہج
 سکون ہو گا میسر اگر تو زیر زین
 جو عشق کے لئے لازم ہے امتحاں لینا

بڑی ہے قدر تری ساکون میں لئے مجھ کو تب

نہ ہو زمانہ الفت رواں نہیں ہوتا

میں پہ حالِ دل اپنا عیاں نہیں ہوتا
 تجھے خیال یہ آسمان نہیں ہوتا
 اپنے آپ کے ہوتے ہیں سپ ہی دشمن
 نالواں ہوں ترے سالکوں میں یوں مجھے
 ہے گلِ حسن کی ہر روز گرم بازاری
 اکا حکم بجا لانا اس قدر ہے اگر اس
 شے ہے فکرِ مدا کہ موت سے پہلے
 پوچھتے بھی ہیں آکر کبھی جو حال مرا
 اے طبیبِ سراپا ہوں مجھ سے نہ پوچھ

بیاں ہزار کوں میں بیاں نہیں ہوتا
 کہ صبرِ ظلم کبھی رائیگاں نہیں ہوتا
 وہ مہرباں کبھی نا مہرباں نہیں ہوتا
 ہزارِ راہ پس کارواں نہیں ہوتا
 گراں ہزار کرو تم گراں نہیں ہوتا
 بتوں کے ناز اٹھانا گراں نہیں ہوتا
 سکوں پذیر یہ قلب چہاں نہیں ہوتا
 تو لب پہ کچھ بجز آہ و فغاں نہیں ہوتا
 کہاں تو ہوتا ہے درد اور کہاں نہیں ہوتا

نکالو یادِ حینوں کی دل سے اے محفلِ محبت
 خدا کا گھر پتے ذکرِ نبوت میں نہیں ہوتا

وہ غفلت کیش جب پُرسانِ حالِ درد مندوں تھا
 تو مشکل تھا یہ کہنا درد تھا دل میں کہ دریاں تھا
 بتوں کا عشق تھا خطبہ میں ہر دم دین و ایماں تھا
 مگر بس وہ تو یوں کہتے کہ دل پر فضلِ یزداں تھا
 کوئی فرقت میں کب پُرسانِ حالِ درد مندوں تھا
 نصیب کی موت نے آکر یہ کہیں کا میں احساں تھا
 تلقین ایتے دن بھی بے تعلق رہ کے یکساں تھا
 قیامت میں پھر اپنا ہاتھ تھا اور اُس کا داناں تھا
 ہوئی تجویز وہ مٹی پتے حلقِ دل وحشی
 کہ جس مٹی کے ہر ذرہ میں ضمیر اک بیاباں تھا

ادھر مگر مے تھا داماں اور اُدھر پُر زے گریباں تھا
 مگر مانند گل میں ان پھٹے مالوں میں خنداں تھا
 ازل میں سامنے عقل و جنوں دونوں کا ساماں تھا
 جو میں ہوش و خرد لیسا تو کیا میں کوئی ناداں تھا
 چمن میں خاک برسہ مٹی صبا گل چاک داماں تھا
 دل و دشت زدہ کو ہر جگہ وحشت کا ساماں تھا
 نہ رک سکتا تھا وہ ظلم نہ جاسکتا تھا حیاں تھا
 کہ ہاتھوں میں مے اپنا گریباں اس کا داماں تھا
 معمہ مال میرا مثل آبرو برق و باراں تھا
 میں رونے میں بھی خنداں تھا میں ہنسنے میں بھی گریاں تھا
 نہ گل ہی تھے نہ شمعیں تھیں نہ کوئی فاختہ خواں تھا
 عجب حرمت کا منظر منظر گور عنسیاں تھا
 میں کب چو نکا کہ اس فحل میں جب بخت کا ساماں تھا
 یہ لب پر تھا کہ کیا میں بھی شریک بزم حباں تھا
 نمونہ راز وحدت کا مرا حال پریشاں تھا
 کہ مشکل از مستیاز دامن جیب و گریاں تھا
 قوی دل ہائے آرزوؤں کا جو اک محشر ستاں تھا
 اُجاڑا ایس نے ایسا کہ پھر بٹہر خموشاں تھا
 جگر کا داغ بھر جاتے تھا کب اس کا امکان تھا
 دل شوریدہ کیسا کس ہی رکھا نکداں تھا

میری مجبوریوں کا حال ہر صورت میں کیساں تھا
 کبھی مجبور حراماں تھا کبھی مجبور آرمیاں تھا
 مجب کیا گر مجھے علم باس دُست بھی زنداں تھا
 میں وحشی بھی تو وہ ہوں لامکاں جس کا بایاں تھا
 خیر ہے چھپنے والے کچھ تصور کے قصہ کی
 یہ وہ آنکھیں نہیں تو پہلے جن آنکھوں سے پہاں تھا
 ہوئی جب چشم غفلت آشنائے جلوہ دُست
 تو پھر یہ عالم کُشت بس اک خواب پریشاں تھا

کسی کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
 تو اپنا بویا بھی چھو نہیں تخت سیماں تھا
 ذرا دیکھو تو یہ اُلٹی رسانی میری قیمت کی
 وہ نکلا غنیمت کے دل سے جو میرے دل کا آرمیاں تھا
 پہنے بھی تم تو مثل برق وہ بننا پہنے اے دل
 کہ جس سینے میں دُنیا بھر کا روتا ہائے پہاں تھا
 جو رخ بدلتا ہے ساقی نے دگرگوں رنگِ محفل ہے
 وہ خنداں ہے جو گریاں تھا وہ گریاں ہے جو خنداں تھا
 مہلا مہذوب کچھ تو ہوش رکھتے ایسے موقع پر
 غنیمت ہے میزباں بننا پڑا اس کو جو ہماں تھا

ہر چیز میں عکس رخ زیبا نظر آیا
تو کب کسی طالب کو سراپا نظر آیا
عاشق کو تو ہر سوتیلہ جلوہ نظر آیا
کیس بند جو آنکھیں تو مری کل گئی آنکھیں
جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
گروں کو بھی اب دیکھ کے ہوتی تپے تپتی
سب دولت کو نہیں جودی عشق کے بدلے
نا کام ہی نامہ رہا طالب دیدار
کرتی تپے چکا چون نہی روشنی سب کو
دوبلے تو کھلی بھر محبت کی حقیقت
حسرت سے ادرہ دیکھ کے آنسو نکل آئے
صد شکر کہ آپہنچا لب گور جب ازہ
سب تشنہ میں معلوم ہوا بھر محبت
جو دور نگاہوں سے سر سرشیں ہیں ہے
مجنوب کبھی سوز کبھی ساز ہے تجھ میں

عالم مجھے سب جلوہ ہی جلوہ نظر آیا
دیکھا تجھے اتنا ہے ہوتا نظر آیا
مسجد نظر آئی نہ کلیسا نظر آیا
کیا تم سے کہوں چھپ گئے کیا کیا نظر آیا
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا
غربت میں یہی ایک بستانا نظر آیا
اس بجائے سودا مجھے سنا نظر آیا
ہر جلوہ ترا بند کو پردہ نظر آیا
اس روشنی میں مجھ کو اندھیرا نظر آیا
ہر قطرہ میں اک آگ کا دریا نظر آیا
دنیا میں مجھے جب کوئی ہنستا نظر آیا
تو بھر محبت کا کنارہ نظر آیا
صہرا تھا مگر دور سے دریا نظر آیا
وہ نور سر گنبد خضر انظر آیا
تو میر کبھی اور کبھی سودا نظر آیا

مجنوب کے جذبہ کی جو سمجھے یہ حقیقت
ان عقل کے اندھوں کو یہ سودا نظر آیا

✓ رحم کھا کر وہ کبھی جلوہ دکھا بھی دے گا
✓ کہ نقشِ باطل کو میسے دل سے مٹا بھی دے گا
✓ چہرہ و چشم کے آثار چھلیں گے کس سے
✓ یہ تغافل ہے غضب کچھ تو لے دلو دفا
✓ و جوشِ ادائی گزار ہے بارانِ بہار
✓ اپنی ہی بزم میں رکھنا ہے ناکام مجھے
✓ خدمتِ عشق میں لے دل تو کئے جانا
بزمِ الفت میں نہ نظر لکھیں ادب
✓ جس نے یہ درد دیا ہے وہ دوا بھی دے گا
✓ اپنا نقشہ وہ مے دل میں جا بھی دے گا
✓ دل کے ان نالوں کو عاشق جو دیا بھی دے گا
✓ ہم تو سمجھیں گے جزا اگر وہ سزا بھی دے گا
✓ صبر کر جسے زلایا ہے ہنسنا بھی دے گا
✓ مشکرا کر وہ کبھی دل کو بڑھا بھی دے گا
✓ رحم کھا کر وہ کبھی آہ رسا بھی دے گا
✓ جس نے محفل میں بٹایا ہے اٹھا بھی دے گا

کر کے کشتوں کو نہ خاک انھیں یاد آئی
دخترِ رز سے بہت دل نہ لگاتے کوئی
باربانی کی میں شہرطوں کا خلاصہ سمجھا
سرد ہو جانے کا دنیا سے دل اپنا لکھن
اُس کی محال میں گر عشق کی چوٹیں پہ لیں
ہے یہ کیوں شکوہ صیقل گر آئینہ دل
اک جہاں میں دل غدار تھا مشہور و فنا
وعدہ حشر پہ کیا شاد ہو یہ جانِ حزیں
خانہ دیرانی دل پر نہ کرے عاشق زار
ہوش آتے ہی نہ ہو جائے گا سودا ان کا
کثرتِ غم سے آنسو بھی نکل آتے ہیں
بے جھجک شوق سے ہاں مٹنے پہ ہو جاتا تار
دل گم گشتہ کو ڈھونڈیں گے بابا نون میں
نابہ کہ اس کی طلب میں ہے یہ سرگرداں
لے صبا ٹھیرا لے جانے بھر مرگ مری
ایسے کم بخت کو کرتے تو ہر خدمت میں قہر
کر سکا شور بھر سسکا تو نہ بیدار سے
ہاں کوئی مرنے لے دل ناداں اُن پر

ہاں شہادت تو یہ خونِ شہید بھی ڈے گا
ٹوٹ کر شیشہ دل اب صد بھی ڈے گا
وہی پہنچے گا جو آپے کو مٹا بھی ڈے گا
غم ہی خود برقع کے مرے غم کو گھٹا بھی ڈے گا
دل اس کے گٹے ہوئے سکے کو چلا بھی ڈے گا
کیوں مٹی میں ملائے وہ چلا بھی ڈے گا
میا خیر تھی کہ یہ کم بخت دغا بھی ڈے گا
اس قدر عرصہ تو وعدے کو بھلا بھی ڈے گا
حسین اُس گھر کو اجاڑا ہے بسا بھی ڈے گا
وہ اگر ظلمہ ریف سنگھما بھی ڈے گا
یہ بہت ہنسنا ترا تجھ کو رولا بھی ڈے گا
بے نشان کر کے وہ کچھ اپنا پتہ بھی ڈے گا
کچھ پتہ غم کو وہ نقش کھ پا بھی ڈے گا
ایک دن پیکِ نفس کو وہ تھکا بھی ڈے گا
ایک پیغام یہ مجبور و فنا بھی ڈے گا
دل مرا کچھ تھیں رحمت کے سوا بھی ڈے گا
پائے تختہ کو مے کوئی جگا بھی ڈے گا
لطف الطاف پھر آزار جگا بھی ڈے گا

بد دعا ہو گی وہ بیمارِ محبت کے لئے
اس کو صحت کی اگر کوئی دعا بھی دیگا

وہ راز ہوں جو عیاں ہو سکے بھی عیاں نہ ہوا
رواں دواں مرا کیا عشق میں زباں نہ ہوا
کمی پہ سوزِ دل اپنا کبھی عیاں نہ ہوا
کبھی نصیب ہی غم کو تو آستیاں نہ ہوا
شنا یا لاکھ مگر حالِ دل عیاں نہ ہوا

وہ نکستہ ہوں جو بیاں ہو سکے بھی بیاں نہ ہوا
بیاں نہ ہونا تھا یہ حالِ دل بیاں نہ ہوا
لگائی آگ تو تم نے مگر دھواں نہ ہوا
رکھے نہ سنکے کہ نالہ شہرِ رفاں نہ ہوا
یہ راز وہ ہے جو شرمناک عیاں نہ ہوا

وہ بے نشان ہے تو کیا یہ بھی اک نشان نہ ہوا
مگر میں پھر بھی سزاوار تھاں نہ ہوا
زبان لاکھ چلائی مگر بیاں نہ ہوا
جو بار سب کو گراں تھا اسے گراں نہ ہوا
زبان کاٹ لو سچ ہی کہوں گا ہاں نہ ہوا
بغل میں عزیز کے پاکر بھی بگساں نہ ہوا
کہاں ہوا کہیں تم سے کیا کہاں نہ ہوا
کوئی زمین نہ ملی جس پر آسماں نہ ہوا
قفس میں رہ کے بھی کب عرش آسماں نہ ہوا
ہیں نصیب ہی عزائم داستان نہ ہوا
وہ کون ہے جو گرویدہ بستیاں نہ ہوا
وہ قول کون سا اپنا تھا جو گراں نہ ہوا
جنہیں بہار میں اندیشہ خزاں نہ ہوا
ہیں کو کبیر دل اپنا وہاں جاں نہ ہوا
وہ رائے کاں بھی ہوا پھر بھی رائے کاں نہ ہوا
گراں کیا بہت اس نے مگر گراں نہ ہوا
اگر یہ مشغلہ نالہ و فغاں نہ ہوا
وہ پیسہ ہوں کہ مقابل کوئی جوان نہ ہوا
وہ مہرباں بھی ہوا پھر بھی مہرباں نہ ہوا
کسی سے کیا کہیں کیا کیا ہمیں گساں نہ ہوا

اُب اور کون سی تدبیر کیجئے گا حضور

گلے کا کاشٹ بھی مانع فغاں نہ ہوا

چھپ ہزار مگر پھر بھی وہ نہاں نہ ہوا
خیال جاں نہ ہوا فکر غاماں نہ ہوا
جو دل کا راز تھا دل میں رہا عیاں نہ ہوا
کوئی قابل انسان ناتواں نہ ہوا
یہ کیا کہا کہ ہمیں حق پر ہونے چاہا نہ ہوا
یہ میں ہی تھا کہ جو ناکام تھاں نہ ہوا
محل وہ کون تھا دغل عدد جہاں نہ ہوا
ہمارا بھاگ کے جانا کہاں کہاں نہ ہوا
مکان اک اپنا محبت میں لامکان نہ ہوا
وہ مہربان تھے کبھی سب سے سرگشت اپنی
سب ایک رنگ میں ہیں اہل دیو و حسم
وہ بات کون تھی غیروں کی جو بھلی نہ لگی
وہ لاکھ محل کے پستے ہوں پھر ہیں دیوانے
کرے جو کوئی شکایت تو جانے شکوہ نہیں
بچائے خود ہی ترا ڈھونڈنا بھی تو مطلوب
ہو زحمت کے بازار کا ہے زور وہی
گلا نہ گھونٹ ہمارا نہ ہوں گے ہم تاج
یہ دیکھ لو میں بڑھا پے میں مستیاں میری
جو آتے دیکھا اُسے ہو گیا میں شادی مرگ
وہ بچ کے بھی جو چلے غم سے بے نیاز

ہم نے ہندو کو بھی پڑھتے ہوئے قرآن دیکھا
ہم نے یا وقت حد خواب پریشاں دیکھا
دم سختی میں دم نزع کو آساں دیکھا

زُلف کو رخ پر تے جھومتے اے جاں دیکھا
زُلف چپاں کو قریب رخ تاباں دیکھا
اپنا آقا جو وہ سدا تاج رسولاں دیکھا

قطرہ آشک جو مرا سہر مرگیاں دیکھا
چھوٹ کر قید سے بیل نے گلستاں دیکھا
موجزن زیر قدم چشمہ حیراں دیکھا
کیا ہی جھنجھلا سکے وہ کہہ دیتے ہیں ہاں دیکھا
گر دیکھنا سدا مسموع زنداں دیکھا
سب کے آگے جو تری تیغ کو غریباں دیکھا
سیر گزار کہیں کی، کبھی زنداں دیکھا
یہ تڑپا وہ سسکتا تو وہ بے ہاں دیکھا
پائے تو نے بھی کچھ لے دیدہ حیراں دیکھا

اب کی طرح حسن پوش حوں میں تجھ کو
کبھی ساکت کبھی نالاں، کبھی غنداں دیکھا

سہرا دار پہ لٹکانے کی سوچھی ان کو
جاں مری تن سے نکل کر گئی اس کو چھریں
تیسرے زندوں کو دھنوک کی جو کبھی سوچھو آئی
بار بار ان کو دکھاتا ہوں جو میں ہر دم بگر
گرد اس چشم کے کیونکر نہ بھلا ہوں بلیکس
عارض و حلقہ و گیسو وہ ہے پیش نظر
عارض و حلقہ و گیسو وہ ہے پیش نظر
تیرے کچھ کو سدا گنج شہیداں دیکھا
جلوۂ عالم تھا سب سے رُخ حناں دیکھا

اب وہ مرنے پہ جیسے کہ دیدار ہو گیا
اُٹ اب تو اس لینا بھی دُوار ہو گیا
میرے لئے تو دُور ترا دیوار ہو گیا
اغیار و یار سب کے میں میں گزار ہو گیا
گزار دہر وادی پر خنار ہو گیا
عالم تمام مطلع الزار ہو گیا
جس پر نگاہ کی وہی شمار ہو گیا
عالم تمام غائب خنار ہو گیا
جب کام کا ہوا تو میں بے کار ہو گیا
میں ڈوبنے لگا تھا مگر پار ہو گیا
عالم تمام جلوہ گہ یار ہو گیا
میں عذر کر کے اور گنہگار ہو گیا
جنگل کو رُخ کیا تو وہ گزار ہو گیا
اتنی جتنی بات جس کا یہ طوار ہو گیا

داغ تصور رُخ دلدار ہو گیا
دم ضبط غم سے کہ شراب ہو گیا
کھلتے ہی ایک مجمع اغیار ہو گیا
جب کسی کا محرم اسرار ہو گیا
دُنیا سے اب تو دل میرا گزار ہو گیا
بے پردہ کس کا جلوۂ رخسار ہو گیا
مے خانہ تیرے دور میں بیکار ہو گیا
ہر سو ہیں مستیاں مے ساقی کے دُور میں
جب کام کا نہ تھا تو میں سدا گرم کار تھا
زخم عبور جن کو تھا وہ عسقر ہو گئے
پونے تیناٹ کے جس دن سے اٹھ گئے
اپنے کو بے گناہ سمجھتا ہے خود گناہ
بستی سے تم چلے تو وہ ویرانہ ہو گئی
منصور کی زباں پر تھا خود قول یار کا

میں حد اعتدال سے خارج ہوں محسب
جس طرح من عبادہ سدا ملود کھل چکا
میں اس کو مست دیکھ کے سرشار ہو گیا
اختلائے راز عشق سدا دل پر ہو گیا
مجھ کو تیرے لیے تو پس کے تیرے حوصلے
کرتنا بلند عشق کا معیار ہو گیا

چلا ہی دے گا فاضل اشکِ امان نظر اپنا
وہاں بھی کوئی بہہ کر اشک پہنچا ہے مگر اپنا
بہت تنگ آ گیا غربت کے دل لے ہنسا اپنا
نشہ میں یوں تو جھک کر آیا بیوقوف نہ اپنا
شعاع مہربن کے عکس سے اس رونے روشن کے
لگا دے منہ سے غم ساقی کہ میں سے پیارے غم
نہیلے درمی سے جاؤ غیم سبل چھوڑ کر قلم
یہ درد لے بہ گماں کچھ دیکھنے کی حسیہ اگر ہوتی
خدا بآب کیا کرے تجھ سے کوئی نایاب ناول
میں دو باتوں میں ہر دیر آشنا کو اشکوں
زمین پر پاؤں کب بٹھاتا تھا اپنا شوق منزل میں
ٹھہرنا کھیل ہے آگے تری اس نیم میگوں کے
نگاہ یا کس جلا دیں سکتے کا عالم ہے
بیا اک فرستہ ہنسا رہا کرتا ہے پہلو میں
نگاہ اٹھتی ہے مجھ پر برم میں کیوں بلبرائی
مڈلے واسطے صدق میں اپنی بزم عشرت کے
تجربہ یا کس نور شش گریہ نالہ آہ غم حشرت
تھانائے بہار اصرار ساقی التجائے کل

کہاں سے کہتی ہے یہ جلالی طبیعت کی
کہ مجھ کو تیرے آج کل خوش ہوں ہے نور پر اپنا

ہجوم آرزو دل شکریے سودا تاج سرا اپنا
 کئی جس طرح شب بجائے گا دن بھی بسر اپنا
 کھڑا بہت بٹوں میں تھکے ہوئے پھرں جگر اپنا
 ذرا ہاں کھول دے مجذوب دل اپنا جگر اپنا
 ترے قربان ہاں اک اور بھی تیرے نظر اپنا
 یہی ہے مختصر سالے اجل رخصت سفر اپنا
 نہ مونس ہے نہ عہد نہ کوئی چاہو اگر اپنا
 نہ پہچانوں دکھائے منہ مجھے تو بھی اگر اپنا
 بہت افسانہ طولانی ہے قصہ مختصر اپنا
 ادھر بھی چھینکے جاؤ کوئی تیرے نظر اپنا
 دکھائے اب تو ہاں یہ روز محشر کرو دفر اپنا
 پھر اچھا تیرے زہد خشک دامن تر اپنا
 قفس میں کر تپ ہے پرواز یہ مرغ سحر اپنا
 یہی دو چار سوکھی ہڈیاں ہیں ماحصل اپنا
 وہ رکھ دینا مرا پھر دوڑ کر پیروں پر سحر اپنا
 ابھی سے ختم کرو نانہ لے شمع سحر اپنا
 ہے اب تو گردش ساغر یہی دور ان سحر اپنا

وہ سوداے مجھے جس کا اثر جمعیت دل ہو
 بنا لے اے خدا مجذوب کو آشفہ سحر اپنا

ہیں مہر سیمانی ہے یہ داغ جگر اپنا
 یہاں آئین بزم غیر میں دل چھوڑ کر اپنا
 چلے جاتے ہیں وہ تو بھینک کر تیرے نظر اپنا
 دکھاتے چپکے ہیں جلوہ بہت شمس و قمر اپنا
 نہ بے دردی سے جانوں نیم بس چھوڑ کر اپنا
 کفن کی غم نے بس دچا دیر لے لی ہیں بنا سے
 یہ بازار جہاں ملے دل ہیں اک ہو کا عالم ہے
 تصور میں تھے دو باہو اڑتا ہوں کچھ ایسا
 شب وصل اس کو کب کا ہے روز مشر بن اپنا
 کھڑے ہیں دیر سے جوشن لب عالم شہادت کے
 ہجوم آرزو لے کر بغل میں میں بھی آپہنچا
 ملاست کرنے عمر رموز کو تو لے زاہد خود میں
 جب آنکھیں بند کر لیں عرش پر پہنچی نگاہ اپنی
 سمجھے کیا دوں ہاں قبر کچھ چھوڑا بھی ہو غم نے
 وہ ٹھکرا کر اٹھا دینا مجھے ان کا دم رخصت
 مجھے رفا ہے تا صبح قیامت ساتھ کچھ تو لے
 غم ساتی میں اٹھنا اور دیں پچرا کے گر پڑنا

جو ہوا جیسا ہوا بہت ہوا
 وہ جو حسب مرضی دل بس ہوا
 ہو اگر دشمن زمانہ بھر ہوا
 مجھ پہ فضل خالق اکبر ہوا
 غیب سے پیدا بنا اک در ہوا
 لکھ بھی چک خط کیا ہوا دفتر ہوا

کچھ نہ پوچھو کیا ہوا کیونکر ہوا
 کیا بتلا ہو میری مرضی کے خلاف
 دوست راضی ہے تو پھر کچھ دہیں
 جب توقع اٹھ گئی مخلوق سے
 بند جب سب فرجوتے میرے لئے
 مدد بھی کچھ اے غامہ حسرت رقم

ہو گیا پا کس پہنچتے ہی وہاں دل اگر پتھر سے بھی بڑھ کر ہوا
ہو گئے جب راستے میں دوسب
جذب خود مجذوب بکار ہوا

ہمیشہ ہوں مست اور نہ ساغر نہ دینا
نہ مطرب، نہ ساقی، نہ بریل نہ دینا
اسے کہتے ہیں دیکھ لے رند دینا
یہ دینا بھی ہے کوئی بیٹے میں دینا
مے جام دینا نہیں جام دینا
یہ ہے قلب روشن ہے چشم دینا
خدا بھیج دے بے طلب جام دینا
گناہ کبیر سے ہے پھر بھی نہ پسینا
یہ تیرا ہے لے رند پینے میں دینا
میں ہوں مست ہر دم نہ ساغر نہ دینا

وہ مست ناز آتا ہے ذرا ہوشیار ہو جانا
ہمارا شغل ہے راتوں کو رونا یا دود لبر میں
یہیں دیکھا گیا ہے بے پتے سرشار ہو جانا
جاری نیند ہے محو خیال یار ہو جانا
قفس کا بھی گلوں کی یاد میں گزار ہو جانا
ذرا سی بات میں کھنچ کر ترا تلوار ہو جانا
بس اس میں ڈبنا ہی ہے لے دل پار ہو جانا
ہیں تو مست کرتے ہیں ترا سرشار ہو جانا
تھوڑی سی کھانسی نکال میں اقرار یہاں ہے
مرا غش کھا کے گریزا کر بس دیدار ہو جانا

جب تک اس پکفیس میں دم رہا
نہی غم کے کش میں دم رہا
تجھ کو ڈھونڈا تھک کے آخر قہم رہا
زندگی مجھ نزع کا عالم رہا
آفتاب اک قطرہ شبنم رہا
ساز دل میں لطیف زیر و کم رہا
ناله پر شور اور کبھی مدغم رہا
دختر روز و تراحمم رہا
تو زمیں پر فستہ عالم رہا
سرفک کا تیرے آگے خم رہا

کھنچ کے کیوں نینچو کسی کا قسم رہا
 سو بہاں بیسوں ہمارا قسم رہا
 دختر ز زو ترا ہم دم رہا
 غمکدہ میں دہر کے بے غم رہا
 حد سے گذر اُسم تو پھر کیا غم رہا
 کچھ نہ ہم کو فکر بیش و کم رہا
 دامن مجذوب پھٹ کر لے جڑوں
 بادشاہ عشق کا پرچم رہا

ادھر دیکھ لیسنا ادھر دیکھ لیسنا
 پھر ان کا مجھے اک نظر دیکھ لینا
 دکھائیں گی آپیں اتر دیکھ لیسنا
 وہ آئیں گے تھامے جگر دیکھ لیسنا
 انھیں اک نظر چشم تر دیکھ لیسنا
 ڈالنے کاٹوں عمر بھر دیکھ لیسنا
 یہ کرتے نہ مجذوب محروم سجدہ
 انھیں چار سو جلوہ گر دیکھ لیسنا

دل دار فغاں بدلا، سر دیوانگان بدلا
 جزن عشق کا مجذوب تو نے کل جہاں بدلا
 شراب ارجواں کیا پی کہ میرا گل جہاں بدلا
 نظر آتا ہے اب رنگ زین آسمان بدلا
 جو سامان گدائی تھا بصد شان شہاں بدلا
 نہ رنگ فقر تیرا لے دل بے خفاں بدلا
 جہاں بدلا تو بدلا تو بھی لے جان جہاں بدلا
 زین بدلی تو بدلی تھی غصے آسمان بدلا
 تجھے میری رنماں حق سے عطا کو تر جو بے لے میں
 تھے اس بادۂ گل رنگت رنگ جہاں بدلا
 قاشا دیکھتے اب ایک تو ہے جان و قالب
 جہاں بدلی تو نظم ارتباط جسم و جاں بدلا
 کوشے عشق کے میں پہلے گریہ تھا اب آپ ہیں
 تھے اس بادۂ گل رنگت رنگ جہاں بدلا
 ہمیں میری طلب کھوج کر ہی دم لیا آخر
 تماشہ ہے کہ بادۂ تند سے آبی اں بدلا
 مقدم آجکل دارِ لیت آپ پر دارِ فانی ہے
 ہزار اپنے پتے بے ہزار اپنا نشان بدلا
 رہا بار امانت گو وہاں ددش سے بھر
 عجب الٹا زمانہ ہے نظام دو جہاں بدلا
 ہوا کون آکے نور آگن لے ماں ہو گئے روشن
 نہ کندھا بھی مگر ہم نے تیرا گراں بدلا
 ٹوٹی ادھل نہ چمکتی کی پھر بھی نگاہوں
 سیاہ خانہ مری ہستی کا کس نے ناگیاں بدلا
 یہ ہے کیا حال فرقت میں کہ زند آتی نہ پھر شب
 بہت گو شاخ در شاخ علم نے اپنا آشیان بدلا
 بدھ مجذوب مست آیا بصد جوش و خروش آیا
 ذرا کروٹ جہاں بدلی ذرا پہلو جہاں بدلا
 پڑا اب زہد کے چھپے رخ سبیل رواں بدلا

جہاں میں انقلاب آیا چمن سے ہو گیا صحرا
یہ کیا مجذوب بہر خاطر آوار گاہاں بدلا

نگاہِ افترا بدلی مزاجِ دوستان بدلا
سرے دینے دوں کو تو نے اے پیرِ مٹاں بدلا
چمن کا رنگ کو تو نے سرِ امر لے خزاں بدلا
گمانوں میں سہمی کے فرق آیا جب بھابھے
سرِ بازارِ حسن و عشق کی رسوائیاں توبہ
سُنے سوتے میں جس دم نالہ ہائے نیم شب سیر
کبھی ہم کہہ سکے ہمدم نہ کھل کر جاں دل ان سے
غوشا یہ دن کہ میری زلیستِ آفر مرگ سے بدلی
طریقِ عشق میں گو کارواں پر کارواں بدلے
کردوں کیا دل ہے با صندِ بدلتوئی مائلِ رندی
دکھائے سبز باغ اتنے توصیادانِ پُرفتن نے
نہ رہ چھوڑی نہ ہم نے نقشِ پائے راہِ مٹاں چھوٹے
نہ بہکا پھر بھی مجھوں کو یہ لیل نے کیا کشر
اے توبہ کوئی حد ہے بھلا کس بد گمانی کی
نظر میں اب تو لے مجذوبِ محبت اک کھیل ہے دنیا

نظر اک اُن کی کیا بدلی کہ مجھ سے کل جہاں بدلا
قیاس اب ہو گیا عرفانِ یقین سے اب گمان بدلا
نہ ہم نے شاربِ گل چھوڑی نہ ہم نے آشیان بدلا
لیکن یکسر مٹو بھی یقین عاشقاں بدلا
شمارِ بہشت بدلا مذاقِ عاشقاں بدلا
تو چونک اٹھے وہ یہ کہہ کر کیا وقتِ ازواج بدلا
کہ ہر لفظ اپنا سوا بار آتے آتے تازہاں بدلا
بالآخر خوابِ راحتِ مرا خوابِ گراں بدلا
نہ ہم نے رہ گذر بدلی نہ میر کا رواں بدلا
جیت کیا بدل سکتی عمل کو اپنے ہاں بدلا
کبھی حقیقت نہ مٹل نے چمن سے آشیان بدلا
ہوا کے رخ پہ رخ تو نے تو گردِ کارواں بدلا
کہ محل اپنا بدلا، ناقص بدلی، سارباں بدلا
ذرائعِ پاس جا بیٹھا کہ اس پاس بدلا
نظر کے سب تماشے تھے نظر بدلی جہاں بدلا

بڑی اُسکے فودی تیر چھایا سب پر

جہاں مجذوب جا پہنچا فضا بدلی سماں بدلا

بہت کہ عشق میں مجذوب بلا تم نے حال اپنا
مگر جیسا ہنس چاہتے ویسا کہاں بدلا

اپنی کہہ لی سب سے میں شہر رہا
 مجھ پہ فضیل خالق اکبر رہا
 جو مری قیمت کا تھا بل کر رہا
 سر مرا خود زینتِ اختر رہا
 میں نے انداز سے مضطرب رہا
 دل میں اک ہنگامہ محشر رہا
 سر میں سودا پاؤں میں پتھر رہا
 دل میں برسوں اک عجب منظر رہا
 دل فدا کے ساقی کوثر رہا
 خلق میرا گو تہہ خنجر رہا
 بے لوث، بے آشتیاں بے پھر رہا
 اور مجھے صیاد ہی کا ڈر رہا
 میں بھی تیرا ہمنوا اکشر رہا
 لب پہ توبہ ہاتھ میں ساعہ رہا
 غم رہیں آنکھیں کلیسہ تر رہا
 مر کے بھی چرچا مرا گھر گھر رہا
 اک سبق ہاں عشق کا ازبر رہا

جولوہ نہ مادی تک دلبر رہا
 گو مرا دشمن زمانہ مجھ رہا
 گو مرے در پر عدو اکشر رہا
 تاج زرشا ہوں کے زیر سر رہا
 جسم بے جس بے شکن بستر رہا
 میں وہاں گوبے زباں بن کر رہا
 باغ عالم دشت سے بڑھ کر رہا
 گو وہ گل آپیش نظر دم بھر رہا
 میں خراب بارہ و ساعہ رہا
 قل جو حق تھا ذی لب پر رہا
 میں رہا تو باغ ہستی میں مگر
 سب چین والوں نے تو لوٹی بہار
 یاد کر بلبل کبھی وہ دن بھی تھے
 کوئی سبھا رند، کوئی متقی
 تم رہے آنسو رہی دل میں جلن
 عشر بھر بھر پھر رہا میں در بدر
 سب پڑھا کھا میں بھولا ایک مسلم

تم نے کدوں فکر میں تہ کے معلق
 تم سے تلو مسجد و ب می بہتر رہا

دل میں شوق بارہ احمد رہا
 سب بنے یا قوت میں پتھر رہا
 بکوں رہا، کب تک پاء، کیونکر رہا
 سر بسر متوجہ خنجر رہا
 سایہ دیوار کا بستر رہا

لب پہ ذکر زمزم و کوثر رہا
 سب وہاں غول روئے میں شہر رہا
 کچھ نہ پوش کو چہ دلبر رہا
 تیری چو کھٹ پر نہ غم جو سر رہا
 سنگ در کا حکمہ زیر سر رہا

گو بلا سے میں تہہ خنجر رہا
کون سوز عشق میں بڑھ کر رہا
کیا کہوں دُنیا میں کیونکر رہا
وہ تو ہر لحظہ کرم گستر رہا
نفس نے کیا کیا دیتے مجھ کو سبق
وہ بلا لیتے یہ حتی قیمت کہاں
کیسے کیسے بُت ہے پیش نظر
اُفت نہ پوچھو وقت نزعِ ناتواں
آستانِ بوس صنم دُنیا رہی
رُخ کیا میں نے نہ دُنیا کی طرف
دیکھنے والوں کے دل گمائل ہوئے
مالِ دل کہنے کی جرات کب ہوئی

سامنے اُس کا رُخ انور رہا
عنبر پروانہ میں خاکستر رہا
عسمر جبرجینا مجھے ڈوبھر رہا
دل ہی یہ کم بخت غم پرور رہا
راہِ زند عالم مرا سب رہا
ذکر میرا بزم میں اکشر رہا
اللہ اللہ روز و شب لب پر رہا
سامنے آنکھوں کے جو منظر رہا
سنگ اسود اس کا نگ رہا
صاحبِ زر بندۂ بے زر رہا
زخمِ بھی اس تیر کا نشتر رہا
داخلِ دفتر ہی یہ دفتر رہا

جیوں رہا مجھ کو جب غمِ مجھ سے سن
بے عرض، بے مدعا، بے زر رہا

نہ دیکھو رخِ گامِ حینوں کو اے توبہ نہ دیکھو گل
کروں ناصح میں کیونکر ہائے یہ عد نہ دیکھو گل
نگاہِ ناز کو تیری میں شہِ منہ نہ دیکھو گل
وہ کہتے ہیں نہ سمجھو گل تجھے مجھ کو بے عاشق
بلا سے میں لگا کر درو کے بیٹائی بھی کھو بیٹوں
بلا سے میرے دل پر میری جاں کچھ ہی گزر جائے
اٹھاؤ گل نہ زانوں سے میں ہرگز اپنا سر ہمدم
حینوں سے وہی پھر حضرتِ دلِ دیدہ بازی ہے

تقاضہ لاکھ تو کر لے دلِ شہیدانہ دیکھو گل
نظر پڑ جائے گی خود ہی جو دانستہ دیکھو گل
ہلنے لے لیتا ہوں اپنی نظر اچھا نہ دیکھو گل
کہ جب ہمک کوچہ بازار میں روانہ دیکھو گل
کرو گل کیا ان آنکھوں کو وہ جلوہ نہ دیکھو گل
میں تیری خاطر نازک کو آزر دہ نہ دیکھو گل
اُسے میل اپنی آنکھوں سے انھیں جاتا نہ دیکھو گل
ابھی تو کر رہے تھے آپتِ دعویٰ نہ دیکھو گل

ذرا لے تاج فرزا نہ چل کر سن تو دو باتیں
نہ ہوگا پھر بھی تو مجھ کو بک دیا نہ دیکھوں گا

ہو آنا ہے او، سبکل کرنے والے
تو بس آج آ، کل نہ بیمار ہوگا
میں آخر اٹھنے کو ہے چشم حیرت
سنہل جاؤ آج آخری وار ہوگا
میں رسم مدت ہے عاشقی میں
جو سردار ہوگا سردار ہوگا
یہ ہے ہی سے مجھ کو سب ساری عزت
جوئے خوار سے مجھ کو چھٹی نوار ہوگا

ضبطاً لکھتے ہو بسمل نہ سنبھالا ہوتا
میں دوسرا ترا تا عیب لہر بالا ہوتا
بے تھے ملنے میں "مے گھونٹ ہوگا ہوتا
وانہ انکسور کا منہ میں مے لچھالا ہوتا
کیا اٹھتی ہے گھٹا عجوبتی بن کی لیتی
ہائے ایسے میں مرا گیسو توں والا ہوتا
نکھ شوق نے زلحکا یا تھا کن جو کھوٹ
کیا گجرتا جو دوپٹہ نہ سنبھالا ہوتا

ہر طرف مر گھٹا کے دیکھ لیا
دھیان میں ان کو لا کے دیکھ لیا
اب خوب آزما کے دیکھ لیا
کیوں بہت منٹیں تو آتے غور
آج میں نے وہ چہ نہ سا کھڑا
لطف مسم نے تری محبت کا
باز آیا نہ عشق سے مجھ کو تب
سب نے سمجھا بچا کے دیکھ لیا

ت

منہل کر ذرا تیرا کام محبت
مقام ادب ہے، مقام محبت
نبال ہی پر ہے بس کلام محبت
محبت نہیں یہ ہے نام محبت

کمال محبت ، دوام محبت
ضروری ہیں بہر تعلیم محبت
بیست دن کا ہوں ششہ کام محبت
بڑا لطف دینا ہے کام محبت
پلائے ان آنکھوں سے کام محبت
پاس میں مروت ، بنام محبت
دلے اُف نہ لے وقت کام محبت
نغمے رہی ہے پیہم محبت
چھلکے کو ہے میرا حب کام محبت
سب سے بالا ہے کام محبت
مراقبہ نام کام محبت
وصحیح محبت نہ کام محبت
ہمسہ کر چکا ہوں کام محبت
مکے دہ سے قائم ہے کام محبت

بہت دور پہنچا ہے مجھ کو سب محبت
بہت دور آئی ہے مقام محبت

عطا کر دہی بن کام محبت
شکر انجیاں تلج کام محبت
پلائے ان آنکھوں سے کام محبت
محبت ، محبت ، محبت ، محبت
پلائے ، پلائے ، پلائے ، پلائے
انکے اک نظر کس طرف جی نڈارا
محبت کے بدلے محبت کس قدر ہے
زبان سے وہ کچھ بھی کہے جائیں مجھ کو
بٹالے اسے اپنی مستانہ نظریں
چڑھیں دارم ، چڑھیں طور پر مسم
نہ ہوگا اب تک بھی پورا نہ ہوگا
ازل ابتداء ہے ، اب اتنا ہے
زرو مال و عزت دل و جان ایمان
میں مجھ کو سب ہوں یادگار جنوں میں

وہ دنیا کو ہے اک پیہم محبت
ہر اک شے میں ہے انیم محبت
تری زلف مشکیں ہے دم محبت
جدھر پھیر دوں میں رام محبت
یہ مینے الفت وہ کام محبت
عجب کھنک ہے کیف کام محبت
لے لے دیا کس نے نام محبت
یہ ناش و بوشت و کام محبت
ابھی تو ہے منہ خوب کام محبت

جو مجھ کو سب کا ہے کلام محبت
یہ نظم جہاں ہے نظام محبت
تری چشم میگوں ہے جام محبت
حقیقت ہی ہر چار سٹو جلوہ گو ہے
مری چشم پر نہ مرا قلب پر مسم
وہ آئے ہیں اور میں ہوں مجھ کو تصور
یہ تھا کون غارت گردین و ایمان
الہی بس اب ، اتنا تو مسم ہے
میں دیکھ بیٹھے میں دیا اپنے ہم

کہاں ان کی بزم طرب کے ہوں قابل
محبت کو لازم ہیں رسوائیاں بھی
میں شوریدہ سہریلے کام محبت
محبت ہی نہیں نیک نام محبت
پلاؤں گا تم کو بھی جام محبت
جو مجھ کو کے ہاتھ میں پاتھ ہے دو
تو ہوں دم میں طے سب مقام محبت

نہ ہو جائے مختل نظام محبت
یہ دیکھو تو اُلٹ نظام محبت
مقام فنا ہے مقام محبت
مری جان مست بان نام محبت
وہ دیں جام اور وہ بھی جام محبت
جھکا اس اداس کے بس مار ڈالا
خرم ہے یہ لے شیخ یا کوئے دلبر
نکلنے کی کوشش میں دونا چنوں گے
خدا کے لئے دم تو لینے دے لے دل
گمند رسائی ہے جذب اپنا لے دل
نہ جاگل رنوں پر خبر دار اے دل
کبھی اس کے دل میں کبھی اس کے دل میں
پند اپنی اپنی مبارک ہو منسم
نہیں غیر کی حرمت میں بندہ زر
نہ ساقی کا دل توڑ مجھ کو تب پنی بھی
کہ ایسی ہے توبہ حرام محبت

مے پاتنے لو نہ نام محبت
وہی آپ کا ہوں غلام محبت
چٹا قیس سستی سے قید خوری سے
چھلک جانے کا ہائے جام محبت
کہ مجھ کو تب ہے جس کا نام محبت
میں ہو کر گرفتار دم محبت

میں نے فرق وصل و فراق دمن دو جو ہو جائے راسخ محبت ہم محبت
اے چھوڑ مجذوب چھوڑ اس غزل کو غضب ہے یہ تکرار ہم محبت
مری شاعری ختم ہے اس غزل پر یہی آخری ہے پس ہم محبت

خدا تجھ کو معذور کر رکھے سلامت
تجھی سے ہے دنیا میں نام محبت

(۱)

چمکے لگا سر بسر نور ہو کر
چری یاد میں خود سے بھی دور ہو کر
نہ کس آواز اتنے پلو دور، ہو کر
سر دار ہو کر سر طور ہو کر
نہ ترساؤ ہر گام پر دور، ہو کر
زبان چپ رہی گرچہ مجبور ہو کر
تقدیر سلامت، تمیز سلامت
دلنے لگے کروٹیں اہل مرتد
یکس کے لئے جان دینے چلا ہوں
عجب اک ممت سائیں بن گیا ہوں
چلا کر رہا ہے کھنچا اک زمانہ
حدیں عشق کی کر رہے ہیں وہ قائم
خوشامد، در آمد، تصدیع، تعلق
کبھی مال میں چین پاتا نہیں دل
نہ مینے سے خوش ہوں نہ مرناروا ہے
اب اتنی رعایت تو لے آسمان ہو

میں کا مجذوب ہوں جذب الفت سلامت
بچھو گے کہاں مجھ سے تم دور ہو کر

مجھی میں قسبتے ہیں مستور ہو کر
 ہمیشہ نظر آیا خسور ہو کر
 جو اک التجا کی تھی مجبور ہو کر
 چلا دل ازل سے جو خسور ہو کر
 دل اسرارِ فطرت سے مستور ہو کر
 تین یاسیں پر لباسِ مصفا
 گناہ ہے کہ اُڈی چلی آ رہی ہے
 میں کہنے ہی کو تھا کہ چپ کر گئے وہ
 وہ نظروں میں میرے کبھے جا رہے ہیں
 بڑی مغلطی زندگی ہے جو گزرے
 کوئی دل لگی ہے یہ اسے شیخِ رندی
 عجب رنگ لائی ہے اب میری مستی
 چپانے کو ہم تم چھپاتے ہیں دلوں
 نظر کیا کروں اب سوتے جامِ دینا
 رسائیِ تصدق کی ہے لامکاں نمک

وہ خوش بخت و خوش وقت مجذوب ہیں ہم
 غسروں میں بھی پہنتے ہیں مسرور ہو کر

جب سے بیٹا ہوں میں رنجی پریشیت ہو کر
 اب تو جاؤں بس آنکھوں میں بصارت ہو کر
 بعدِ مدت کبھی آنے تو قیامت ہو کر
 ایسے آنے سے نہ آنا ہی بھلا ہے اُن کا
 شرہ آئے اہل جہاں تا بہ قیامت مزہ
 خانہ دل کی کوسے لاکھ صفائی صوفی

مجھ پہ آفت بھی کوئی آئی تو رحمت ہو کر
 لبسِ ظم آبِ دل میں سا جاؤ محبت ہو کر
 رنج و غم میں بھرے غیر سے نہمت ہو کر
 منہ چلائے ہوئے مجبور مروت ہو کر
 آنے دنیا میں حضورِ آئینہ رحمت ہو کر
 ہوگا آباد تو بربادِ محبت ہو کر

ف ، اب مصیبت بھی جو آتی ہے تو رحمت ہو کر

کون ہے آج جو مجزوب کا دیوانہ نہیں
نام چکا مرا برباد و محبت ہو کر

سنا سب سے سیزار ہو کر چلا ہوں میں کس کا طلب گار ہو کر
کے گے کوم جب وہ دیکھیں گے عاجز مرا کام ہلکے گا دشوار ہو کر
ریاضت کرے لاکھ زائد مقدس جو ہو گا توئے خوار ہو کر
میں سب عشق میں تابہاں کوئی ڈوب کر اور کوئی پار ہو کر
میں میں تھا میں جب بے خبر تھا پڑا مشکلوں میں غبار ہو کر
زباں سے آب انکار کیوں ہو رہا ہے
نگاہوں نگاہوں میں استسار ہو کر

رہا ہوں اب توڑ کے جام و شیشہ دیکھئے رہ بھی جائے ابابہر ہمار دیکھ کر
یہ بچہ کو چارہ گر شوق سے کہہ بڑا مگر بہر خدا بس اک نظر سونے نگار دیکھ کر
میں ہے گل زمین فنی بھی ہونگے سب ہیں ریچھ نہ جاتے دل کہیں باغ و بہار دیکھ کر
چھوڑو نہ قندح خوار کو سمجھو تو رازدار کو
تو کو نہ دل بیار کو دست بکار دیکھ کر

(ز)

ہے وقت جو جیس پر شکن ہنوز
کا ازل کو، دہر کو، محشر کو، خلد کو
کے جا رہے ہیں سبھی اس دیار سے
تجھے ہے لذت دل کی خبر ہی کیا
ہے حسن سب میں نہیں سوز عشق کا
دل اہل تبت بیضا ہو جسوں

اس دور تو میں تو ہے مجزوب تا بہر
تیسے ہی دم سے آرزو ہے وضع کہن ہنوز

(ف)

وہ خندہ زن ہیں اشکبار اک اس طرف ایک اس طرف
 ہیں گلشن و ابر بہار اک اس طرف ایک اس طرف

شمس و قمر دیوانہ وار اک اس طرف ایک اس طرف
 گردش میں ہیں لیل و نہار اک اس طرف ایک اس طرف

میسرے بکاؤ میں سے وہ بھی نہیں ہیں چین سے

دو ذل غرض ہیں بے قرار اک اس طرف ایک اس طرف

قلب و جگر ہیں راغدار اک اس طرف ایک اس طرف
 پہلو میں ہیں دو گل عسدار اک اس طرف ایک اس طرف

وہ نشہ میں انوار کے عم کعب میں انوار کے

ہیں مہر و مشعل کار اک اس طرف ایک اس طرف

سیدی نظر بھی ہے غضب ترچی نظر بھی ہے ستم
 یہ تیغ وور کھتی ہے دھار اک اس طرف ایک اس طرف

وہ جا رہے ہیں دیکھنے کا ادھہ گا ہے اُدھہ

چلتے ہوئے کرتے ہیں وار اک اس طرف ایک اس طرف

ہم کو ملتے دیوانگے اُن سے کو ملتے فرزانگے
 مجھ کو لب لہم وہ لہو شیار اک اس سے طرف ایک اس طرف

(ل)

میں حال دل کہوں تو ابھی منہ کو آتے دل
 دل ہی سے کہہ رہا ہوں میں سب اجرائے دل
 کر رحم اے خداے جگر، اے خداے دل
 فاکوشل ہو گیا ہے کوئی کہہ کے ہائے دل
 سنان کیوں پڑی ہے یہ ماتم سرائے دل

بہنے دو چپ مجھے نہ سنو اجرائے دل
 سبھے گا کون کس سے کہوں راز ہائے دل
 کب تک یہ ہائے جگر ہائے دل
 دو لفظوں ہی میں کہہ دیا سب اجرائے دل
 آتے نہیں ہیں کُسنے میں اب ناہائے دل

بارغ و بہار زلیست ہیں یہ داغیں کسے دل
جائے دو بے بس معاف بھی کرو غلطائے دل
آخر کوئی بچائے بچو نگر بچائے دل
سب سے لگائے تم سے نہ کوئی لگائے دل
ایسا بھی ہائے کوئی نہ پائے جو پائے دل

مجدوب تو بھی غیر خدا سے لگائے دل

عشق کہاں ہے بندہ حق نام نہ لے دل

تم سا جو دل رہا ہو تو کچھ نگر بچائے دل
پائے تو تیری یاد سے بس چین پائے دل
اپنے بنائے ہیں ہزاروں پر لے دل
کیسی یہ پڑ گئی ہے میرے سر ملاتے دل
جھوٹے پھول ہیں کہیں دھوکہ نہ کھائے دل
دل آشنائے درد ہے درد آشنائے دل
جو لب پہ ہے نہیں وہ مراد عاتے دل
رکھ دیا میرے سینہ میں پتھر بچائے دل
کب تک یہ روز روز کے صد اٹھائے دل
غالی کتے چمکے ہوں میں غلوت سر لے دل
دیدار تو ہے اور بھی حیرت فرمائے دل
آئینہ دیکھتے ہو کہیں آنہ جائے دل
قابو عطا ہو دل پر پس اب اے خدائے دل
وقف جو ہم یکس ہے حسرت سر لے دل
بس اک نگاہ لطف ہے لے جاں بہائے دل

مجلد مجلذت دیدر قضاائے دل
اب ہو چکی ہے مجرم سے زائد سزائے دل
ہر ادا بتوں کی ہے قابل ہرائے دل
جان بھی کوئی ہو گا نہ صبر آزمائے دل
اک سیل بے پناہ ہے ہر اقصائے دل

تم جن کو دیکھ لو وہ نہ پہلو میں پائے دل
مجدوب اب کسی سے نہ یارب لگائے دل
بس شوق دلربا کی ڈھٹائی تو دیکھتے
وہ بھر قرار لینے نہیں دیتا ہائے دل
ہر گل رنوں کے رنگ پہ ہرگز نہ جائے دل
مجدوب اب کسی سے جھلا کیوں لگائے دل
جو دل میں ہے بیان میں آنا محال ہے
پیدا کیا تھا تو نے بتوں کو جو لے خدا
لے درد آج قصہ ہی کر دے تم تو
دست سے میرے پردہ نشیں تیرے واسطے
سلے چشم شوق ہائے نہ دیکھ اس طرف دیکھ
اُف کس بلا کا حسن ہے اُف کیسا سنگا ہے
کب تک ہوں میں ہائے کشاکش میں مبتلا
جلال گاہ طرب ہے گذر گاہ زندگی
لی جنس بے بہا ہے مگر تیرے واسطے

مجدوب مست ہے تجھے نسبت ہی شہنشاہ
تو پیار سائے وضع ہے وہ پیار سائے دل

گردن جھکاتے دیکھ رہا ہوں بہارِ دل
میرا مارِ زلیست ہے یہی اضطرابِ دل
دل میرا غمگسار ہے میں غمگسارِ دل
در پر پڑا وہ لوٹ رہا ہے بہارِ دل
راحت کہاں تصور مریگاں ہے غبارِ دل
رہنا جنابِ شیخ ذرا ہوشیارِ دل
اک علم رہا ہے فاختہ خوانِ مزارِ دل
قیدِ فرنگ سے بھی ہے بڑھ کر حصارِ دل

سجھتے جہاں بھی آنکھ اٹھا رہے بارِ دل
مرنا ہے کیا مجھے جو میں چاہوں قرارِ دل
سمجھے بھی کوئی کس سے کہوں حالِ زارِ دل
مطلب کا ہوشیار ہے دیوانہ آپ کا
چلنے کوئیوں چلو چمنستان میں ہمدنو !
دردیدہ آپ پر بھی نگاہیں جوں کی ہیں
مرمر کے اس میں دفن تم میں سب ہیں
مکن نہیں کہ کوئی تمنا نکل سکے

مجنوبِ عذریہ مبتلا یک قلم غلط
آنکھیں تو بس میں ہیں نہ سہی اختیارِ دل

کچھ نہ پوچھو دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے
ان کی باتوں میں بن جانے کیوں آجاتا ہے
دل کو سمجھاتا ہوں میں اور مجھ کو سمجھاتا ہے
جب تڑپ اٹھتی ہے کل یاد آجاتا ہے
اب تو ہم عشق سے بھی سخت گھبراتا ہے

آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل
عشق میں دھوکے پڑھو کے روزِ کرب لکھاتا ہے دل
کٹ گئی اک عمر اس افہام اور فہیم میں
فصل گل میں سب تہ خنداں ہیں مگر گریاں ہلکی
ایک دن تھے محبت سے تھا لطفِ زندگی

کچھ نہ ہم کو علم رستہ کا نہ منزل کی خبر
جائے ہیں بس چہرِ ہم کو لئے جاتا ہے دل

خاندانِ اشرفی ہے یادگارِ دردِ دل
ذره ذرہ ہے یہاں کا اک جہانِ دردِ دل
دردِ دل سمجھے تھے جسکو تھا گمانِ دردِ دل
یہ مری آہ و فغاں ہے یا اذانِ دردِ دل
بے زبانی ہی بنی آخر زبانِ دردِ دل
دل ہے باقی نہ پیر نام و نشانِ دردِ دل
دل کی دل ہی میں ہے گی دستانِ دردِ دل

رات دن ہے اک چوم طالبِ دردِ دل
خاندانِ اشرفی ہے لا مکارتِ دردِ دل
یہ ہوا ثابت بوقتِ امتحانِ دردِ دل
ہر طرف سے آرہے ہیں طالبانِ دردِ دل
بن پڑا نہ کوئی عنوانِ دردِ دل
اضطرابِ دل جو ہوشیارِ شانِ دردِ دل
کوئی اہل دل نہ کوئی قدر دانِ دردِ دل

مجھے نہیں مقبول داں ہزارِ مغان درو دل
 درو دل ہے جانِ دلِ جانِ دلِ جانِ درو دل
 جس تو میں کس کی ہے یہ کاروانِ درو دل
 صورتِ اسیم ہیں میری آہ کی چنگاریاں
 اور مرا درو فعال ہے آسمانِ درو دل

(۲)

برنائیں گے غزلِ دل و مگر ہم
 اٹھے ہیں سنانے کے لئے دروِ مگر ہم
 دیکھتے ہی نہیں آہ میں اب کوئی اثر ہم
 ہلاکت ہیں مگر جذبہ کا رکھتے ہیں اثر ہم
 آتا ہے نظرِ حُسن ہی جاتے ہیں جدھر ہم
 خوشش ہے کہ راحت میں کریں غمِ مگر ہم
 ناخیز ہیں پھر بھی ہیں بڑی چیز مگر ہم
 دیکھنے کو تو رکھتے ہیں گو آبِ نظر ہم
 بخار گئے کھا کے تھے تیرِ نظر ہم
 کچھ اس کے سوا کہنے کے تباہ مگر ہم
 چلتے نہیں دنیا میں بلاؤں سے مگر ہم
 پھر ہو گئے لیے تھے وابستہ درو ہم
 جب ایک اسی ذات پہ رکھتے تھے نظر ہم
 چوڑے نہیں دینے کے نہیں اب تباہ مگر ہم
 مجذوب ہیں طے جذبہ کے گریں گے سفر ہم
 رہبر ہیں درکارِ محتاجِ خضر ہم

اک نون، ہی سا پر دو ہے ادھر ہیں ادھر ہم
 ہم بھی انہیں دیکھیں گے جو دیکھیں گے مگر ہم
 نظر جاتے ابھی کام لیں ہر گز مگر ہم
 دُعا کو آئیں گے یہ سننے میں خبر ہم

پھر شوق سے ہو ہو گئے مجبور مگر ہم
 کر لائے ہیں جس حال میں اک غم بھر ہم
 جی بھر کے نہ دیکھا کہ لگا دیں نہ نظر ہم
 منزل پہ پہنچ کر بھی ہیں مشغول سفر ہم
 آثارِ سحر دیکھتے ہیں قبلِ تحسّر ہم
 اے شوق جوئے جاتے ہیں گستاخِ نظر ہم
 اور یادِ شبِ وصل میں سزاِ حسد ہم
 اب بخور بھی آ جاتے تو ڈالیں نہ نظر ہم
 پاتے ہیں شبِ غم میں بھی آثارِ سحر ہم
 کچھ یاد بھی ہے تھے کبھی منظورِ نظر ہم
 رکھتے ہیں نہاں سنگے مانندِ شرر ہم
 چاہی تھی معافی تو ہوئے اور بھی ہر ہم
 کئے ہیں بہت دور سے یہ سُن کے خبر ہم
 ہم وہ ہیں کہ کتھتے نہیں اپنی بھی خبر ہم
 بن ٹکڑی کے نہ ٹکڑی کے لگا دینگے نظر ہم
 حسرت پہ پہی دیکھتے پھر ایک نظر ہم
 آنچل تو سنبھالو کہ لگا دیں گے نظر ہم
 جو بن نہ دکھاؤ کہ لگا دیں نہ نظر ہم
 قابو نہ ہمیں دل پہ نہ محنتِ نظر ہم
 لپکا تھا کبھی اب تو ہیں بیزارِ نظر ہم
 بیٹھے ہیں الگ بزم میں بادیۃِ رُحسّم
 اور عزمِ سفر رکھتے ہیں بے زادِ سفر ہم
 مر جاتینگے قدموں سے اٹھائینگے نہ ہر ہم
 زندوں میں مڑوں میں ادھر ہیں ادھر ہم
 جادل کتھے چھوڑا کہ جدھر وہ ہیں ادھر ہم
 مسدود ہیں سب راستے اب جائیں کہہ ہم

سو بار کیا عہد کہ نہ جاتینگے ادھر ہم
 دم بھر تو بھلا کوئی ہیں جی کے دکھاوے
 خود کو بھی تے عشق میں غم غیر ہی سمجھے
 اب شغل ہے دن رات طوافِ کوئےِ جاناں
 اب صبح ہوئی اب اٹھے اب سداے
 اتنا نہ بڑھا خود کو رہ جد ادب میں
 کیا وقت ہے کیا لطف ہے مسر ہے دنیا
 در پردہ کوئی پردہ نشیں دیکھ لیا ہے
 ہر دم جو قصور میں ہے ان کا رخ روشن
 اب آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ہم کو
 بے جس ہیں مگر ٹھیس لگا کر کوئی دیکھے
 اب غم ہی بتاؤ نہیں کس طرح مٹائیں
 محروم در فیض سے کوئی نہیں جانا
 بیگانہ اجاب جو ہم ہیں تو رگہ کس
 ہم بھی ہیں سیراہ کھڑے آج حسینو
 سو بار تو دیکھا انھیں سیری نہیں ہوتی
 نشہ میں جوانی کے تمھیں پوش بھی کچھ ہے
 دیکھو نہ چلو ناز سے سینہ کو اُچارے
 دغاے تھا ہمیں ضبط کا اب ہو گئے یہ کہے
 آنکھوں کی بدولت ہے مصیبت میں دل اپنا
 اغیار سے ہنس نہیں کتھے ہیں کس لطف کی باتیں
 ساکب میں رفیقوں میں تو تیریاں کیا کیا
 مجرّب ہیں جب تک کہ نہ لے دو گے معافی
 دنیا کے نہ عبتی کے یہاں کے نہ وہاں کے
 جو اُن کی خوشی ہے وہی اپنی بھی خوشی ہے
 ہر خیر میں ہو جاتا ہے یہ نقشِ مزاج ہم

میں اور وہ ہو جائیں جدا اسب نہیں ممکن
 سر سے مجھ بہتر جو ہے تم اس سے بھی بہتر
 ہیں نگہت و گل، بہر ضیا شیر و شکر ہم
 بدتر سے بھی بدتر جو ہے اس سے بھی تر ہم
 اس ناز سے اس شان سے اس تیز روی سے
 گذر دگے تو دنیا ہی سے چھیننے گذر ہم
 ساک ہمیں رکھنا نہیں منظور انہیں کہ
 پھر ہو گئے مجز و بے لاتے ہی نظر ہم

(ان)

نہی سوچ لے فخرِ عالی و صفتِ قامت کیا کریں
 بھرتے دم اُف کر کے افشارِ اُلفت کیا کریں
 بہرِ بخت ہی بد ہو تو لے شوقِ شہادت کیا کریں
 ہمد موں سے ہاتے انکارِ محبت کیا کریں
 شرح میں لے بکھی اشکوں سے قبل از مرگ ہی
 پیش کرنا ہے لغو تیری ضرورت جوں مر لب
 جذبِ ل سے ہم نہیں چٹم حیاں کھینچ لائے
 زخم دیں کیا شمس لے کانِ ملاحت و اوشن
 ششِ چہیت میں عاشقی کے ایک ناہو تو روئیں
 صنعتِ روز افزوں ہے دعوئے محبت تیرا ہاتھ
 وہی جگہ آغوش میں جب کراہش ہوئے
 فتنہ محشر سے نالوں نے جگا کر لی مدد
 و ہم و اربع محبت ہے الا مال دل
 تنگ ہیں ہم صفتِ جاں ہر چند کین یوں شر

سر زمینِ شعر میں برپا قیامت کیا کریں
 عمر بھر کی جانفشانی دم میں غارت کیا کریں
 رکھ دیا پیروں پہ سہ آب اور صفت کیا کریں
 انگ کہہ جاتے ہیں اکروں کی حالت کیا کریں
 خود کئے لینے ہیں اپنی عقلِ میت کیا کریں
 تشنہ دید اس حالِ غیرِ حسرت کیا کریں
 اب بھی گونجے کوئے سبھ تیری صمت کیا کریں
 محو ہیں لطیفِ نمک میں شرحِ لذت کیا کریں
 رنج و غم، اہم، افسوسِ حیرت کیا کریں
 غارِ جب بکھنچے لیں اس گل سے نسبت کیا کریں
 شکر تیرا ہم ادا لے کج تربت کیا کریں
 پھر بھی بخت اپنا نہ چومکا لے قسمت کیا کریں
 درو سہ کجوں مول لیں غم کسبِ دولت کیا کریں
 چوٹِ دل پر کھلے ضبطِ رازِ اُلفت کیا کریں

ملے نہیں کھڑا شاد کے مضمون سے اقتباس بحوالہ سرگزشت ڈیجٹل فروری ۱۹۸۷ء
 ہرگز ہندوبھ کا کاروائے جو نہ کہ بچل گاڑی نے ہارن دینا شروع کر دیے۔ تیسرا بارن پرستہ دیا بتاؤں
 ہرگز ہندوبھ کا کاروائے جو نہ کہ بچل گاڑی نے ہارن دینا شروع کر دیے۔ تیسرا بارن پرستہ دیا بتاؤں

دیکھ کر خود بن گئے تصویر حیرت کیا کریں
 محو پشانی سے وہ تحریر محنت کیا کریں
 آہنی دیوار سے پاس نزاکت کیا کریں
 بارغ ناقص کو علم اس کامل سے نسبت کیا کریں
 ہے امانت یا رکی اس میں خیانت کیا کریں
 دیتا ہے ترغیب اسی کی ابر رحمت کیا کریں
 بے وضو آنکھیں بھی قرآن کی تلاوت کیا کریں
 نقد جاں حاضر ہے لیجئے اور خدمت کیا کریں
 ملا کر دل ہے اسیر دم الفت کیا کریں
 ہندوان تیرہ دل قرآن تلاوت کیا کریں
 گوردیف اک سترہ تھی فی الحقیقت کیا کریں
 کیسے جاو کیں انھیں الفاظ محنت کیا کریں
 اور مجھ بیہوش کی ہمد م عبادت کیا کریں
 شوق مایوسی میں ان کے اور حسرت کیا کریں

قدراں جتنے حسن اس فن کے تھے سب چل بے

شعر گوئی میں اب علم بیکار محنت کیا کریں

مانی و بہنرا اٹھا کر غامہ ششدر رو گئے
 لوح ہستی سے منادیں اشک گوشتش وجود
 دل میں رہ جاتے ہیں نالے اٹھتے ہیں گولاکھ بار
 خوش گلی کو چشم زگیں سوز بے حس قد سوز
 دل کے داعیوں کو مٹانے کی کریں کیا فکر علم
 نے کشی اپنی سب کب بے مرضی رب و اعظا
 کرتی ہیں رُخ کا تصور جب بہا چکتی ہیں اشک
 علم الفت پڑھ چکے اے حضرت استا و عشق
 بارغ عالم سے ہوا بت تعلق منقطع
 روکش زخار تاباں ہوں کیوں مڑگان یار
 اس زمیں پر خوب سب طرح نے جوہر دکھائے
 آہ بھی چل دی لگا کر دل پہ قنصل آبلہ
 زنج پہ چھینٹے اشک کے دیتے ہیں بالین کھڑے
 پوست کی جوتی بنے اور استخوان ہو خاک رہ

ہو دو سوا راستہ چاہتا ہوں
 دل غیر آشنایا چاہتا ہوں
 میں اب زندگی بے ریا چاہتا ہوں
 رضا چاہتا ہوں رضا چاہتا ہوں
 مجھے دیکھتے کر کس کی چاہتا ہوں
 میں جینے کا اب کچھ مزا چاہتا ہوں
 یہی اب تو بس اے خدا چاہتا ہوں
 میں پہلے سے بہت سنا چاہتا ہوں
 میں بے دست پاپا، دست دیا چاہتا ہوں

بس اب ایک ہی آشنا چاہتا ہوں
 میں اب ترک ہر ماسوا چاہتا ہوں
 حسد بوں میں جا کر رہا چاہتا ہوں
 ترے عشق میں اور کیا چاہتا ہوں
 میں اس بے وفا سے وفا چاہتا ہوں
 بس اب بادہ نوشوں میں جا کر رہوں گا
 رضا تیری حاصل ہو کون و مکاں میں
 بگڑنے کو تم میرے کیا دیکھتے ہو
 ادھر سے ہو شوق اور ادھر سے کشش ہو

حولی نہ اب جھونسپڑا چاہتا ہوں
 خبر یہ نہیں ان سے کیا چاہتا ہوں
 اب ایسا کوئی دلربا چاہتا ہوں
 کبھی کوئی بے انتہا چاہتا ہوں
 بہر حال تیری رضا چاہتا ہوں
 میں کہتا ہوں کیا اور کیا چاہتا ہوں
 مدد تم سے پیر ہدی چاہتا ہوں
 بس اب بیٹھ کر جھومنا چاہتا ہوں
 گرا چاہتا ہوں گرا چاہتا ہوں
 بس اب کوئی ایسی رضا چاہتا ہوں
 کوئی مطرب خوشنوا چاہتا ہوں
 نہ جانے کسے ڈھولنا چاہتا ہوں
 خطا کر کے ان سے عطا چاہتا ہوں
 میں گریہ بھی غمنا چاہتا ہوں
 جنوں اس سے بھی کچھ سوا چاہتا ہوں
 میں اب شاعری چھوڑنا چاہتا ہوں
 میں صد پارہ گلگون قبا چاہتا ہوں
 سب افکار کا خاتمہ چاہتا ہوں

یہوں میں مجذوب بن جاؤں ساک
 یہ تو فیق اب لے لے خدا چاہتا ہوں

جہاں بیٹھ جاؤں وہی میرا گھر ہے
 فلا تو ہوں کس شوق سے عرض کرتے
 دیکھتے جو دل میرا ہر ماسوا سے
 نہیں وصل کی بھی محسوس کرے دل میں
 خوشی وصل کی ہے نہ فرقت کا غم ہے
 بکتاب ہے اُن کچھ کچھ میسر منہ سے
 وہ حلق میں پھر قسم لڑ کھڑ لیتے
 پھروں تا بہ کے جوشِ مستی میں قصاں
 سنبھالو سنبھالو سنبھالو سنبھالو
 جہاں سانس لینے میں ہو آہ پیدا
 برا ساڑہ ہستی سے لہریز لہر ہے
 میں ہر صمت چھرتا ہوں کھویا ہوا سا
 گرم کے بھرے میں کتنا جری ہوں
 کھلے پھول پر لطف دیتی ہے شبنم
 الٹی میں مجذوب جازب نہیں ہوں
 حقیقت سے دل آشنا ہو گیا ہے
 کدوں کا فیسری بہ رنگِ امیری
 کسی کا میں اب ہو کے محو تصور

بڑا ناسزا ہوں سزا چاہتا ہوں
 خدا کا ہی چاہا ہوا چاہتا ہوں
 بڑا ناسزا ہوں سزا چاہتا ہوں
 سرخسہ دل مبتلا چاہتا ہوں
 مقامِ فنا الفنا چاہتا ہوں

افکار کے اس کا صلہ چاہتا ہوں
 میں اپنے ارادے سے کیا چاہتا ہوں
 محبت کا اپنی صلہ چاہتا ہوں
 منزل کو برا لے کر چاہتا ہوں
 میں نے کبھی میںنا چاہتا ہوں

تسے ہم کی دل پہ منہ ہیں لگا کر
رہا عمر بھر چپ میں یوں اُن کے آگے
سنائے بھی کوئی تو پائے دُعا میں
مرد و ست ہوں مجھ کو مطرب نہ چھڑے
سراپائے سوز یہ سازِ ہستی
جو کر لے مجھے گم کسی کی طلب میں
میں ایسا کوئی نہ سنا چاہت ہوں

مجلتا ہوں پھر بھی وہ یاد آپے ہیں
تیسے وصل کی تاب کیا لاسکوں گا
رہوں ذکر و طاعت میں ہر دم الہی
نہ دم بھر رہوں یاد سے تیری عاف
میں کب تک پھروں دردِ مارا مارا
جیوں گا کسی کا میں ہو کر فدائی
بوقتِ خوشی ہو غم کا قصور
نہ اپنا بھی جس میں گذر ہو الہی
نکلے ہیں نالے تو مست سے بھی موزوں
عہدِ شاعری چھوڑنا چاہت ہوں

بڑے گا تو پھر آگ کی طرح خود ہی
گنہ منیکہ چھوڑے کہیں چھوٹتے ہیں
بس اصلاحِ نفس اپنی تنہک کر الہی
یہ اف کون مستانہ وار آ رہا ہے
اداسے جو پوچھا تو سب مجھ کو بیٹھا
تصدق، تعیش، تنعم، تحب و تمیل
اے رکھ ہنسی کو ہنسی کی ہی حد میں
بھلا ہو، بُرا ہو، اُدھر ہو، اُدھر ہو

فقط عشق کی ابتداء چاہت ہوں
احانت تری لے خدا چاہت ہوں
تجھی پر میں اب چھوڑنا چاہت ہوں
گرا چاہت ہوں گرا چاہت ہوں
کھڑا سوچتا ہوں کہ کیا چاہت ہوں
بس اب اک غم دل رہا چاہت ہوں
ہذاکِ تنعم ہوا چاہت ہوں
غرض جو بھی ہو فیصلہ چاہتا ہوں

میں مجذوب کب تک ہوں میرے مولیٰ
بس اب پوش اپنے بچا چاہتا ہوں

بیاد مختصر شیخ تھانوی

یاں ادنیٰ سافض بیعت پیر مٹاں کردوں
کوہِ ظلم اور میں ترکِ منسریاد و فغاں کردوں
خودی کو فنا کردوں مٹاؤں بے نشان کردوں
جو میں بخش جز میں خاک اڑا کر اک فناں کردوں
میں اپنے رنگ میں زاہد اگر ذکرِ بیت ال کردوں
اپنی ترخہ ریز یوں سے وہ سماں کردوں
دگر اولو اب میں مختصر ہی داستان کردوں
ملاقات ہی کے میں لائق نہ عقیقی ہی کے میں قابل
قد شایاد رہنا شیخ جی میں نہیں وہ ستانہ

میں گو مجذوب ہوں لیکن بغضِ محرم نہ کامل
نظر میں راہزن کو بٹھاتے سالکال کردوں

کوئی مزہ مرا نہیں کوئی خوشی، خوشی نہیں
حال میں اپنے مست ہوں غیر کا ہوش ہی نہیں
میرے سبھی ہنر سی تاب تو ضبط کی نہیں
اس دل زار سے مفر عشق میں جینے ہی نہیں
دل کی لگی ہے ماستویہ کوئی دل لگی نہیں
کے ہمد دل بیاں افسانے نفسِ فناں
کھائی تو بڑا ہی بھمی ہے راجد آگہی
ہے امیدِ بیم میں کشمکشِ عظیم میں

ترے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں
رہتا ہوں میں جہاں میں لٹ جیسے سیل گئی نہیں
شرط و قادواں ہی آؤ یہاں یہی نہیں
رونا ہے مجھ کو عمر بھر غم مرا عارضی نہیں
ہنس نہ سکو گے گو ہنس و عشق ہے یہ ہنسی نہیں
کچھ ہو کسی کی داستان میری سی دکھ بھری نہیں
سب سے جو خود کو منتہی وہ ابھی بستہ ہی نہیں
میٹھے ہوئے حریم میں ہاں ہے کبھی، کبھی نہیں

رنگ دہی ہے بزم کا ہاں! وہ تہا ہی نہیں
 حوصلہ وہ مگر دیتے بس کدہ گلہ کوئی نہیں
 بزم میں سب سبھی مگر وہ جو نہیں کوئی نہیں
 کیوں ہر کسی کو مفت دوسری مفت کی نہیں
 سسے ہے تابا چین یہ مری شاعری نہیں
 فرق ضرور ہے مگر حد کوئی قرب کی نہیں
 بندگی اور بقید سرتنگ ہے بندگی نہیں
 باتیں ہزار کیں مگر دل میں جو حق کبھی نہیں
 کلیاں تو گو ہیں چادر کوئی کلی کھلی نہیں

رہتا ہوں بے لب و لہجہ و شب آنکھیں
 جان سخن ہے لے سخن یہ میری خاموشی نہیں

آنکھوں سے تم نے پی نہیں آنکھوں کے تم نے پی نہیں
 عشق سے یہ دل لگی نہیں پڑنا ہے یہ حسی نہیں
 کہتے ہیں وہ ابھی نہیں سنا ہوں میں کبھی نہیں
 شہ کی یہاں شہ نہیں خواجہ کی خواجگی نہیں
 حسی کے جو کہا کیا میری کبھی سنی نہیں
 اتنی ہے تیرے یہاں مستیوں اور پی ہی نہیں
 دل میں ہو جوان کا گھر یہ کوئی چھیند ہی نہیں
 آئے ہیں کبھی نہیں چاند ہے چاندنی نہیں
 قورہ مگر بہار کی، آہ کبھی بھی نہیں
 سچ ہے کبھی مرا گمان تم نے حد تو دی نہیں
 لاکھ بجائے ہو تم بزم ابھی سچ نہیں
 کبھی تو دور رہا ہوں میں دل کی لگی کبھی نہیں
 جان کہاں ہے تم کہاں ہو تھے زندگی نہیں
 لینی ابھی ہے آہ میں دل میں ابھی بس نہیں

پہلے تھا گریہ و بکا اب ہے تحیر و حجب
 مجھ کو جو دل جگر دیتے در سے دونوں بھر دیتے
 بیٹھا ہوں ٹھکانے سرخچی کئے ہوئے نقطہ
 نے یہ ملی نہیں ہے یوں قلب جگر ہوئے میں خون
 سخن کا خوشنما چین، عشق کا دنگت چین
 پاتا ہوں اُن کو شکست کربان سے بھی قریب تر
 مال و زر و دل و جگر کر کے بھی کو وقفہ در
 ہوشش جانے تھا کدھر سوچا تو اب ہوئی خبر
 لے مرے باغ آرزو کیا ہے باغ پائے تو

تے کٹوا یہ تو نے کٹی رندی ہے مے کٹی نہیں
 ٹھہرے گا دل تمہیں گے اشک آہ مگر ابھی نہیں
 کچھ بھی ہو عشق میں وفا اتنی بھی پڑی نہیں
 چوڑے لڑے کا عشق میں دیکھا تو فرق بنی نہیں
 جو بھی کیا بجا کیا کہنے تو دو کہ کیا کیا
 پیئے میں آگیا کہاں لپٹی ہیں اڑ کے مستیاں
 دیکھ جو خود کو عرش پر اس سے بھی قطع کر نقطہ
 ہجر کی شب عجب، شب حال یہ کیا ہے العجب
 تو بہ تو بار بار کی بات تھی خستیاں کی
 سختیے کشش میں جان مل بھی ہے مضطرب آن
 شہ شہ جہ ہے نہ غم صہل تو روئیں حسین غم
 کیا میں کہوں کہ کیا ہوں میں تھلاک آگیا ہوں میں
 پیار کے وہ تم کہاں، جو رنہ اکرم کہاں
 ان کی محبت آہ میں شوق بھری نگاہ میں

حسن کی بارگاہ ہے پہل کوئی بناء ہے
دل میں اگر حضور ہو، ستر تیرا ہم حضور ہو
دل میں لگا کے اُن کی لڑکھٹے جہاں ہیں نشتر
نہ دھڑکی اُسکے انجمن تیرا وقار ہے حسن
باعث لڑائی تو ہیں بن اور دل کو فکر ہی نہیں

بھیس میں روزِ قیامت ہے شبِ تار نہیں
چشمِ زکس سی نہیں پھول سے رخسار نہیں
جس میں سبز نہ ہو پُر لطف وہ گلزار نہیں
ورنہ سن لینا کوئی دم میں کہ بیمار نہیں
وہ اگر تختہ مشقِ ستیم یار نہیں
اب رہا جامہ ہستی میں کوئی تار نہیں
مانگئے جان بھی گر آپ تو انکار نہیں
شکل دکھانے کے قابل یہ سیہ کار نہیں
حسرتِ جرم کو سینے کے جو گنہگار نہیں
جُبش لب یہ تھاری دم گنتا نہیں

دُرِ مضمون کی جھڑی رہتی ہے کیوں پھر یہ سن
گر مری طبع رواں ابرِ خسار نہیں

کوئی مسدود نہیں شجر میں غسوار نہیں
جاؤں کیوں باغ میں تو گلزار نہیں
خط نہ کیوں عارضِ رنگت ہے ہواں گلزار کے
دیکھ جاؤ حسنِ ملکِ عدم ہے درپیش
دارِ انجم ہیں یہ کیا ادب ہے یہ گردشِ کلیں
کچھ تو لے دستِ جنوں چھوڑ کر جزا نفس
دل کوئی شے ہے بھلا اسکی حقیقت کیا ہے
قبر ہی میں مجھے لے حشر پڑا ہے نہ
تیری رحمت کی جو آغوش میں جُرم ہو گئے
کرتا ہے موج زنی بحرِ فصاحت گویا

نکیرِ معاش مجھ کو کیا کھانے کو میرے کیا نہیں
صاحبِ نظر کے سامنے لائے ابھی پڑا نہیں
تیری نظر کا تیر بھی جس پہ پڑا کب نہیں
ہوشِ رہا کے سامنے لائے ابھی پڑا نہیں
آپ کی بارگاہ میں فضلِ خدا سے کیا نہیں
خافلِ اوصافِ ہوا نہیں اس کے اُدھر دُسا نہیں
میری نظر میں خاک بھی جاں جہاں نہا نہیں
اس کو چلا ہوں ڈھونڈنے جس کا نہیں تیر نہیں
بیٹھے تو ابتداء نہیں بڑھتے تو انتہا نہیں
تیر ہو خاکِ زندگی اتنا بھی آسدا نہیں
تجھ میں نہیں کوئی کسریاں مگر اک خدا نہیں
سج ہے کسی پہ بلے سے بیٹھے کا کچھ مزا نہیں
پھول ہیں سب کاغذی بُنئے وفادار نہیں

طعن نہ اقرار نہیں یا غم دلہا نہیں
کہنے کا تیرے ہمتیں مانتا میں بُرا نہیں
کب وہیں گرا نہیں جس کو ذرا نکا نہیں
سننے کا تیرے ناصحا مانتا میں بُرا نہیں
لاپا ہوں میں عرضِ بڑی منہ مراگو بُرا نہیں
نفس کا مارِ سخت جاں دیکھ ابھی مرا نہیں
دل ہو وہ جس میں کچھ نہ ہو بلوہِ یار کے سوا
لے لے مرے خضرِ ختم اب بھوتی ہے کبھی طلب
کشتیِ دل یہ ناگہاں آگئی ناخدا کہاں
پردہ نشیں کی حشرِ نکم دیکھ سکے نہ اک جھک
جن ملک ہوں یا بشر سے تو ہی پیوئے
عشق سے ہے جو بے خبرِ مژدوں سے بھی پہنچے ہر
دیکھ نہ قلبِ مبتلا رنگتِ گلزاروں کے جا

اس کو سجدہ تو اڑ دیا دھوکہ ہے یہ بھلا نہیں
تجھ میں بھی کون سی ادا لے مرے باغد نہیں
گل کی یہی بہار ہے غار سے گل بد نہیں
اس کی نظر میں پھر کہیں کوئی حسین چاہ نہیں

لے مرے ترکنا نہیں تجھ پہ ہزار آفس میں

بجھ گئی صفت کی صفت میں ہاتھ جہاں اٹھا نہیں

زندوں نے تاہی لیا نشہ مے چٹا نہیں
آنکھیں ہی تیری ہیں غضب کی مے خطا نہیں
نظر غلام کے خرفت نہیں مے نہیں
گھر میں غراش ہے نہاں تجھ کو مگر یہ نہیں
دیکھ سنبھل کے رکھ دم جو کا کہ بس گرا نہیں
جاؤں کہ حرم میں لے خدا در کوئی دوسرا نہیں
دلبرو دلواز ہیں جس نے کرم و وفا نہیں
کوئی نہیں مجھے خطر میری اگر قف نہیں
میں تو ہوں زندہ میکہ راہد پارا نہیں
چھوڑو بھی ناہمواری کوش مے بجا نہیں
اب میں تھریے کام کا ہم نفسو رہا نہیں
عرش بریں سے گواہر ناک مرا رکا نہیں
رونے سے دل مرا مگر ہائے ابھی بھرا نہیں
اور ذرا بڑھا نہیں حشر بپا ہوا نہیں
جس کا کہیں کوئی بل کہتا ہوں بر ملا نہیں

جذبہ اپنا زور پر نام میں بھی ہے کیا اثر

فکر ہزار کی مگر قطع میں لا سکا نہیں

چھوڑ خیال خوش قدان کیہ جان تکرگساں
نکلے بان کا میں سدا مفت بنا ہوا گدا
کس لئے تجھ سے مار ہے پہلوئے گل میں غار ہے
جس لئے چشم نکتہ چیں دیکھ لیا وہ مہ جہیں

بغیہ بہت نہ پارسا آنکھیں تو دیکھتے ذرا
ہو نہ خفا تو بے سبب ضبط نہ ہو تو کیا عجب
تقویٰ کا ہو لباس پس اور نہیں کوئی ہوس
دوسوڈ کوئی راز داس کا جیسے تجھے نشان
سوچ سمجھ کے چل دلا سہل نہیں ہے راہ عشق
تجھ کو نکال بھی دیا پھر بھی ہوں میں نہیں پڑا
تھی جو کمی نیاز میں روتہ گیسے ناز نہیں
ریخ عدوت سے ہوں نڈر ہاتھ میں گو نہیں ہر
ہے یہ اپنی کا حوصلہ دعویٰ زہد و انقب
نئے کھ کا میں نہیں کہی ہے یہ عبت کشاکشی
چکا لگا ہے جام کا شغل ہے صبح و شام کا
تجھ کو ہوتی نہ کچھ خبر نکلا کہاں گیا کہ ہمد
ہو گئی خشک چشم تر بہہ گیا ہو کے خوں جگر
ماب کلمہ آتشیں اب نہیں لے دل حسیں
مشکر خدائے عز و جل بھی ہے میں وہ غزل

محبت لے کے آیا ہوں محبت لے کے آیا ہوں
 تمہیں دینے کو یہ دردِ محبت لے کے آیا ہوں
 جو سمجھیں آپ نے دولتِ یہ دولت لے کے آیا ہوں
 نہیں کوئی بدل جس کا وہ نعمت لے کے آیا ہوں
 میں حیرت لے کے آیا ہوں میں حیرت لے کے آیا ہوں
 ازل سے میں یہ ستارہ طبعیت لے کے آیا ہوں
 کبھی کدھر سے لوٹے ہیں جو سب دامنِ حیرت لے کے آیا ہوں

نہ شوکت لے کے آیا ہوں عظمت لے کے آیا ہوں
 ازل سے میں تمہاری اک امانت لے کے آیا ہوں
 میرے پاس اور کیا ہے لبرجِ نالے ہیں آئیں ہیں
 اس امانت میں خیرِ نعمتیں ہیں گلِ دو عالم کی
 کوئی کچھ لے کے آیا ہے کوئی کچھ لے کے آیا ہے
 نہیں بخونِ روانہ میں ہوں مجذوبِ سرستانہ
 کبھی کدھر سے لوٹے ہیں جو سب دامنِ حیرت لے کے آیا ہوں

حقیقت اس کو تو کدھر سے میں صورت لے کے آیا ہوں
 بظاہر دیکھنے میں اک مصیبت لے کے آیا ہوں
 سنبھل بیٹھو میں سچا اپنے قیامت لے کے آیا ہوں
 میں ایسے تیرے ہشت کی عقیدت لے کے آیا ہوں
 بسدِ آنکھائیں اس نخی میں نیت لے کے آیا ہوں
 میں نفرت لے کے آیا ہوں کج رغبت لے کے آیا ہوں

تجھے محبوب کی یارِ شبِ باہشت لے کے آیا ہوں
 ازل سے میں جو یہ دردِ محبت لے کے آیا ہوں
 بلا ہے قہرِ آفت ہے یہ پہلو میں دلِ میرا
 جو شرف تھا زلف سے جو شرفِ زمانہ میں
 کسی کو کیا خبر سب چھپانے کے لئے دل
 کجوں میں کیلئے جانِ جہاں دنیا میں دنیا سے

عجب عزت آیا ہوں میں اس بارِ عالم میں
 کہ آنکھوں میں تو شوق اور دل میں حیرت لے کے آیا ہوں

آتے ہی مبدل ہوئیں آہوں سے ہوئیں
 ہر سو سے جی آتی ہیں گھر گھر کے گشتائیں
 کیا سنا پُفطرت کی ہیں ستارہ ادا ہیں
 اب حضرتِ مجذوب نے انکس میں آئیں
 ممنون سزا ہوں مری ناکردہ سزا ہیں
 بی رنگ ہیں سو رنگ کی لیکن ہیں قبا ہیں
 جو دل میں ہے کہہ جائیں سب لب لبلا ہیں

پہنچا ہوں جہاں! میں نے بدل ہی ہیں فضائیں
 نگہی ہیں لپٹنے سے آہیں کہہ جو ہیں
 یہ ابر، یہ منظر، یہ جوائیں، یہ فضا ہیں
 وہ منظر اس کے ہیں کہ آنکھیں تو ملا ہیں
 آخر متوجہ تو ہوئیں ان کی جنسائیں
 آئیں وہ تو کیونکر مری پہچان میں آئیں
 محل میں ذرا ہم سے وہ آنکھیں تو ملا ہیں

مجذوبِ عجیب کی ہیں ستارہ ادا ہیں
 ہر حال میں ہے کیفِ زلالتیں کہ ہنسائیں

ممکن ہے نہ آئیں اجی آئیں وہ پھر آئیں
لے لیتی ہیں ہر گیسو دل کی بٹائیں
آئی ہیں یہ لینے ترے بالوں کی بٹائیں
غیروں سے وہ لے باکیاں تم سے یہ جیائیں
اُڑتے ہیں جہاں ہوش وہ ہیں اور فضا میں
چھپتا ہے کہیں سوز دروں لاکھ چھپائیں

مجنون کے ہمنے پہ نہ جانا لے حضرت
روئے پہ بھی آجائیں تو دریا ہی بہائیں

نہ اب لاکھ وہ کہہ کہہ کے یہ جائیں
وہیں دیکھتے کیا کیا نہ دکھائیں
ہیں فلک پہ یہ جو گھٹنگور گھٹائیں
نہ تو گل ہو کہیں غنچہ کہیں ہو
نہ فضا میں ہیں یہ مرغان ہوا کی
نہ کہیں آگ سے بھر جاتے ہیں سینے

ساک ابل رہے ہیں مجنوب اچھل رہے ہیں
کوہ گراں بھی اپنی جگہوں سے ابل رہے ہیں
ادنیٰ خطا پس کسی عاشق نکل رہے ہیں
بس بھر تو اپنی ساقی تم نکل رہے ہیں
ہر چشم خشک سے بھی دریا ابل رہے ہیں
اتوں سے اپنے بیٹھے نکھاسا اچھل رہے ہیں
اب تم جو پھر گئے سب انھیں بدل رہے ہیں
اک جب تھے تم کہ راتوں وہ تم نکل رہے ہیں
گردن جھکی ہوئی ہے آنسو نکل رہے ہیں
یکوں کر دکھائیں دل پر خنجر جو چل رہے ہیں
آتی ہے بند کس کو کوڑا بدل رہے ہیں
معلوم ہے رسانی پہلنے کو چل رہے ہیں
ہجو قبر میں ہی کوڑا بدل رہے ہیں
وہ سے تو نہی تمہارے برسوں نکل رہے ہیں
کہنے کو کہہ گئے اب پہلو بدل رہے ہیں
نکلیں گے ان کے ہاتھوں باقی جو بدل رہے ہیں
فرادو قیس وقف دشت و جبل رہے ہیں

مغل میں تیری سب کے ارمان نکل رہے ہیں
دیکھ اہل ضبط مطرب پہلو بدل رہے ہیں
میں گل میں لے دل پہلنے کو چل رہے ہیں
نہ تیر ہی تو ایسی تو اس کو ہم کریں کیا
کوئی ہے کہ میری طوفانِ نوح برپا
سکشن کے میرے نالہ وہ اور سوز دل پر
چپ تک تم تمہارے سارا جہاں تھا اپنا
الکھاب میں تم کہ ان کو صورت بھی ہے نصرت
فالوں پر تم میرے ہستے تھے اب کیا ہے
ہے جس نہ ہائے سمجھو لے اہل وجد مجھ کو
بستر پر تم کے تم کو سمجھے نہ کوئی سوتا
پلے دست و پا میں پھر بھی رکھتے ہیں قصہ نکل
مرکز بھی خوابِ راحت حاصل ہو ایک ان کو
اس سے تو صاف کردو انکار ہی تو اچھا
قرار و صل کر کے آیا ہے ہوش ان کو
دل کی کجی کو کچھ تو عزت جوتی تنکبہ
سبے عرش لامکاں تک دل کی مرے رسانی

بزم جہاں سے وحشت ہونے لگی ہمیں بھی
 کیوں نہ دیا کسی کو دل کی تسکین جانی
 وہ خاک ہو چکا ہے کب کا ادھر تو دیکھو
 عشاق تو وہ ہوئے ہیں پروانہ وار سوزاں
 تم دیکھنا یہ چُپ بھی لاتی ہے رنگ کی کیا
 لئے بارغس تیرا باقی وہی ہے دم حشم
 مہذوب بنے جو بڑ میں دو لفظ بھی نکالے
 بزموں وہ ساکوں میں ضرب الثل ہے ہیں

خدا کا شکر ہے بے شک بڑی تقدیر رکھتے ہیں
 جو ہے ہر طرح پر کامل ہم ایسا پیر رکھتے ہیں
 تصویر کے منے فضل خدا سے ہم کو حاصل ہیں
 کہ آنکھوں میں کبھی دل میں تری تصویر رکھتے ہیں
 میں صدقہ اس غلش کے اور میں اس درد کے قریاں
 جگر میں دل میں جو تیری نظر کے تیر رکھتے ہیں
 فلک گردش میں رہتا ہے زمیں چکر میں رہتی ہے
 اتراتا تو میسر نالہ شب گید رکھتے ہیں
 تمہیں پاس کے تمہارے چاہنے والے نہ کیوں خوش ہوں
 جو آئے کام دو عالم میں وہ جاگید رکھتے ہیں
 ہمیں پھر دین و دُنیٰ کی مسرت کیوں نہ حال ہو
 عنایت کی نظر ہم پر ہمارے پیر رکھتے ہیں
 کھنچا آتے اُف اُن کی طرف کو آبِ نواک عالم
 قیامت کی کشش وہ جذب عالم گیر رکھتے ہیں
 تصور کے مزے کیا پوچھتے ہو آپ اب ہم سے
 کلبہ سے لگا کر آپ کی تصویر رکھتے ہیں

ایسا آفران کا جو ہے سارے زمانے پر
تو بڑے ہیں جو بڑی تاثیر رکھتے ہیں

محبت جس نے کی تم سے خدا کو پالیا اس نے
تم سے اپنے والے بڑی تقدیر رکھتے ہیں

بہار تو ہے مگر حاصل بہار نہیں
گناہگار ہوں بے شک قصور دار نہیں
دو حسن تو ہیں پر مردہ شریک کار نہیں
دل نگار نہیں چشم اشکبار نہیں
سب اختیار ہے اور پھر کچھ اختیار نہیں
جس تو گھر نہیں مر جائیں تو مزار نہیں
فریب خوردہ رنگینی بہار نہیں
یہ جن عکس نظر ہے جمال یار نہیں
نہیں نہیں اسے او میرے بیقرار نہیں
کیسے مسئلہ جبر و اختیار نہیں
یہ دن جو جبر کے ہیں بیست میں شمار نہیں
یہ محو دید ہیں یہ محو انتظار نہیں
کہ اور آب ہوا مجھ کو سازگار نہیں
میں دل میں ذکار نہیں تم شاعر نہیں
میں حسب شوق مگر پھر بھی بادہ خوار نہیں
خزاں بھی مری نظر میں کم از بہار نہیں
وہ لے بیٹھے ہیں جیسے یں بیقرار نہیں
یہ جسم زار مرآت بل مزار نہیں

جو اہل عقل ہیں کیا تجھ کو پائیں گے جذبہ

وہ راز دار ہیں لیکن وہ راز دار نہیں

اب کس کو میں کیا کروں دل کو اعتبار نہیں
خدا کا شکر ہے میرا کسی پر باز نہیں

جھٹلے برق بے ساقی بے سہارا نہیں
یہ عشق دل سے ہے اور دل پہ اختیار نہیں
تیرے پس کی تو گلکاریاں بہار نہیں
بھی کی دی ہوئی کیا چیز یادگار نہیں
شبصال ہے لیکن اوستہ مانع وصل
جہار مینا ہی کیا اور بہار امرنا ہی کیا
نہے نصیب میری نظر پر فیض جنوں
یہ اپنی حد نگاہ ہے کسی کی دید کہاں
بھی کا ہاتھ دم خود کشی پہ آکھنا
بھاپ عشق کے سارے روتی الٹ ڈالے
ابھی تو گھوٹا نہیں دنیا ہی میں نہیں آیا
تقدیر اب مری آنکھوں کو لے آؤ کہیں اور
کہیں ہے آپ ہوا اشک کے کی بھی خبر
خندانہ ہوں ہوں کو بھی سی لول کا
ناتانے پھر ہیں تو شہر ہے میری زندگی کا
یہ ہیں تمہاری ہی تصویر کے تو رخ و دلوں
مجال کیلئے کہ جو جس کے اک ذرا جھٹش
لیے بل لے لے لے لے بھی روح کے حق

ہزار بار قسم کھا کر ایک بار نہیں
پڑا ہوں یوں ہی جنازہ نہیں مزار نہیں

شب وصال ہے یہ موقع وقار نہیں
شب وصال ہے تاریکی مزار نہیں
ہلاک کر دیا جس پر بھی بڑ گئی وہ نگاہ
نظر ہی پیار کی میں ڈال دوں تو پھوڑ دیں آنکھ
لگی ہے آنکھ یہ کس شوخ سے تری آنکھ دل
پڑا ہے موت لگا چارے جس و حرکت
کوئی لباس نہیں خبر لباس عریانی
انہیں بھل کے سر پر دم کر دیا برہم
یہ طفل اشک مرا از مودہ کا نہیں

اگرچہ مثل شر حسن ہی ہے معدن سوز
بھلا رہوں میں دو عالم میں لے خدا تیرا
نظر کر اپنے پر اور اختیار ملے پر
چھڑا لے تو ہی گناہوں کو میں لے تو یارب
جنوں میں ہو گئی اللہ کیا مری حالت
خوش شمع مرے ساتھ بڑھ گئی کب تک
وہ بیٹھے رہتے ہیں دیکھوں تو بیٹھے کب تک
نرا بھی تو دل مضطرب کوم نہ لینے دے
نہ پوچھ طول شب انتظار ہاتھ نہ پوچھ
ابھی تو کپڑے بدل کر نہ جاؤ غنیمت کے گھر
ابھی کفن بھی تو میسر لا تہ مزار نہیں

نقاب لٹ بھی دو آب کوئی ہوشیار نہیں
بتوں کا جو تو منظور حق کا پیار نہیں
ہلا وہ دل کہ کوئی جس پہ اختیار نہیں
میں کس حسین کی نظروں میں ہاتھ فار نہیں
کہ منتظر کو بھی احساس انتظار نہیں
پھر اور کیا ہے اگر یہ خدا کی ماری نہیں
رہی وہ زیست کہ جس کا کچھ است بار نہیں
مے نصیب کا کوئی گل عذر نہیں

میں اپنی ہوش میں آکر مجی ہوشتیا نہیں
کہ خاک ہو کے بھی میں خاک کوئے یار نہیں
تم آج لاکھ بہنے لگے کرو حذر نہیں
بہار تو ہے مگر حاصل بہار نہیں
کہ کوئے یار ہے آگے یہ کوئے یار نہیں
کھن نہیں، صعب المزم نہیں، مزار نہیں
حس نہیں، اثر پائیں، غبار نہیں
گناہگار نہ کہہ وہ گناہگار نہیں
گناہگار نہ کہہ وہ گناہگار نہیں
مکہ سب میں مست یہاں کوئی بشیار نہیں
یہ وہ فنوں ہے کہ جس کا کوئی آثار نہیں
یہی روش ہے تو مرنے تہہ مزار نہیں
کہ نخل خشک سے امید برگ و بار نہیں
میں صاف دل ہوں کسی سے مجھے غبار نہیں
بنے گا خاک وہ ساقی جو بادہ خوار نہیں
کچھ اختیار ہے حسب دل پہ اختیار نہیں
میں ہوں ضرور مگر تجھ سا بادہ خوار نہیں

ہمیشہ دیکھا ہر منہ ہی تجھ کوئے مجذوب
جہاں میں کیا تری قیمت کا کوئی مار نہیں

اثر میں نشے کچھ کم مرا خراب نہیں
جہاں میں مجھ سا بھی کوئی تباہ کار نہیں
عبث ہے ضد نہیں مانوں کا زیہار نہیں
چمن میں گل ہیں گلوں میں آواز نہیں
کہاں تک آہ چلے جاتیں ہم یہی سننے
جو یوں پڑی ہے کس آزاد کی یہ میت ہے
یہ قافلہ ہے ہمارا کہ کاروان خیال
جو اپنے آپ کو خود ہی گناہ گار کہے
اسے جو اپنے کو خود ہی گناہ گار کہے
سمجھ کے اہل غر آئیں بزم ساقی میں
نہ ترک حلق پہ ناصح عبث اُجبار مجھے
چلیں نہ گور غریباں میں آپٹلاتے
ترا و ہود ہے بے فیض مرنے دل زاہد
میں سب کا دوست ہوں کوئی نہیں دشمن
یہ کہہ رہا ہوں میں اعطاسے کج دور کی بات
نہ چھیڑ مسئلہ جبر و اختیار نہ چھیڑ
خودی میں تو بھی تو ہے مست زاہد خود میں

پئے گریہ ہم دل کو گرما ہے ہیں
یہی گیت سائے سلف گاہے ہیں
ہٹاتے ہو پھر بھی یہ مٹنہ آہے ہیں
لبالب ہے پھر بھی بھرے جاہے ہیں
جو باقی ہیں وہ سانس آ جاہے ہیں

نہ سمجھو کہ بہر طرب گاہے ہیں
بنو نغمہ سنج احادیث و مشرآن
ہوئے کتنے گستاخ گیسو تہا نے
عجب حال ہے آج اپنا کہ سائے
مریض محبت میں اب کیا دھرا ہے

میں مجذوب ہوں کچھ سمجھتے تو ناراض
بجلا آپ بھی کس کو سمجھا ہے ہیں

دل و دل میں بیتاب ہے معلوم نہیں کیوں
بیمار کی قیمت میں ہے معلوم نہیں کیوں
تشنہ بہ لب آب ہے معلوم نہیں کیوں
ترباق بھی زہر آب ہے معلوم نہیں کیوں
مجذوب کدھن آج ہے معلوم نہیں کیا
تنہا البصد احباب ہے معلوم نہیں کیوں

سوداچمن کو ہے مے گل کا بہار میں
وہ دل میں اور دل بدن داخدا میں
آنکھیں مری تصور گیسوئے یار میں
گرمی ہے اس قدر مے دل کے شرار میں
مہول انگشت کا لطف عذاب مزار میں
روپوش حسن ہو گیا سب خط یار میں
دل کو نہیں بتوں کا تصور مزار میں
ہے ہم کنار یوں کا مزہ حب یار میں
کتنے کہوں میں داغ دل داخدا میں
آہ تو شاہ حسن، دل داخدا میں
تار نفس کو پہنچا ہے پیکر اجل یہاں
رنجش سے تیری مجھ کو دو عالم ہے تیرا دار
ابرسیاہ حروف ہیں قوطا کس قی ہے
غار نگری کو دل میں وہ آپہنچا شاہ حسن
نالوند دو عجب تارے تحکیم گوش یار
جھمے پہ مسجدے یاں ہیں توجہ نہیں ادھر
ترساں سوار کشتی طوفاں رسید ہیں
مکن نہیں وہاں تن پر داغ کی تیسرے

عالم جو نشتر رگ گل کا ہے غار میں
بیٹھے ہیں تخت پر وہ مکن لالہ زار میں
ایسی ہیں جیسے پھرتے ہیں آہوتار میں
بنتے شر تھے جا چھپے سب گہسار میں
نکلا سرورے کا مزا سب غمار میں
حیرت ہے آفتاب نہاں ہو غبار میں
ہیں شوخیاں یہ کس کی دل بے قرار میں
ہیں شوخیاں یہ کس کی دل بیقرار میں
بالائے چرخ آئیں کب انجم شمار میں
دکشش ہے کیا ہی قصر نقش نگار میں
اک تار کی کمی ہے جوان کے ستار میں
دوڑوں جہاں ڈھکے ترے دل کے غبار میں
تحریر حال چم و دل بے ستار میں
آتی ہے یہ خبر مجھے شکوں کے تار میں
پہنچے وہاں یہ تاب کہاں حال زار میں
میں ان کو سوجھتا نہیں دل کے غبار میں
ارماں لرز ہے ہیں دل بے قرار میں
چھپنا اجل سے ہو تو رہوں لالہ زار میں

تجویر جائے حشر ہوئی تو نے یار میں
روقی ہے لالہ زاروں ہی سے کوہ سار میں
ارمان آسائے دل بے مستدار میں
چھپتا ہے مہر سایہ دیوار یار میں
صدائے مکان جل گئے اس اک شرار میں
بڑھ کر ہیں کس کس سجھ کے فانے شمار میں

اب تو سیاہ کاری میں کچھ سوچتا نہیں
آنکھیں ہماری مر کے کھلیں گی مزار میں

مدفن ہے دل کا تن مرا اور حشر تو ایک دل
بھما کہاں بھڑک گیا رونے سے سوزِ جسم
دل پر شباب میں کوئی مبتلائے عشق
فانی کے جگر میں یہ سرِ کشتاں ہے ماہ
بچڑوں کے پرنے اڑتے ہیں جوں برگِ پھل
میسوئے غم میں رولن دل ہے خیالِ رُخ
تن گود ہی تک رہا جنت میں پہنچی رُوح
کھٹ کھٹ جھجکیوں کی دم نزل ہے دلا
بیل ہیں اس چمن میں ہزاروں فنانِ کُناں
پر داغ تن میں یوں دل پر داغ بے قرار
آنکھوں سے میرے اشک نہ گزر رہیں دواں
سودا نے زلفِ ساقی ہو شس جو ہے اسے
میں لہرِ غزل ہیں اک مضمون دو نون تنگ
دیباں سچ ہر ایک کو رہی سبوں کو رکھ
اڑتی ہے گود پتہ ہیں اں آہوں ان چشم
بکل نہیں نکلتی یہ خوش نشاط ہے
مجھ وحشی نزار سے صحرا بہت ہے تنگ
پاد چر مائی آکے یہ کس کے خیال نے

مدفن ہے دل کا تن مرا اور حشر تو ایک دل
بھما کہاں بھڑک گیا رونے سے سوزِ جسم
دل پر شباب میں کوئی مبتلائے عشق
فانی کے جگر میں یہ سرِ کشتاں ہے ماہ
بچڑوں کے پرنے اڑتے ہیں جوں برگِ پھل
میسوئے غم میں رولن دل ہے خیالِ رُخ
تن گود ہی تک رہا جنت میں پہنچی رُوح
کھٹ کھٹ جھجکیوں کی دم نزل ہے دلا
بیل ہیں اس چمن میں ہزاروں فنانِ کُناں
پر داغ تن میں یوں دل پر داغ بے قرار
آنکھوں سے میرے اشک نہ گزر رہیں دواں
سودا نے زلفِ ساقی ہو شس جو ہے اسے
میں لہرِ غزل ہیں اک مضمون دو نون تنگ
دیباں سچ ہر ایک کو رہی سبوں کو رکھ
اڑتی ہے گود پتہ ہیں اں آہوں ان چشم
بکل نہیں نکلتی یہ خوش نشاط ہے
مجھ وحشی نزار سے صحرا بہت ہے تنگ
پاد چر مائی آکے یہ کس کے خیال نے

مدفن ہے دل کا تن مرا اور حشر تو ایک دل
بھما کہاں بھڑک گیا رونے سے سوزِ جسم
دل پر شباب میں کوئی مبتلائے عشق
فانی کے جگر میں یہ سرِ کشتاں ہے ماہ
بچڑوں کے پرنے اڑتے ہیں جوں برگِ پھل
میسوئے غم میں رولن دل ہے خیالِ رُخ
تن گود ہی تک رہا جنت میں پہنچی رُوح
کھٹ کھٹ جھجکیوں کی دم نزل ہے دلا
بیل ہیں اس چمن میں ہزاروں فنانِ کُناں
پر داغ تن میں یوں دل پر داغ بے قرار
آنکھوں سے میرے اشک نہ گزر رہیں دواں
سودا نے زلفِ ساقی ہو شس جو ہے اسے
میں لہرِ غزل ہیں اک مضمون دو نون تنگ
دیباں سچ ہر ایک کو رہی سبوں کو رکھ
اڑتی ہے گود پتہ ہیں اں آہوں ان چشم
بکل نہیں نکلتی یہ خوش نشاط ہے
مجھ وحشی نزار سے صحرا بہت ہے تنگ
پاد چر مائی آکے یہ کس کے خیال نے

جنت کو جب چلے یہیں اُترا پاکس تن
ہستی کا جامہ پھینک لباس فنا بہن
ہر وقت مست نیک بد خلق سے الگ
سب جہاں میں کیا تن غاک کو ہے قیام
شیم کو اٹھا کر وہ آتی مدد صبا
کیا ہی عرس لے ان کی غزل پہ غزل کبی
لیتے ہیں داؤدنا سخ و آتش مزار میں

مگر دش میں تغیل کا اثر دیکھ رہے ہیں
زور کشش مٹوئے کمر دیکھ رہے ہیں
اللہ کا گھر اور ترادر دیکھ رہے ہیں
امید وصال ان کی باریں ہستی موہوم
اب حشر بپا کرتے ہیں نالوں غم آچرخ
کھلتی ہی نہیں آنکھ حوان کی شب خلوت
کیا خواب میں وہ غیر کا گھر دیکھ رہے ہیں

نہ لوہا اُفت جو خود، داریاں ہیں
نہ پستیاں ہیں نہ سرشاریاں ہیں
ہمیں پوچھ کچھ عشق میں خود سروں کی
نکو کاروں پر نظر ہو تو پھر وہ
مراد ہے ہر وقت محو تماشا
میں دن رات جنتیں رہتا ہوں گیا
کیا گھر تصور میں کس مہ لگانے
جو آسان سمجھو تو ہے عشق آسان
کسی کو کسی سے کسی کو کسی سے
لگی رہتی ہے آگ سی تن بدن میں

بہت ذلتیں ہیں بڑی خواریاں ہیں
یہ بے خواریاں کوئی نے خواریاں ہیں
یہاں سرفروشن کی سڑاریاں ہیں
نکو کاریاں کیا سیہ کاریاں ہیں
فدا میری غفلت پہ بیداریاں ہیں
مے مرغ دل میں وہ نگاریاں ہیں
جو دل پر سسل رضو باریاں ہیں
جو دشوار کر لو تو دشواریاں ہیں
ہیں اپنی ہستی سے بزاریاں ہیں
رگوں میں لہو ہے کھچنگاریاں ہیں

بکے اشکِ خون کے مہے پیرہن پر
چاندی دکھتا ہوں اُدھر گل ہی گل ہیں
یہ حسنِ تصور کی گل کاریاں ہیں
ادھر سے تو حرمِ گہر باریاں ہیں
پتے کی سناٹا ہے مجھ کو باتیں
یہ سب نے خبرداریاں ہیں

کرم کے جھرمے جوئے خواریاں ہیں
دکھا مجھ کو جلوہ بہتِ تحسّل
بس اب پردہ در پردہ برداریاں ہیں
مبارک کسی کی دل آزاریاں ہیں
بگولوں سے اب تو مری یاریاں ہیں
نہ جب عزتیں تھیں اب خواریاں ہیں
نہ خوشیاں رہی ہیں نہ بیناریاں ہیں
چال عزتیں ہیں وہیں خواریاں ہیں
چال سوزِ لیسکن یہ چنگاریاں ہیں
گہری غارِ زاروں کے پھلداریاں ہیں
خدا جانتا ہے طرفداریاں ہیں
بتائیوں یہ راتوں کی بیداریاں ہیں
نہی ہو ایں تو مجھ کو سب کیا غم
بڑی کار آمد یہ بے کاریاں ہیں

شبِ فراق کی تاریکی کو یوں غم دور کرتے ہیں
سنبھل جادو کہ غم شرحِ دل رکھ کر کرتے ہیں
کوئی جا کر کچھ غم کس لئے بہور کرتے ہیں
کویں کیا غم تو حالِ دل بہت تو کرتے ہیں
نہ نکوشِ شہِ دل سنگِ در پر چور کرتے ہیں
تجھے بھی پاس غم لئے خودی اب نہ کر کرتے ہیں
تویں تو فریج پر اجاب کیوں عبور کرتے ہیں
کہ اپنی آہ سے روشن چراغِ طور کرتے ہیں
بہار کا اپنے زارِ فسخِ صورت کرتے ہیں
وہ دل سے پاس رکھتے ہیں گھر سے دور کرتے ہیں
پس پڑ جو بیٹھے ہیں نہ خود مشہور کرتے ہیں
جو یہ منظور ہے تم کو تو یہ منظور کرتے ہیں
وہ غفلت ہی میں عرضِ دل کر منظور کرتے ہیں
خیالِ رخ میں گھر بیٹھے ہی سیرِ طو کرتے ہیں

وہ اول پیش کی دوسے ہر اک کو دُور کرتے ہیں مگر جب ڈاکر کرتے ہیں تو پھر بھر پور کرتے ہیں

بہت گود لولے دل کے ہیں مجبور کرتے ہیں

تری خاطر گلے کو گھونٹنا منظور کرتے ہیں

وہ پہلے غم دیا کرتے ہیں پھر مسرور کرتے ہیں

نہیں ہوتا نہیں ہوتا کبھی عنوان غنیمت ہلکا

بدن بھی اس کا ہو جاتا ہے خمِ روح میں سا

غم اچا ہے بھنا وہاں کچھ نچیل ہے اے دل

لگا دیتے ہیں ایسی اور اتنی وصل میں شرطیں

عجب سرکار ہے ان کی تم ہی میں کرم دیکھا

مزا آتا ہے ان کو چھیرنے میں اپنے عاشق کے

دکھانے معترضِ دنیا میں صقل گر کوئی ان سا

حسی کے ناز اٹھائیں تو غم سے ہو نہیں سکتا

ادا سے دیکھ لیتے ہیں میں جب چاکو کھتا ہوں

بزرگ صاحبِ صبر ت را بنو اربابِ معنی را

وہ یاد آ کے تڑپاتے ہیں بھولے پھر کیا کیا

جو دم بھر کے لئے آکر کبھی مسرور کرتے ہیں

طبیعوں کی سمجھ میں تو مرض اپنا نہیں آتا

ہمارے زہد میں بھی زائد وہ ایک شانِ رندی ہے

رگ و پے میں ہمارے بھیلیاں سی دوڑ جاتی ہیں

غم ان پر صدمہ ہو کر کرے ہے میں زندگی حاصل

شرابیں سیکڑوں ساقی ہزاروں بادشہاں لاکھوں

لگاتے ہو بھلائے اہل فتور کس بقیم فتویٰ

قواعدِ شرع کے مجبور ہیں کو مغذ دہکتے ہیں

پس پردہ وہ رخ کو زلف سے مستور کرتے ہیں

ہمارے درو کو نا آشنائے درد کیا حب نہیں

ہمارے روزِ فرقت کو شبِ دیکر کرتے ہیں

بھیں اور اک اشیاءِ دیدہ بے نور کرتے ہیں

جو اپنے نڈر سے ذرہ کو رشک طوق کرتے ہیں
 ہیں کان اس پر کہا افریقہ تصور کرتے ہیں
 کہ اگر حجبہ سانی قیصر و فقیر کرتے ہیں
 سب انجم ہرے جس طرح کسب کرتے ہیں
 غصے سے چشم مست انکی نظر میں چور کرتے ہیں
 عبادت تو وہی ہر قصور و جور کرتے ہیں
 چڑھاتے ہیں سولی پر جسے منصور کرتے ہیں
 شرف تو دیکھتے ڈاکر کو وہ مذکور کرتے ہیں
 نہیں مومن اپنے آپ کو ماجور کرتے ہیں
 وہ کہا اندیشہ منظور منظور کرتے ہیں
 اگر دل کو چھو لے خوشہ انگر کرتے ہیں

بے رتبے ہیں ہر دم ہلے دیو دل ہیں
 گئی ہے آنکھ اس پر پردہ بستی کجا تھا ہے
 گردانی کی تری اللہ اکبر شان عالی ہے
 تھامے حسن ہی فیض لیتے ہیں جس سے سارے
 اورے میں ہاں اہل خرد مدحوش ہوتا ہے
 کوئی زاہد ہیں ہم، واعظ سنا کچھ اوند دل کو
 نزلے خود تو ہیں ہی انکی لغت بھی زالی ہے
 اس کو یاد کرتے ہیں جو ان کو یاد کرتا ہے
 محسوس کرنے والوں کو کہیں ہم اور کیا ہم دم
 طلب ہی ان کو ہے مقصود جو ہیں طالب صادق
 کشیدہ کا بھی سامان ہوئے سوز ہم ساقی

مغرب بنا رکھا ہے ان کم ظرف اعدا کو
 خبر بھی ہے کہ وہ جا بلکے کیا شہو کرتے ہیں

اسے منظور کرتے ہیں اسے منظور کرتے ہیں
 نہیں وہ ان میں لے زاہد جو مکور کرتے ہیں
 یہی وہ تیر ہیں آنکھوں کو جو ناسور کرتے ہیں
 سقم دیکھو عدو کو ہم پر وہ مامور کرتے ہیں
 بیاض صبح سے یکس طلب کا فز کرتے ہیں
 کسی خط میں جو حال جذب ہم مستور کرتے ہیں
 تلاوت رات بھر ہم سوتہ والطور کرتے ہیں
 زمیں پر روکے ناسخ سرکشی مغرور کرتے ہیں
 پری کی علم کو خواش ہے نہ شوق خور کرتے ہیں
 ہزار آزادیاں ہیں پھر بھی وہ مجبور کرتے ہیں
 عہد مضبوط فعال پر وہ ہمیں مجبور کرتے ہیں
 اسے گم نام کرتے ہیں اسے مشہور کرتے ہیں
 بلائیں ان کی لے لے کر بلائیں دور کرتے ہیں

جس اک ان کی خدمت کے لئے نااہل ہیں نہ
 بلائے نہ مشرب ہیں اگر بد نام عالم ہیں
 دلا ہے ابو ہر دم تصور تیری پلوں کا
 مر لیض غم پہ اب آخر توجہ کی تو ہی کی
 گلن لیتی ہیں نور ماہ سے کشتے شبنم وقت
 عجب کچھ ہوتی ہے تحریر کی ہر شان لیلی
 دھاکر کسے دل ہر دم سہی شوق بختی کا
 نہیں کے نیچے جا کر خاک میں اک روز ملنا ہے
 غنی کر کھلے اس ایک ہم کو دو عالم سے
 دلوں کو بچھتی ہے اور ان کی شان استغنا
 ہے چشم حیرت اس آئینہ حال دل مضطر
 دیکھیں شان جو الطاهر ہیں شان جو الباطن
 ہم ان پر صند ہو کر کسے ہیں زندگی حاصل

ہمیشہ ہم تو کر لیتے ہیں تو بہ شعر خوانی سے
کریں کیا چھیڑ کر احباب پھر مجبور کرتے ہیں

جوا ابتدا بھی کہتی تھی انتہا ہوں میں
جو دل کی بات کب آن کچھ سکا ہوں میں
جواب مجرم محبت یہ دے سکا ہوں میں
کہاں تھا، کون تھا اور کہاں چل گیا ہوں میں
اگرچہ خود تو اک افتادہ نقش پانہوں میں
محکم ہی کے مجھروسے تو پی رہا ہوں میں
بڑا ہوں گرچہ بڑوں سے بھی کچھ سوا ہوں میں
یہ سب سہی مگر آخر تو آپ کا ہوں میں

اے سوختہ جاں بچو ہم کو کیا کئے دل میں
ممت پوچھو کہ خوش لٹختے ہیں کیا کیا کر دل میں
باقی نہیں اب کوئی تمنا مے دل میں
اب کیوں ہو کسی چیز کی پڑا ہے دل میں
ہے روزِ اول سے ترا نقش مے دل میں
وہ جائے نہ گنجائش دنیا مے دل میں
سینہ میں ہر دم ہے تجستی کا یہ عالم
ہم جو مصائب میں بھی ہوں خوش و غم
فرصت کے نظارۂ نیرنگ جہاں کی
اد پردہ نشیں میں تے اس ناز کے قرباں
مدت ہوئی روتے نہیں تھمتے مگر آنسو
اُنٹ اُنٹ سے تم فٹے تری نیم نگاہی
ہے عشق مجھے کس لپ شیریں کا الہی
سوچے مجھے جب ظاہر و باطن میں تو ہی تو

ہے شعلہ زن اک آگ کا دریا مے دل میں
دن ایسے ایک حشر ہے برپا مے دل میں
موجود ہے کس رُخ زیب مے دل میں
ہے میں دو عالم کا مہیا مے دل میں
رُخ پہ ہے تے خال سویدا مے دل میں
یوں دیں سما جائے سراپا مے دل میں
کیا عرش مثل اُتر آیا مے دل میں
دیتا ہے تسلی کوئی بیٹھ مے دل میں
ہر لپٹے ہے اک طفر نماشا مے دل میں
پنہاں مری آنکھوں سے ہویدا مے دل میں
شاید کہ در آیا کوئی دریا مے دل میں
نکلا بھی نہیں تیرہ کہ بیٹھا مے دل میں
گر درد بھی اٹھتا ہے تو بیٹھا مے دل میں
اجا مری آنکھوں میں سماجا مے دل میں

یہ برق صفت کون اٹھا دیتا ہے پردہ
ہر جانتا ہے اک دم جو اجالا مے دل میں
بن جاتے یہ سب قال مرا حال سراسر
جو کچھ ہو زباں پر ہر عدا مے دل میں
رو تے ہوئے ہنس دیتا ہوں اک ساتھ میں مجھ کو
آجاتا ہے وہ شوخ جو ہنستا مے دل میں

اشارے ہوئے ہیں نظارے ہوئے ہیں
فدا مر جیوں جن پہ سارے ہوئے ہیں
دم نزع ان کے نظارے ہوئے ہیں
جو آنکھوں سے خارج شرارے ہوئے ہیں
وہ جو بن کو اپنے اُجھارے ہوئے ہیں
ہیں تو بھلے لگتے ہیں اور بھی آب
نہیں پکس کچھ ایک دل ہی سودہ بھی
بھلا ہے کہاں ہم سے ملنے کی فرصت
یہ بگڑا ہوا حال کیا دیکھتے ہو
اور بھی رنج کے دلتیں دینے والے
موتوب ہیں دربار میں عشق کے مہم
باتو تو اس چشم سے حضرت دل
نکلنے نہ دو تیسرے تم کوئی ارماں
وہ پیرا ہن گل ہو یا چار در مر
ہیں طول روز جزا کیا ہے وہ حظ
منے وصل میں جو اٹھاتے تھے اے دل
دل آہ ہستی کچھ تو آہوں سے بگھلا
رقیب اصل ظاہر ہی باتوں پہ خوشی
مے منہ کو سکتے پھلا ان کا منہ تھا

ہیں ہوشیں اب کہاں تن بدن کا
کہ مجھ کو رہ ان کے پکارے ہوئے ہیں

کے دیکھ کر آج ہم آ رہے ہیں
دم نزع تکلیف مند مار رہے ہیں
کہیں دیکھو وہ تو نہیں آ رہے ہیں
جدھر مذبذب ہم کو لیے جا رہا ہے
میں ہوں نزع میں پھر بھی دیکھو وہ کیسے
یہاں ان کو آنا نہیں ہے تو پھر کیوں
اے افسانہ غضب میں یہ آنکھیں نشیلا
نہیں مانتا ہے، نہیں مانتا ہے
سمجھتے ہیں وہ دل لگی ہاتے اور ہم
مے سارے شکوہ کئے نزدیک کر
یہ سب سوچ کر دل لگا یا تھا نا صبح

مرضِ عشق کا کیا مبارک مرض ہے
عیادت کو کیا کیا حسین آ رہے ہیں

جو چپ بیٹوں تو اک کوہ گراں معلوم ہوتا ہوں
جو ہوں دراصل صورت کے کہاں معلوم ہوتا ہوں
الگ سب ہوں سب کے درمیان معلوم ہوتا ہوں
بظاہر تو میں رسوائے چہاں معلوم ہوتا ہوں
شریکِ بزمِ زنداں ہوں مگر از روئے بھینست
میں یوں تو زاہد! اک قطرہ ناچیزِ بزمِ بیشک
میں میں ہم بزمِ اہل دل بھی اور ہم بزمِ زنداں بھی
بٹھاتے ہیں جو سر آنکھوں سب اس سے خوش کیا ہو
درِ جاناں چسپ دم ٹیک دیتا ہوں جبین اپنی
تصور نے کسی کے مسدود دنیا ہی بل ڈالی

کسی کی یاد نے کیا رفتہ رفتہ کر دیا مجھ کو
بس اب اک میجرِ دہم و گماں معلوم ہوتا ہوں

بولب کمولوں تو دیرائے دال معلوم ہوتا ہوں
ہمارے خزاں ہوں گو خزاں معلوم ہوتا ہوں
کہاں بیچا ہوا ہوں میں کہاں معلوم ہوتا ہوں
دم مستی مگر شاوشہاں معلوم ہوتا ہوں
شریکِ محفلِ روحانیں معلوم ہوتا ہوں
گمراہی لوں تو بحرِ سیراں معلوم ہوتا ہوں
وہاں محسوس ہوتا ہوں میں معلوم ہوتا ہوں
کسی کی طبعِ نازک پر گراں معلوم ہوتا ہوں
سرِ سرشیں بریں بے گماں معلوم ہوتا ہوں
کہاں معلوم ہوتا تھا کہاں معلوم ہوتا ہوں

کبھی زاحہ کبھی ہیر مغان معلوم ہوتا ہوں
ابھی آثار سے میں راز داں معلوم ہوتا ہوں
تراک چھوٹا سا خود اپنا جہاں معلوم ہوتا ہوں
یہاں تو میں مکین لا مکال معلوم ہوتا ہوں
خوشی میں بھی سدا پانچاں معلوم ہوتا ہوں
وہاں اُسے بے خبر کب میں جہاں معلوم ہوتا ہوں
جواہر دل میں میں اُن کی زبان معلوم ہوتا ہوں
نہ سبھو شاد ماں گو شاد ماں معلوم ہوتا ہوں
میں مٹ کر بھی نشان بے نشان معلوم ہوتا ہوں
تجھے سدا گرم سعی رائیگاں معلوم ہوتا ہوں
تو آزاد زمین و آسمان معلوم ہوتا ہوں
میں جو کچھ ہوں بوقت امتحان معلوم ہوتا ہوں

نہ میری بڑیہ جا مجھ کو تیرے کی پہچان پتید اکو
سدا پاد دل ہوں سدا پیا زبان معلوم ہوتا ہوں

میں مصحفِ رخ گاہ یاد چشم میگوں ہے
میں راز داں ہونے سے کوسوں دور ہوں شاید
میں محوِ جذب میں ڈالتا ہوں اپنی ہستی پر
میں گنجِ بیک و تاریک اپنا کیا ہے کوئی کیا جانے
میں کمر سے ناقہ دم اک درد کی تصویر ہوں گویا
میں ہونے میں مجھ کو دیکھ کر بظن ہوئے زاہر
چوتھے اسرارِ مخفی عشق کے سبب نے کہہ ڈالے
میں با غم تو ہوں لیکن سدا مضبوط بھی ہوں میں
میں ہر قدر زیارت گاہِ جمیل میں پیش ہے
میں ہوں رہبر و طریقِ ہدایت کے بے خبر سالک
میں پناہ و ناز کی دُنیا میں جس دم جا پہنچا ہوں
میں تیغ آزمائی کھلتے ہیں فولاد کے جوہر

کوئی مغل جو ہم اسکو تری مغل سمجھتے ہیں
نظر پہ جانتے ہیں وہ مزاج دل سمجھتے ہیں
ہم اس مغل کو عشق کا حاصل سمجھتے ہیں
مگر اس نکتہ باریک کو غفل سمجھتے ہیں
وہ حسنِ ظن سے اپنا ہی سایہ ادا سمجھتے ہیں
سے ہر نقش پاکو اپنی اک منزل سمجھتے ہیں
اور ایسے زہد کو ہم کفر میں داخل سمجھتے ہیں
اسی گرداب بحرِ علم کو ہم سائل سمجھتے ہیں
نظر ڈالے تو لیلیٰ ہی کو اک مغل سمجھتے ہیں

پس پردہ تجھے ہر دم میں شاکل سمجھتے ہیں
میں ہشیار ہیں وہ جن کو احم غافل سمجھتے ہیں
ہم اس مردہ دلی کو زندگی دل سمجھتے ہیں
میں کائناتِ جہان جس کو ہم قاتل سمجھتے ہیں
وہ خود کامل ہیں مجھ ناقص کو جو کامل سمجھتے ہیں
میں وہ گم کردہ منزل ہوں رہبر راہِ افسانے
سمجھتے ہیں گنہ رندی کو تو لے زائد خود ہیں
میں تو بیچ و تاب اک دن میں تیرے سوا ہوگا
سمجھتے ہیں غلط لیلیٰ کو لیلیٰ قیاس و روانہ

سُری، دیوانہ، سودا کی جو چاہے سو کہے دُنیا
حقیقت بین گر مجھ کو تیرے کو عامل سمجھتے ہیں

یوں رُسکے گا اے فک یہ نالہ سیم نہیں
 کون بایں پر دم آخر چشم نم نہیں
 آنکھ ہے جب تک تو تھکا کر یہ پہرہ سیم نہیں
 قبر سے تنگ تراب غم کو یہ عالم نہیں
 خانہ صیاد بھی گلشن سے ہم کو کم نہیں
 چشم عبرت میں تو کچھ بھی گلشن عالم نہیں
 آنکھ اشکِ خن سے پُر، نالوں سے نال مال دل
 خنکی لب ہائے زخم دل سے نالوں میں طیب
 نور و ظلمت کا ہے ان میں اور ہم میں ارتباط
 چاہتے ان کو نہ کہ ان لب دندان یار
 اک نہ اک دن جان دے دے گا کوئی حرم طیب
 اک ہوا اس کو سمجھتا ہے دل پر حوصلہ
 رہنے دے ان کی مژدہ کا تو خیال اس نے غری

آج یعنی فیصلہ ہے تو نہیں یا ہم نہیں
 ہائے اس عالم میں بھی وہ قنہ عالم نہیں
 ابر چشم یہ سواد دیدہ پر غم نہیں
 اوراد صریح دل کب اک جہان غم نہیں
 ہم امیرانِ فتن کو آستشیاں کا غم نہیں
 خندہ گل ہے جہاں کیا گریہ شبنم نہیں
 ہم گدا کے عشق بے دینار و بے در غم نہیں
 جب اٹھا کر دیکھتے پھا با تو ہے ہر دم نہیں
 ہم اگر ہیں وہ نہیں ہیں وہ اگر ہیں ہر دم نہیں
 زخم ہائے دل ہمارے درخورد ہر دم نہیں
 رنگ لائیک کسی دن آپ کی ہر دم نہیں
 منتشر جس آہ میں شیرازہ عالم نہیں
 دُوبے والوں کو تنکے کا سہارا کم نہیں

جان دے دیس گئے نہ چھوڑیں گے مگر ہم آئیاں
 وہ تو ہیں ہی ہٹکے پڑے غم کو بھی ضد کم نہیں

اس کے سیر سوگ میں ظالم نے کھڑت لہدی
 ان کے آگے ہائے عرض حال کی نوریت کہاں
 نزع میں کب تک ہوں کچھ پاؤ گے آجھی چکو
 گر ہوا دشمن زمانہ ہو مگر سارے دل ہمیں
 چاہیں یا قوتیاں دل کے مرض میں اور یہاں
 بزم کو چھکا نہ کر، شے کرتبرک کی طرح
 دیکھ کر ان کو ہے مہرِ بروج کی فکر غروب
 آپ کے موحی بال گیسو و رخسار کو
 کچھ دلوں سے دل اگر یہ ہی رہیں آئیں تری
 بن کے آئوگر پڑا ہے روئے گل پر شوق میں

محل شادی ہے گویا مجلسِ اتم نہیں
 نالہ و آہ فغاں ہی لینے دیتے دم نہیں
 دم تو نہی دیتے رہے تو کوئی دم میں دم نہیں
 دیکھنا یہ ہے مزاج یار تو ہر دم نہیں
 شربتِ دینار کے بھی واسطے ہر دم نہیں
 یہ سنے مگر نگاہ ساقی کوئی زمرم نہیں
 دُوبے لے کر تو کم کچھ قطرہ شبنم نہیں
 فرصتِ نظارہ نہی نگی عالم نہیں
 بھر ہستی میں بے گی نام کو بھی غم نہیں
 چشمِ بل کا یہ تل ہے قطرہ شبنم نہیں

دل کو ہے درد کارک جہاں اشک آہ
 اس سے آبِ ہوائے گلشنِ عالم نہیں
 دل تو ہے جائے گائیوں خونِ جگر
 کھلنے والے غم کے کیا تجھ کو مینہ سس نہیں
 دل کے گل یاد کہاں رات ہی کی بات ہے
 کہہ گئی ہے کان میں مود کے کچھ شبنم نہیں
 قیس کا قصہ سناتے ہیں کسے سینے تو آپ
 وہ اگر بخون تھا مجھ تو بچے پھر کیا حسم نہیں

(۹)

تسکینِ دل ہے چارہ دردِ جگر ہے تو
 آجا میری نین میں مری جاں کدھر ہے تو
 جس میں جالِ بلبِ مریض سے کچھ ہے تو
 کس کو سناؤ حالِ مرا چارہ گھر ہے تو
 دل کسی کا قبلہ نہا ہی گھر ہے تو
 فرماں روا نے ملکیت کبہہ دہر ہے تو
 ہٹا نہیں ہے دل سے کسی دم ترا خیال
 سوتا بھی ہوں تو خواب میں شیرِ نظر ہے تو
 بنی محن کے بت ہزار مے آئیں سامنے
 کیوں آنکھ اٹھاؤں دل میں سحرِ لہر ہے تو
 معلوم کس کو تیری دھنکے جھانک
 ہیں بنے خبر جو کہتے ہیں بیدا گھر ہے تو
 ماندہ نے شکر میں علالت میں مرق ہوں
 لے درد آج دل میں برنگِ گھر ہے تو
 نالہ مرا انگشت کو آیا ہے عرشِ ہمک
 دماغ کو کوثر اور مجھے ساقی کی طلب
 در پر کسی کے بیٹھ بھی رہ پاؤں توڑ کو
 زابہ کو حورِ عین مجھے ترِ نفس ہے تو
 واروں کے اور بھی ہیں بہت خطرِ گر
 لے قصہ آسمان و زمیں کیا تری بساط
 دل خرابِ خوار یہ کویں بُد ہے تو
 اظہارِ حالِ تجھ سے ہو کیا نالہ دراز
 تیغِ نگاہِ یار کی لے دل سپر ہے تو
 آنکھوں میں نمودتِ دلِ خوئی گشتہ پھر گئی
 اس کی تو اک نگاہ میں زیرِ زبر ہے تو
 لولا سوالِ درد پہ ساقی بصرِ کرم
 مشکل سے مسیکہ دفترِ دل کی سطر ہے تو
 صبحِ دماغ چاٹتا دہشتا ہے تو فضول
 سب اور تیرے بعد میں ہیں پیشتر ہے تو
 بجھتی نہیں ہے آگ تری روئے ہزار
 یہ درد کسہ تو تھا ہی مگر دردِ سر ہے تو
 لے دل پناہ تجھ سے بلا کا شہر ہے تو
 +

چٹا نہیں ہے کوئی حسیں لے نگاہ شوق
خس جلوہ گاہِ حسن کی بگڑی نظر سے ہو
واعظ تجھے سرائے بات ہے لے جہاں
رندوں سے پوچھتے تو بس اک رنگہ رسبے ہو
گلہ لے داغ دل کے کراہی مانتے
لے نخل آرزو نہ سمجھ بے قر ہے ہو
آئے ہی تریکے غنچہ دل میرا کھیل گیا
کیا لائی ہوئے یار نسیم سحر ہے ہو
ہوتا نہیں ہے بڑا کتری ختم سلسلہ
مجزو ہے زلف یار کا مجھوں اگر ہے ہو

نہیں گو تا ب نظارہ مگر دل کی یہی جہنم ہے
بلا سے خاک ہو حبائیں جمال یار دیکھیں تو
نہاں ہیں وہ تو دل میں ڈھونڈتے ہیں عالم میں
ذرا گردن جھکا کر طالب دیدار دیکھیں تو

ریشک کیوں گرد چین دیکھ کے دیوار نہ ہو
تجھ میں لے حلقہ آغوش جو وہ یار نہ ہو
چھیرتا ہے مجھے ہنس ہنس کے وہ ماہ شبِ بھر
ڈرتا ہوں غیر کا یہ طالع بیدار نہ ہو
چھین لے وہ تار نگاہ و درونداں پسری
دیکھتے تو موت مبارک تجھے یہ یار نہ ہو
آیا کہتا یہ دم نزع خیال لب یار
ابھی مایوس شفا اے دل بیمار نہ ہو
آیا آنکھوں میں اندھیرا جو طلب میں تھک کر
سمجھا میں یار کا یہ سایہ دیوار نہ ہو
منبتے ہو رونے پہ مے کہیں دانا نہ پڑے
انہیں نالوں میں کوئی نالہ اثر دار نہ ہو
ہاں گرا اس تنِ خاکی پہ تو بجلی لے آہ
وصل ہے پھر یہ اگر بیچ میں دیوار نہ ہو
لے اہل ٹھہر ابھی اور مجھے گھٹنے دے
کہ جنازہ مرا کاڈھے پہ انہیں بار نہ ہو
طائر جاں فقس تن سے نکل جیسے مگر

مرضِ دل دہمِ محنت میں گرفتار نہ ہو
مرضِ دل دہمِ محنت میں گرفتار نہ ہو
چھپ کے غلوت میں تصور کی وہ آئے تو کہا
مطلع اس سے کوئی اور خیر دار نہ ہو
صبح پیری نے کئے انجسمِ زندانِ نابود
غافل و حیف ہے تم اس پہ بھی بیدار نہ ہو
ہر ہے داغِ فلک کو بے یہ حسرت کہ وہ لے
جوں زمیں عاملِ نفسِ قدیم یار نہ ہو
سبے آنکھوں میں تصور بھی ترا لے شد حسن
قید تنہائی پہتے حسرت دیدار نہ ہو

دل کو کیوں عشق کی راہ کاٹنی دشوار نہ ہو
اُبھری یہ ٹخوں میں نہا کر تری تلوار نہ ہو
پھر رہی آنکھوں میں اسکی تری دھار نہ ہو
طول اس ہنرہ سرفروزی میں نہ کھینچ اُجے حسن
باعث کش کش خس نظر صفت ار نہ ہو

(۵)

یہ کیا ترے ہوتے افسردہ میخانہ

ہاں لے دل دیوانہ اک نعرۂ مستانہ

نور سے پڑتی ہستی کا سیخانہ
اللہ تری قدرت مسجد میں ہے مینانہ
کہتا ہوا چہرے تاجے محشر میں یہ دیوانہ
عالم مجھے ہو جائے میخانہ ہی میخانہ
کر دیدہ و دل روشن لاشیشہ و پیمانہ
صورت مری سنجیدہ میرت مری زندانہ
یارب مراد ویرانہ، یارب مراد دیوانہ
ہاں بعد ازاں لے دل نعرۂ مستانہ
دیکھ نہ زمانہ میں مجھ کو جیسے سامستانہ

فرزانہ کا شہ زانہ، دیوانہ کا دیوانہ

تبدیل ہو اب ساقی رسم درد میخانہ
جی میں ہے چڑھا جاؤں معین نہ کامیخانہ
دکھلائے کشش اپنی لے تلوار جانانہ
اب مجھ کو براہِ بے مسجد جو کہ میخانہ
ہے آمد و رفت اپنی اس بزم میں دیوانہ
اتنی تو پلاساقی اب اس بھی کیا کمر جو
آنکھیں مری ہوتی ہیں اب بندہ عیشہ کو
میں لاکھ چہرے چہرے ہی پہنچانہ سپہ منزل
ساقی نے بدل ڈالی دنیا مری ہستی کی
ہے تاؤ نہ اس درجہ کرا سچ ذرا بکلی
نغم کو تو بنا شیشہ کر شیشہ کو پیمانہ
لا ساقی دریا دل پیمانہ پہ پیمانہ
کھنکھن میں نہ بلبل ہے محفل میں نہ پرانہ
سمجھا میں ازاں کو بھی اک نعرۂ مستانہ
آف درد و توبہ ہے اک دردِ فہمیخانہ
لہر بر تو ہو جیتے یہ عسکر کا پیمانہ
ہاں ایک جھجک اُبتلے جلوتہ جانانہ
کچھ تو ہی سہارا ہے لے لغزشِ مستانہ
آنکھیں ہیں کر میخانے دل بے کمر پری خانہ
تیزی پہ ہے کئے ساقی اُرت جائے نہ میخانہ

میں خانہ اُلٹ جائے کیا ہی پلٹ جاتے
ہاں اُسے قدم ساقی اک لغزشِ مستانہ
پہنچی ہے طلب میری تدبیر کی سحر پر
لے آئے اب تو خدا حافظ اُسے ہمتِ مردانہ
پہنچیں گے بھلا نالے کیا مسیریِ خموشی کو
اک شوخ شش بیل ہے اک سوزِ ششِ پروانہ
عاشق تو ہے اُسے اعظم ہر وقت عباد میں
اشکوں کا تسلسل ہے اک سجدہ مستندانہ
مخدوب کو جب دیکھا محفل کی طرف آتے
گھبرا کے پکار اُسے دیوانہ ہے دیوانہ

پھر ہے بجز و برکت تک اللہ
لگا دے بس پار میرا سفینہ
میں جنت میں بھی پھر رہا ہوں یہ کہتا
دینہ، دینہ، دینہ، دینہ، دینہ
فلکِ مہجر میں چال کیا سست کو دی
کہ ایک ایک دن آئے اک اک مہینہ
بیک جذبِ مجنون ہے تاباں پہنچا
جو سالک ہیں آئیں وہ زمینہ بہ زمینہ

ادا جو ہر بانی کا تری کیا مہرباں بدلہ
جگر بدلہ، نہ دل بدلہ، نہ سر بدلہ نہ جاں بدلہ

(ی)

بقول میر تقی
وہ آئے بزم میں اتنا تو مہینہ نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی
بقول میر تقی
یہ کس نے آئے ہی الٹی نقاب چہرے سے
کہ جھلانے لگے سب چراغِ محفل کے
مگر حضرت خواجہ صاحب نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی تو شمعِ محفل کی
سکول میں بھی نمایاں ہیں مکی بنابیاں دل کی
پتنگوں کے عوض اڑنے لگیں چکریاں دل کی
تڑپنے کو ہے گویا مضطرب تصویرِ بسمل کی

کدوم میں دونوں عالم سے گذر کر پہلی منزل کی
 سفیر کا مانی ہیں یہی ہاکا میساں دل کی
 اگر پیش نظر کر دوں میں بزم آریاں دل کی
 سفر محدود ہو جن کا انہیں ہوشگر منزل کی
 انہیں غلوت بنی میں کھتی ہے تیرا اہل مغل کی
 مگر یہ پرسکون ہو جس خبر دیتی ہیں سال کی
 کوئی دیکھے کوئی جولا نیاں دل کی
 اب کیا غم یہ سن لی ہے بشاد پر کال کی
 خوش میں اچھی کھلیں اس نکمیں اہل مغل کی
 جس خیرات دن لے ہمسفر چلنے سے مطلب ہے
 کی تکلیف فرما کر وہ آئے ہیں تو کیا آئے
 دالوں میں مزا تھا وہ کہاں ان پر آہوں میں

ہیں کوئی مکان ہیں ہونہ رکھی جاسکے لے دل

غضب کچھا وہ چنگاری مری منی میں شامل کی

شبلی منزل میں نشست : حضرت پھولوری، شاہ ولی اللہ، حضرت ندوی

اب سعود علی ندوی جیسے اکابر تشریف فرما تھے۔ یہ غزل پڑھی، خواجہ نے اس شعر پر پہل
 اب (شاعر) سے پوچھا کچھ میں آیا؟ عرض کی اہل دل ہی اس کو کچھ سکتے ہیں۔ دماغ
 نہیں ہے۔ پھولوری نے فرمایا کہ قلب پر کسی خاص حقانی ربانی کا ظہور ہوا ہے۔

کوئی دیکھے تو یہ راہ طلب میں آرزو میری
 کہ میں بیٹھا ہوں منزل کرے خود جستجو میری
 ضاحا ظ نہیں سستی جو تو لے آرزو میری
 نکلتی ہے تو لے پھر جانہ میں تیرا نہ تو میری
 نہیں منت کشش تقریر شرح آرزو میری
 ہوئی آنکھوں ہی آنکھوں میں کسی سے گفتگو میری

کہ آئے نزع میں مجبوریاں مست رہی
 میں روک تمام تو سب کر چکا ہوں باہر کی
 ہوں گی خستہ کچھ گردشیں مقدس کی
 نہ روک روک کے چلوں میں ڈال لے ساتی
 اٹھا اٹھا ارے سینہ سے جلد ہاتھ اٹھا
 ہے بیڑیوں میں بھی صبر الزور، دیوانہ
 نکالیں حسرتیں دم بھر میں زندگی بھر کی
 بچھاؤں ہاتھ میں کچھ کوئی ہوئی گھر کی
 طلب ہے ایک مقیم حریم بے در کی
 انڈیل دے کہ مجھے پیاس ہے سمنہ کی
 رکی رکی حرکت تلمب مضطر کی
 دکا تو پاؤں رکیں گے نہ گردشیں سر کی

وہ دھل جو کہ جُدائی، وہ شوق جو کہ تڑپ
یہ منہ لگا ہے ہزاروں کی پھر ہے لب بستہ
اندھیریاں مری شب میں ہیں خبر کی لئے دل
کئے تو اُلوں کوئی دم بھر بھی ضبط سوزِ درد
بہی بچا مجھے آگرتیہ نہ امانتِ ستم
گھر ہے رندوں سے ساقی عجب ہے ہنگامہ
جائے نثر کا پیا سا ہے آپ کا خنجر

یہ بہتہ لب ہے نہ کہہ اس قل قل لئے طین
نہ چھیڑ دیکھ وہ بھرائی آنکھ ساغر کی

ہو نہیں آنے لگیں اب تو کوئے دہر کی
تلاشیں یا رُوح ہے کرتلاشیں رہبر کی
مرا لہو ہی پیو، گویو نہ ساعسہ کی
جو نالے کرتے پھرے کو کوئیوں سے
قضا کی طرح نہ آگرتی شبِ فرقت
گلے پہ چھیر کے اک جالِ لب کے خنجرِ ناز
کیا تو برق نے لاکھ آہستہ، جملت کا
استارہ تھا کہ ہے عمر بھر یہی صورت
دنی ہے تیری لعل میں مرنے میں تو دل کے
نہ پوچھ چاہیے کیا، لا بھی یارِ دیر نہ کر
یہ ہے آگے لئے دلِ بدست پائے صنم
یہ نہ یہ غم نہیں ہاں ہو بھی رفق پر یوں کا
بناتے خانہ دلِ رشک آئینہ خانہ
لہو کے گھونٹ تو پیتے رہو تمہیں ہم

برہنہ پا بھی ہے مجھ کو جسے سر برہنہ بھی
خبر نہ پاؤں کی اس کو نہ سدھ لے سکر کی

بڑھائے آہ ذرا چالِ قلبِ مضطر کی
کہ ہے یہ جھول جھپٹاں ہزار بار کی
قلمِ خدا کی تہیں ہاں قسم پیسہ کی
منادی دل نہ لگانے کی ہم نے گھر گھر کی
کہ جان لے ہی کے بالیں سے یہ بلا سہ کی
وہ آگے بیٹھے ہیں جیسے بڑی بہم سہ کی
نہ پھر بھی کھینچ سکی تصویرِ قلبِ مضطر کی
وہ کھینچ لے گئے تصویرِ پائے شمشدہ کی
لگا ہے منہ کو تے بن پڑی ہے ساغر کی
وہی وہی اسے ہاں وہی تو ساغر کی
چلا یہ جھک کے کہہ کر کو خبر تو لے سہ کی
اڑیں بھی تو ملیں یار و شرابِ اہم کی
یہ صنعتیں کوئی دیکھے مرے سکندر کی
یہاں تو یارِ لبس اب ٹھیرتی ساغر کی

یاد بھی ہے وصل کی کچھ بات فرمائی ہوئی

یا وہ ان باتوں ہی باتوں میں گئی آئی ہٹوئی

کیا کرے اک ساتھ اک دنیا کی پہ آئی ہوئی
روک رک لے جذب لہن چھڑا کر وہ چلے
آگئے تم کیا کہ دم انگا کا انگارہ گسی
تلخ کوئی سے تری کیا ہو طبیعت بدمزہ
کیا ہوا ہم کو نصیب اس گلشن ایسا دے
ہے طبیعت کا کسی پر آئے پھر جانا محال
سارے مردوں میں ہی میرے پلے ڈال دی
اب تو لے ناصح سمجھ میں آ گیا سب کچھ مگر
مر رہا تھا تو کہاں؟ لے ناصح ناداں بتا
کوئے قال میں قضا پھرتی ہے گھبرائی ہوئی
جار ہی ہے کسی ولت ہائے آتھ آئی ہوئی
نزع میں رکھو گے یہ اچھی سیجائی ہوئی
ہر آدا تیری جوارے ہی کو ہے بجائی ہوئی
اک کلی دل کی ملی سو وہ بھی مڑھجائی ہوئی
کیا قضا بھی ملے دیکھی ہے کہیں آئی ہوئی
کیا ٹھہرتی قبر میں یہ ان کی ٹھکرائی ہوئی
یاد بھی رہتی ہو کوئی بات سمجھائی ہوئی
سب کو جیب سے ازل تقسیم دانائی ہوئی

دیکھ لے کہتے ہیں لے مجھوں اسے جذب جوں

دیکھ کر مجھ کو لب کو لیتے بھی سودائی ہوئی

کیا مری فدا خالی جائے گی
جب میں دیکھوں گا ہمالی جائے گی
دیکھ کر گردن جھٹکالی جائے گی
چھر طبیعت کیا سنبھالی جائے گی
جو نہ مانی اور نہ ٹالی جائے گی
یہ بڑے نازوں سے پالی جائے گی
کیا بھری برسات خالی جائے گی
حسن کی دنیا بالی جائے گی
اور اک بوتل منگالی جائے گی
میں کہوں گا فی نکالی جائے گی
کوئی صورت بھی نکالی جائے گی
روح پھولوں میں بالی جائے گی
کیا نظر مجھ پر نہ ڈالی جائے گی
یوں نظر تو مجھ پر ڈالی جائے گی
یوں نظر عاشق پہ ڈالی جائے گی
اک ذرا مرضی جو پالی جائے گی
بات وہ منہ سے نکالی جائے گی
نذر حسرت، خون دل، خونِ جگر
ہلے یاسے میں ہے تو ساقی کہاں؟
دل میں دے دے کر حسینوں کو جگہ
گئے گا گر بزمئے میں محتجب
خیر کی مائیں گے بے چون و چرا
لیں لامست ہی کو ہیں اجاب سب
کیا خزاں کا غم گلوں کی یاد سے

آزہا ہے مجھو متا وہ مست ناز
اب طبیعت کیا سنبھالی جائے گی

جب بھی سے لگالی جائے گی
راہوں پر سے اچھالی جائے گی
بے سوالی بھی نہ خالی جائے گی
لاکھ ہو بکسر محبت پر خطہ
لرزہ بر اندام ہیں کون و مکاں
جس کو تاکوں گا ششیں کے لیے
داغ دل چھکے گا بن کر آفتاب
یاد تیرے بڑھتے بڑھتے ایک دن
مہم غریبوں کو دیتے جائیگے داغ
سب ترا پر وہ دھارہ جائے گا
باندھ کر اس کا تصور چشم شوق
مہر کے خم بھی نہ جس نے کا سہار
شیخ پینے کا ارادہ تو کریں
ستیاں مجھو تو اب زیب نہیں
دقت پیرانہ سالی جائے گی

شیخ کی پگڑی اچھالی جائے گی
آج بھی بوتل جو خالی جائے گی
مے بھی یوں طاہر بنالی جائے گی
محب نگاہ لطف ڈالی جائے گی
اور تو نکلیں ہی گئے خرقے سے کام
ڈال کر اُن پر نظر لے چشم شوق
ہاتے کہنا اُن کا عرض وصل پر
سرکشی سر سے نکالی جائے گی
مار کر سرد توڑ ڈالی جائے گی
آپ زمزم میں طالی جائے گی
محب مری آشفہ حالی جائے گی
اس میں بوتل بھی چھپالی جائے گی
جان آفت میں نہ ڈالی جائے گی
جاؤ کچھ صورت نکالی جائے گی

نئے چکا ہوں دولوں عالم میکش
یہ نگراں نے تم سے کیا لی جائے گی
اور ہو جائیں گی پیدا سیکڑوں
اک اگر حسرت نکالی جسے گی
اور میں یقین تو بہ شیخ جی
وقتِ فرمانِ عالی جائے گی
کیا ہے گا دل یونہی محروم فیض
کیا یہ جھولی یونہی خالی جائے گی
اور کیا موقع ہے اب تو قبر میں
مستی پرانہ سال جائے گی
پاس جو کچھ تھا وہ صرف نے ہوا
اب نہ کیوں مسجد سنبھالی جائے گی
یہ سن لے مجز و تیریں اس پر ختم ہے ختم
حب تری بے اعتدالی جائے گی

ہو تم یہ ہے مہربانی تمہاری
بڑھاپا مرا نوجوانی تمہاری
بڑھاپے میں سب کی اہل جان لیا
مری جان لیا جوانی تمہاری
غضب پر غضب ہے ستم پر ستم ہے
یہ حسن اور اس پر جوانی تمہاری
جو بگڑے مری بات بگڑے بلا سے
مگر بات مجھ کو بسنی تمہاری

لیا جائے کس انداز سے ظالم نے نظر کی
حالت ہی نہ گروں ہے مے قلب جگر کی
پھٹکا ہوں شبِ روزِ بسترِ علم پر
ہوتی ہے بڑی لائے گی آگِ حبِ گھر کی
کالے نہیں کشتا تری فرقت کا زمانہ
ہوتی نہیں اب شامِ جو مرم کے سحر کی
اغیار سے ہنس ہنس کے کیا کرتے ہیں باتیں
پڑا ہوں انہیں کیلے کسی دیدہ تر کی
اندازِ تلافی بھی تو دلکش ہے تمہارا
جھٹ پھیر لیا منہ کو جو بھولے سے نظر کی
ہر لفظ نگاہ کر کے گراتے ہے کبھی
اچھی یہ رعایت ہے مے سوزِ حبِ گھر کی
سب چھوڑ دیں اس کشتہ غفلت کو خدایہ
ناز ان کا بڑھا اور بھی میں نے جو خوب کی

کمال لائے زمین پر تیرے ستانے نہیں ساقی
چھکا ڈالے ہیں لاکھوں آفرین آفرین ساقی
بھٹکا ہوں میں رازِ حسن تیرے ساقی
یہ ہے اک عکس نورِ قلب کا نورِ جیس ساقی

تو وہ عالم ہے اب جیسے مونا تم میں نہیں ساقی
تو بس پھر من و سلوی سے مجھے نازِ جوں ساقی
شجر ساقی، جگر ساقی، فلک ساقی، زمیں ساقی
کہ کیاں ہیں مے نے امانِ جیب سے استیں ساقی
اُتر آیا زمیں پر آج کیا عرشِش بریں ساقی
ہو اُعلمِ یقین، مینِ یقین، حقِ یقین ساقی
مکھ مکھ رخص کرتی رُوحِ وقت کہیں ساقی
ہمیں ساغرِ کہیں نے کش، ہمیں سینا کہیں ساقی
ہمیں خم ہیں ہمیں ساغرِ ہمیں میکش ہیں ساقی
میں کہتا ہی رہا ہاں ہاں نہیں ساقی نہیں ساقی
ترے انداز نے بخشی پہ پہ صدفِ فریں ساقی

جو زیبِ حلقہ زنداں ہے تو لے مجھیں ساقی
اگر ملتی ہے تھوڑی سی دُور تہہ نشیں ساقی
مجھے ہر شے ہے ساقی جب کہ ہے نشیں ساقی
ہو اب تیر و حدت کا مجھے مینِ اہتیں ساقی
تری نخل میں کیا انوار ہیں اے مجھیں ساقی
تے زندوں پہ سارے کھل گئے اسرار دیں ساقی
شراب تلخ دے مجھ کو بجائے انجبین ساقی
عجب ہے تیرے میخانے کا اے ہر میخانِ عالم
ازل کے مست ہیں کتنے ہیں تم فطرت ہی عشا
زبردستی لگا دی آج تو ملِ مست سے ساقی
سے ہشیار پنی کر خم کے خم بھی تیرے توالے

الہی خمیر ہو معجز و بے غانے میں آیا ہے
قدح کشِ اُبال، جامِ نازک، نازِ نہیں ساقی

جہاں گردن جھکا کر بیٹھ جاؤں میں ہیں ساقی
شراب تلخ ہو جائے نباتِ انگبین ساقی
شجر ساقی، جگر ساقی، فلک ساقی، زمیں ساقی
یہاں جس کو نہیں لکھیں کہیں کہیں نہیں ساقی
دُمِ خست تو غرض ہو جائے یہ جانِ حزن ساقی
نے مگر گت سے سیرا ہے یہ سرزمین ساقی
شرابِ تشیں کا جامِ چشمِ خشک ساقی
تے زندوں بھی اُن کے لٹکیں کیا کیا ہیں ساقی
میں نیکش نہ تم ہر گھر جو ہے غلوت میں ساقی
میں وہ بخوار ہوں جس نے تم اکس میں ساقی

یہاں تو محتسبِ حروقت ہے اب دین ساقی
پلا آتی کہ مٹ جائے تم دُنیا دیں ساقی
میں فطری مست ہیں میسے ہزار دنِ ہمیشیں ساقی
مٹا دیا ہے تو دم میں غم دُنیا دیں ساقی
خدا را اک نگاہِ مست و وقتِ دہس ساقی
نہ میخانہ ہے کیوں رشکِ فردوس بریں ساقی
مجھے اک موجِ مے ہے یہ تری چینِ چین ساقی
بُر اسب کہ رہا ہیں ایل دُنیا ایل دیں ساقی
پلانے کا بلا انداز جب خود پنی کے نکلے گا
نہ چھوڑے محتسبِ مین میں نے وحدت کا متوالا

لے ایمان کے مختلف درجات - تفصیل کے لئے سورہ نکاتر ملاحظہ فرمائیں -

مگر ہے اس کھوں کو ترک کی علم رنڈوں کو بھی زیادہ
غیر بھی ہے وہاں ہو گئے شیخ المذنب ساقی
پتہ ہی ان بخششوں یا الھی جان دل صدقے
کہ مجھ سے بدترین کو بہترین سے بہترین ساقی
دو عالم سے ہوا جد و جہد ایک سے ایک ساقی
ہوئے طے سب مہل اولین و آخرین ساقی

لکھا مٹی ہے تو بھی کھول زلف عنبریں ساقی
تھے موت اور پھر اُف چشم سترنگیں ساقی
میں گاہیں نہ ہرگز لاکھ ہو خوشگلیں ساقی
خیر کس مٹی کی دی تو نے شراب ستریں ساقی
میں آخر تو اٹھ جانے یہ چشم سترنگیں ساقی
میں ہوں اب تک محرم مجھے وقت پس ساقی
مجھے سیکھئے میرے جنت کے حاصل ہیں یہیں ساقی
وہاں نہ رہے ہیں دل لے مٹی کے رنڈوں کو
پھر تو دہن ہے تیرا پاگ انانوں سے بہتر ہے
پہلے گل بایں ابر سیاہ دبرق تاباں ہے

ترے ہوتے ملک سے کیوں ہو شرمندہ زہیں ساقی
مے دو آتش ہے یہ شراب آتشیں ساقی
مجھ جوئے سب سے بہتر ہے مٹی سے ہیں ساقی
کہ پیتے ہی رگوں میں بکلیاں سی بھرتیں ساقی
نگاہ مست ملتے ہی نگاہ واپس ساقی
میری محنت کی تپتے میکہ میں کیا نہیں ساقی
کہ کوڑے صے غلام بیچے، تو خوریں ساقی
عنص ہے دیکھنا تیرا چشم سترنگیں ساقی
مگر یاں چاک ہے انکوں سے تر ہے آئیں ساقی
کہ در کف سا غرو بردوش زلف عنبریں ساقی

ابن ہبار اوب لکھو کاس لاند آل انڈیا مشاعرہ۔ شیخ سیکر ٹری سوز شاہ جہانپوری
نے رات تقریباً آج کے خواجہ صاحب کو دعوت کلام دی۔ ان کے ظاہر کو دیکھ کر لوگ ہنس دیتے۔
لیکن سرخ سفید رنگت، سفید داڑھی، سفید براق سا اچکن نما انگرکھا۔ آواز آئی ”یہ مسجد نہیں ہے“
مٹی خریف البص نے نشتروں کے پھل طرف اذان دینا شروع کر دی۔ ایک مسخرے نے ہانک لگائی۔
”غلط حساب آگے حضرت! ان سب باتوں کو نظر انداز کر کے خواجہ صاحب نے اپنے مسخوڑ کن
ترقم اور امانت انداز سے یہ شعر پڑھا۔ ایک دم سناٹا، مکرر کی صدا میں۔ پھر جو داؤ کا طوفان اٹھا تو کان
پڑی آواز سنانا نہ دی۔ بعد خواجہ صاحب نے ذرا کرک کے یہ شعر پڑھا۔ تو جمع میں ذرا ہنس
پڑی۔ داؤ کے دو گھر سے برسے۔ بے خودی میں غزل سرا۔ خدا خدا کر کے غزل ختم۔ ایک اور ایک
اور کی صدا میں۔ اس ایک اور کا نتیجہ یہ نکلا کہ فجر کی اذان ہو گئی۔ آخر کار خواجہ صاحب مسجد کو
پہنچا۔ اور محل پر غصہ ہوئی۔

نظر میں جانچ لیتا ہے کہ کس کا ظرف بکتاب ہے
دکھائے کوئی ایسا نکتہ رس اور دور میں ساقی

جہاں بچ کو بچایا کہاں پیڑنساں تو نے مرا میخانہ آبِ لاہوتی روحِ الامیں ساقی
گدا سے میکہ ہوں مست ہوں اپنی گدائی میں پیسے سنگ در میخانہ مجھ کو شہ نشیں ساقی
ربائی گریہ دم دندوں کو لے ٹوٹی نہیں آتا کہ رکھتا ہے لب خنداں دل اندوگیں ساقی
یہی باتیں تو مجھ کو قریب اپنی بڑ میں بھی سنانا ہے
درا سبھلے ہوئے لفظوں میں جو تو نے کہیں ساقی

جو برسات آتی دنیا بھر کی چیزیں گئیں ساقی شجر ساقی، حجر ساقی، فلک ساقی، زمیں ساقی
یہاں آنے کو ہے اک نرا ہر سجدہ نشیں ساقی بنا ہے آج میخانے کو ہاں غلہ بریں ساقی
جہاں میں آج تجھ سا کوئی دریا دل نہیں ساقی مے گھر گشت ہے میرا ہے روئے زمیں ساقی
مے شفاف سبک مجھ کو دردِ تہہ نشیں ساقی یہ سب ظہارِ شوق، صراہِ شکوہ نہیں ساقی
مشتام جاں معطر کن زلفِ عنبریں ساقی تڑخم کن کو ایں وقت است وقتِ اہیں ساقی
یہیں سے پاؤں کا ہر قسمت دیا و دیں ساقی کہیں سکون کاؤں سے میکہ میں کیا نہیں ساقی
کیجیے چھو گشت گئی اُف شرابِ آتشیں ساقی اُسے یہ ظلم کچھ خوفِ خدا تجھ کو نہیں ساقی
بہت باتا ہوں میں رندوں میں خوفِ دم میں ساقی بنی اُمم الخاشع بھی شرابِ الصالحیں ساقی
کہوں میں سکون تجھ کو رحمتِ العالمیں ساقی کہ تجھے فیض سے سیرا ہے روئے زمیں ساقی
مری ہستی ہے فطری ایک دم سے نہیں ساقی شجر ساقی، حجر ساقی، فلک ساقی، زمیں ساقی
طلوعِ آفتاب شرم نے کو ہے گردوں پر ترا بھی ہاں چلے دورِ شرابِ آتشیں ساقی
سلامت تیرا میخانہ سلامت تیرے مستانے رہے گارنگ عالم میں یہی تالیوم دیں ساقی

عجب شربت تیرا تجھ کو لے وجدِ قریب کیا سمجھیں
کہیں پیرِ مغان تو ہے کہیں میکش کہیں ساقی

تصورِ عرش پیسے، وقفِ جد ہے جیں میری مرآب پوچھنا کیا، آسمان میرا زمیں میری
اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری
خدا اول نہ بالوں کو کھولے مجھ کو ماساقی اُسے نیتِ ڈاڈا ڈول ہو جائے کہیں میری

اُدھر تو درد نہ کھولے گا اور میں نہ درد چھوڑ دوں
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں تیری کہیں میری
جو ہار ہوں کسی سے ہیں تو ہار ہوں مقتدر سے
جو ٹوٹی ہے کہیں محنت توٹی ہے یہیں میری

ہو صورت گیر حسن و عشق کی دنیا کہیں ہوتی
تمت ہے کہ اب ایسی جگہ کوئی نہیں ہوتی
کبھی صورت شبے پر نہ نگاہ کشہ گئیں ہوتی
بگڑنے لاکہ بن کر گر سیت کہیں ہوتی
نئے شفاف اُڑتی اور پچھٹ نہ نشیں ہوتی
وہاں رہتے جہاں دو دو قبال کا آسمان ہوتا
پتہ چلنا کہ غم میں زندگی کیڑ کر گذرتی ہے
ہجوم آرزو ہے یا کوئی ہنگامہ و حشت
دلکشیاتے مزہ پھر تم کو غم اپنے تڑپنے کا
منازل کو رہ حیرت کہ جوتے وہ میرے آنسو
جلالے زخم دل اس پھولے مند ان کے اول پر
نہیں کرتے وعدہ دید کا وہ حشر سے پیسے
جوان کو دیکھ لیتے غم تو پھر کیا زندہ رہ جاتے
جو مخانہ میں ہے ام المہانت حضرت اعظم

ذرا دیکھو تو غم انصاف ہے جذبات کی ہیست
محبت کے ریاکاروں کی صورت نہیں ہوتی

اگر تھوڑی سی حُب حق بغض پیر مل جاتی
سرو حشی کھی دابستہ زلف دوتا ہوتا
کبھی کچھ مجھ کو ملتا یہ دل پرورد کب ملتا
جو میں شوق شہادت میں سرِ مقل پہنچ جاتا
تو ہاتھ آتی بڑی دولت بڑی جاگیر مل جاتی
جو اس کو باندھتے ایسی کوئی زنجیر مل جاتی
اگر ہمتی سے غیر کی تقدیر مل جاتی
تو بڑھ کر کس محبت سے گلے شمشیر مل جاتی

اگر مجھ کو تو سے ان کا کہیں ملنا بھی ہو جانا
تو ہوتا وصل کیا تصویر سے تصویر مل جاتی

آپ کہتے ہیں کہ رسول مجھے کراتا ہے یہی
اپنے طالب کو ذرا کچھ تو جھک دکھلا دو
ہیں سیر بزم یہ دزدیدہ نگاہیں کس پر
کہ چلا ایک نظر میں جو ہزاروں بسمل
عسمر بھرا بٹ بٹکنا ہوتے کوچہ سے
خون ٹوہاں ہے فدا، ناز بٹاں سیر سحر
خو کے بسمل مجھے قاتل سیر مقل بولا
شکوہ جو رہ کس ناز سے فرماتے ہیں
جس طرف ہو سکے نکل جائے چرچا ہے یہی
کس بھر دس رہے کوئی جرہ دس ہے یہی
تم یہ سو جان سے ہاں دیکھ لو شیدا ہے یہی
دیکھ لو ہاتھ مری جان کا لہو اسے یہی
ہم اسی در پہ نکل جائے تمنا ہے یہی
تم نے دیکھا مرا بانگا مرا چھیدا ہے یہی
دیکھا کیا ہے یہاں روز تماشا ہے یہی
کیوں کوئی آئے یہاں علم کو آتا ہے یہی
انکھ لڑتے ہی گئے ہوش کدھر آئے ناصح
اب تمہیں دیکھ لو مجھ کو سودا ہے یہی

جگر مراد آبادی کے اس شعر پر بھی ہوتی چہار غزلہ - شعر درج ذیل ہے۔

ہر متا دل سے رخصت ہو گئی
ایک دم سے کس محبت ہو گئی
یاس ہی اس دل فطرت ہو گئی
جو مری ہوئی تھی حالت ہو گئی
دل میں داغوں کی وہ کثرت ہو گئی
آگے پہلو میں راحت ہو گئی
عشق میں ذلت بھی عزت ہو گئی
سوگ میں یہ کس کی شرکت ہو گئی
بزم ہاتم بزم عشرت ہو گئی
اب تو آجا بس تو غلوت ہو گئی
ساری دنیا ہی سے نفرت ہو گئی
آرزو جو کی وہ حسرت ہو گئی
خیر اک دُنیا کو عبرت ہو گئی
رُونا اک شانِ وحدت ہو گئی
پل ویلے اٹھ کر قیامت ہو گئی
لی فتنہ دی بار شاہت ہو گئی
سوگ میں یہ کس کی شرکت ہو گئی
بزم ہاتم بزم عشرت ہو گئی

میرے بیٹے کی تو صورت ہو گئی
پہلے عادت پھر عادت ہو گئی
مرہی جاؤں گا جو صحت ہو گئی
رنج کھانے کی جب عادت ہو گئی
ہو گئی اب تو محبت ہو گئی
شک ہے پیدا شکایت ہو گئی
بات جو کہہ دی وہ قیمت ہو گئی
کچھ تو دیکھا جس سے حیرت ہو گئی
اب تو وحشت میری فطرت ہو گئی

میرے غمخواری سی زحمت ہو گئی
ہلاؤں ریاحیں پر تھے زاپٹ سنہ زل
جی رہا ہوں موت کی اُمید پر
منج دینے سے وہ ہار آئے تو کب
و کہ جبر کو اب کہیں پنا ہے دل
نار کا باعث ہوا اپنا نیاز
ایسی ضد کا کیا ٹھکانا ہے بھلا
چشم حیراں شکوہ حو ماں نہ کو
ہلکے پہلاؤں الہی دل کہاں

غیر سے باتیں ہیں ہم سے عذر تھا
آج تم کو خوب فرصت ہو گئی

درد میں پیدا ملاوت ہو گئی
شکر کر مٹی سوارت ہو گئی
بد مزہ اُن کی طبیعت ہو گئی
اب تو مے اور رغبت ہو گئی
بات اتنی تھی قیامت ہو گئی
اٹھ اُسے صبح قیامت ہو گئی
سارے جھگڑوں کفرانت ہو گئی
دشمنی خلق، رحمت ہو گئی
کیا سے کیا اللہ حالت ہو گئی

نے گئی اُن کی شکر بخشی مزہ
فلک میں کس نے ملایا یہ تو دیکھ
دل میں شورش ہو مگر اتنا ابھی کیا
منج سنے واعظ ہے وجہ جس سنے
پڑ گئی تھی اُن پہ بھولے سے نظر
بخت نختہ اور کب جاگے گا تو
اب تو میں ہوں اور شغل یا دوست
اُدھی اُن سے تسلی بڑھ گیا
یا تو مسجد رات دن یا میکہ

تیرے حیراں پوچھتے ہیں چونک کر
اہل جنت کیا قیامت ہو گئی

خیمہ پہ گزری محبت ہو گئی
جان قبل گل کی نگہبت ہو گئی
انتہا ادبے مروت ہو گئی
اللہ اللہ اب یہ ہمت ہو گئی

میں بھی نازک طبع وہ بھی تند خو
مشید کر متیا دیا اب ذبح کر
نزع میں بھی پوچھنے آیا نہ تو
حضرت دل آپ اور ارمان وصل

اس کو ہر ذرہ ہے اک دنیا نے راز
صبح پیری سر پہ اور میں بنے خیر
انتہا لے خواب غفلت ہو گئی
میں گئے صاحب سلامت ہو گئی
آج سب جگڑوں سے فرصت ہو گئی
آج سب قبر میں آرام سے
کوچکے زندگی بس اب معجزاتِ حق
ایک پتو میں یہ عالمت ہو گئی

کیا ت ہو کب ان سے جوں میں پھر نہ ہم
یونے سے تو جڑ کٹی ہے سینہ میں اک
رہتی ہے دھن میں بھی دل بھر لگی ہوئی
دل کی بجھاؤں ہائے میں کھو کر لگی ہوئی
اک ایسی کاری چو شہ ہے دل پر لگی ہوئی
بجھتی نہیں ہے ٹٹے یہ اندر لگی ہوئی
تھانہ بھون میں آج بھی تم جیسے دیکھ لو
پیسو اسبیل ساتی کوڑ لگی ہوئی

(کے)

کسی کی یاد میں زندگی اپنی گزرتی ہے
کہیں روکے سے روکتی ہے یہ ٹھہرائے ٹھہرتی ہے
یہی دنیا کہ جس دنیا پہ دنیا ناز کرتی ہے
ہو قبل مام یا جاں کنشی عشاق ہو جائے
اسی کی تو بدلت بھرتی ہے برباد عالم میں
ذرا بچتا ہے ظالم کہ چشم مست ساتی کی
باد میت ہے تیرا عکس رخ اس کو بھی آئینہ
ہوس کی کیا تھے بدنام محبت کو
اے دونوں جہاں سے غم نہ کھو کھاسے کیا کہیے
مری چشم تصور مصحف رخ خفا کرتی ہے
نظر ملتے ہی وہ برق نگاہ دل میں اترتی ہے
ترسے زندوں کے دل سے نشہ چڑھتے ہی اترتی ہے
جو کہتی ہے تری چشم سخن گو کر گزرتی ہے
ہماری آہ بھر بھی دم اپنی ظالم کا بھرتی ہے
نگاہ میں زاہد صد سالہ کوئے خوار کرتی ہے
تری تصویر پتھر میں بھی تولدے بُت اترتی ہے
وہ رسوا ہوں کہ بدنامی بھی مجھ کو نام دھرتی ہے
مصیبت میں ہے جاں اپنی نہایت ہے مرنی ہے

دہانے سے طبیعت اور بھی دُورنی اُٹھرتی ہے
یہ کشتی بھی عجب ہے دُوب کبھی پار اُترتی ہے
پسینہ پونچھنے سے جب تہی رنگت نکھرتی ہے

ردال اس آفتاب شیشے دل کو نہیں ہوتا

شرابِ عشق لے ساقی ہمیں چڑھ کر اُترتی ہے

کبھی کو دیکھتے ہی اسکی بھی صورت اُترتی ہے
جو ہیں یہ چکیاں پہم قضا کو یاد کرتی ہے
نظرِ آبِ انکی رخ پر زلف بن بن کر اُترتی ہے
کہ دل پر بن رہی کیا چکر پر کسب گذرتی ہے
گذرتی ہے ہماری جان پر جو کچھ گذرتی ہے
سنور نے میں گزرتی ہے بگڑنے میں سمورتی ہے
کسی کو کیا خبر دل پر ہمارے کیا گذرتی ہے
تے ہوئے قضا آتی ہوئی مقتل میں ذرتی ہے
یہاں تو آبِ جنابِ یح پینے کی ٹھہرتی ہے
بھری برسات میں ساقی ہمیں نیت بھی بھرتی ہے

مگر سدا آہ گرم اس جانِ دونوں مصیبت میں

کبھی ہرقت بھی بکھیتی ہے کبھی ہر دم ٹھہرتی ہے

میں ضبطِ فغاں کی ہائے کجا تدبیر لے ہمدم
مگر خف میں غرق ہو کر غم نے حاصل کی
پار و توڑ جانے حسن کا عالم ہی کب ہوگا

خارا داغ دل جو ہر کو کرتا ہے کشتِ مرند
کجا ہو یاد انھوں نے یہ میر لعل غم کی کب قسمت
لہیرِ نزع میں آنکھوں چھایا پتلیاں پھیلیں
پہلیں احس پی کر عشق کی داروئے بیہوشی
گذرتی ہے تمہاری خوب عزیزوں میں تمہیں مطلب
دارِ گمستہ دُنیا سے ان کی زلف پر خرم کا
گڑتے ہیں جامے سامنے سے جب اٹھلائے
بکشتِ نغمہ سے اپنے بسملوں کی سخت جانی کا
کجا بیٹھا ہے کوئی کہاں ہم آپ کی خاطر
کجا دُور پر گھٹائیں آتی ہیں ساغر پر ماسفر

جو عشق کے طریق تھے وہ سب بتا دیئے
جیسے چرخِ دل میں ہزاروں جلا دیئے
دیکھئے نہ جو کبھی تھے وہ جلوئے کھلا دیئے
اس اک محرم نے جتنے ستم تھے بھلا دیئے
تو نے تو میرے دونوں جہاں جلا دیئے
دیتے تھے جو دُخواں وہ دیئے سب بچھا دیئے
سب رازِ حسن کیسے یہ سب بچھا دیئے
جتنے بھی دل میں جوش اٹھے سب دیا دیئے

شعروں میں محرم کو درس بقا و فنا دیئے
لے سوزِ عشق تو نے مجھے داغ کیا دیئے
میں نے حکیمِ ناز کے پرے اٹھا دیئے
چپکے پاس آ کے در اُسکرا دیئے
لے جذبِ لہجہ دل و دیدہ میں اب انھیں
اسمیکے دل کی ہر دم مست میں اب تو آ
اک حرف بھی زباں سے نکالا نہ آپ نے
ہونے و یا نہ ہوش کو مغلوبِ عشق میں

سننے ہو کیا کہ جس رہ دشوار عشق نے
اکس پر تو نے جمال نے روشن کیے ہمنز
جب مجھ پران عشق سے کی اس نے باز پرس
لے ہر حسن یہ تری ذرہ لوازیں
قاہم ہے یہ ہمت مردانہ دم ترا
لے عشق خوار یہ تری ذلت پسندیاں
دینار اور درم جو دیتے تیری راہ میں
معجز و بے نام نہ تو یہ سن کر ہی رو دیا

میں کیا بنوں رہبروں کے قدم ڈنگا دینے
اور اس قدر کہ عیب کے سب چھپا دینے
کچھ کہہ سکے نہ منہ سے مگر سر جھکا دینے
شاہوں کے تو نے پیش لدا سر جھکا دینے
اکھڑے ہوئے قدم بھی مے پھر جا دینے
مسند میں بھی خاک پہ تو نے بٹھا دینے
اب ان کو کیا کہوں تے لئے میں نے یا دینے
جاٹم نے تم کو چھوڑ دیا بے سزا دینے

مجاز و بے تو ہے جامع رندی و اقصا
زاہد بھی تم نے ہم صفت رندال بٹھا دینے

گھر کیا ایسا تصور میں تری تصویر نے
آہ بھی کی جب دل بیگانہ تدبیر نے
صورت بے ل گذاری عمر بھر ٹھہر نے
کب ذرا چلنے دیا چھوٹی ٹوٹی تقدیر نے
کب کیا بے دل مجھے جتا د کی تھیر نے
خواب کی لذت سے بھی محروم ناحق کر دیا
اہل دل جتنے تھے سب کے ہو گئے کرگوش ہوش
ہائے کس انداز سے وہ چشم خوابید ہے باز

دی مجھے تقریر کی لذت تری تحریر نے
آکے جب سولہ رگڑی ناک خود تاثیر نے
تیرے بڑھ کر کام کیا افسان تیرے
ہر قسم پر ٹھوکریں کھائیں مرتی تیرے
بھر لیا ہے رُپ ذلت کا مری توقیر نے
کر کے بیدار اضطراب حسرت تعبیر نے
آہ بے آواز کی کس عاشق دل گیر نے
ہائے کیا چھیکے ہیں تیرا اس ترکش تیرے

لاکھ کہیے مار ڈالا باور آتا ہے کسے
ہائے کیا چھوٹا کیا اس قیل بے نشیر نے

تیرے قدموں چھڑنا حشر نے جاہا بہت
تاریانہ ہو گئی لے محنت بہر سمنہ
ڈالتے ہو خاک کس پر کچھ خبر ہے حاکم
شاہ قہر پائل آکے کہا ہے مرے

شکل ہی بدلی نہ میری خاک ہن گیر نے
اور جھڑکا یا ہے شوق نے تری تعزیر نے
مجھ کو چمکایا ہے کس کے حسن عالمگیر نے
ننگ کر رکھا ہے اس بیگانہ تدبیر نے

کیا جس ہونٹوں ہی ہونٹوں میں ہی تصویر نے
خامہ فرسائی ہی کی یوں کا تیر نقدیر نے
دی تڑپ کر جان کس اہستہ زنجیر نے
دے دیتے دھکے مری تدبیر کو نقدیر نے
کب کیا رنج نالہ بیگانہ تاشیر نے
حل کیا اس مصعب رخ کو اسی تفسیر نے
جس نے منہ موڑا ہمارے یا تہائے تیر نے
ولیں کیا کیا دکھائی ہیں مری تو قیس نے
صور سچو دکھا وہاں پر حلقہ زنجیر نے
کسی چمکا دی مری تقدیر اس تدبیر نے
اپنے گہوارہ میں مجھ کو گردش نقدیر نے

اُسے خیمہ صبح گراں بن گئے روزِ ازل
ناک اُڑائی تھی جو میری گردش نقدیر نے

میرے گوش جان سے گوش ہوش سے لپچھ کوئی
بے سارکنا تھا جب پر آغا فل کش کے
ایسے اینٹ آج رنداں کی بجی اٹھا وہ شود
لاکھ کوشش کی کہ ہو جائے خم آغوش اس اثر
لاکھ اثر پھر راز لپیچے مگر اے ذوقِ عسَم
شرحِ حُسنِ یار ہے حُسنِ حیدانِ جہاں
مب زکا نالہ ہمارا پھیر لی تو نے نگاہ
یا جنازہ کی وہ رفعت یا یہ پستی قبر کی
خیر ہے یارب یہ پہنچا کون در پر یار کے
جبہ سالی سے تھے ور کی ہوا میں سرِ غرور
ہیں ہوا پیدا تو بیکس پا کے فوراً رکھ لیا

کام اکس کا گھر کس لور و نا ہے لانا ہے
ہنسوں کو زلانا ہے روتوں کو ہنسانا ہے
آنکھوں میں تو آنسو ہیں اور لب ترا نا ہے
پنیا یہ ترا گویا و نسب کو پلانا ہے
بدتر ہے نہ کہنے سے یہ کہنے میں آنا ہے
معلوم کو آب اپنے مشہود بنانا ہے
محبوب خود اک زندہ محبتوں زمانہ ہے
سو بار اگر روٹھیں سو بار مستانا ہے
گھس گھس کے جیس در پر بگڑی کو بنانا ہے
شک وہ نہ کبھی لب پر لایا ہوا لانا ہے

مجدوب بگنا ہے

بربادِ محبت ہے، رسوا کے زمانہ ہے

مجدوب کو بولنا ہے
افسانہ عمر اپنا ہنسوں کے سنا نا ہے
مجدوب سے کیسا ہے رونا ہے کہ گانا ہے
مجدوب ترا پیر آج ایک زمانہ ہے
اتے ہی یہ کہتے ہوں آب میں جانا ہے
اے درد آبِ نصرت میخانہ کو جانا ہے
یوں قیس کے قصہ کو سنے ہو فسانہ ہے
جب دل ہی لگا بیٹھے ہر ناز اٹھانا ہے
جیس طرح بھی ممکن ہو آج اُن کو ملنا ہے
ہاں یار ملے تو جتنا بھی سستا نا ہے

عشاق تیر

لا حول ولا قوۃ کیا اُسٹا زمانہ ہے
 سہ رکھ سکے ہستی پر میدان میں اُٹنے
 کیا میرے گت بول کا اللہ ٹھکانہ ہے
 ساقی نے اُٹھ کرے ساغر کو مے بھر دے
 وہ بارگاہ عالی خود سب سے بے کستنی
 جو اُگل کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت
 کرفش کو نسبت ہے سداکار دو عالم ہے
 حسن اپنی جگہ تاباں عشق اپنی جگہ سوزاں
 سمجھو نہ رگیں ان کو یہ تار ہیں بجلی کے
 یسٹن کی بے رنگی فیش کی ہے نیرنگی
 بڑا ہٹ بانوں میں کو کچھ نہ کوئی سمجھے
 زخمی جی کیا کس کو سینے میں چھپے دل کو

کیوں تم نے بنایا ہے معجز و رب کو دیوانہ
 کیوں راز نہاں اپنا دُنیا کو سنا ہے

عبث کہتا ہے چارہ گر یہاں تک تھا یہاں تک ہے
 وہ کیا جلنے کو زخمِ دل کہاں تک تھا کہاں تک ہے
 مرا غاموش ہو جانا دلیل مرگ ہے گویا
 مثال نے مراجسنا فناں تک تھا فناں تک ہے
 نہ دھوکے مجھے مہم وہ آیا ہے نہ آنے گا
 پیامِ وعدۂ دولت زباں تک تھا زباں تک ہے
 کٹی روتے جی بے تک نہ آگے دیکھئے کیسے ہو
 ہتاؤں کیا کہ دل میں غم کہاں تک تھا کہاں تک ہے
 وہاں تک قیس کب پہنچا وہاں نہ بادِ کعب آیا
 ہیباں میں گذرا اپنا چہاں تک تھا چہاں تک ہے

مجھے تو مسر مجھ رونا ہے یارو کوئی موسم ہو
 یہ مت سمجھو مرا نالہ خدائے یک تھا غزاں تک ہے
 ہم راہ اثر میں اُس نے رکھا تھا نہ رکھا ہے
 وہ نالہ ہے جو اب تک زباں تک تھا زباں تک ہے
 مے ہی دل تک آنا تھا مے ہی دل تک آنا تھا
 خدنگ ناز کا بدلہ میاں تک تھا یہاں تک ہے
 آفت یہ تری خاموشیاں تجھ کو مٹا دیں گی
 لسنے میں تیرا چرپ خاں تک تھا خاں تک ہے

دل کا تذکرہ تم میرے زور دہ کرتے
 ان کہاں دل صد چاک میں رفو کرتے
 دل و جگر کو نہ اپنے اگرو کرتے
 نہیں کہو کہ اگر عرض کچھ عدو کرتے
 کہ وہ شوق سے تم شہر آرزو کرتے
 میرا وہ شوق سے ہاں غور آرزو کرتے
 وہ طلب میں اٹھیں پاؤں کس توقع پر
 دیانہ یاس نے اتنا بھی عمر بھر موقع

لگایا منہ جو نہ ساقی نے تھا وہ منہ نہ نہ
 کہ ہاں جب م تو پھر کیوں نہ آرزو کرتے

قدم قدم یہ صدائیں ہیں سخن اقرب کی
 لحاظ نہیں کیا میرے جذبے ورنہ
 نہیں تو عید کی لے دوستو خوشی ہوتی
 نکالے بند ہیسا یا کسے کھڑے السنو
 چاہے ان کی تمہارے مرگ لے دل
 اس زو سیاه مگر عاشقوں میں ہم بھی ہیں
 صاحب بنا انہیں اپنی کن ترانی کا
 یونہی گزرتی گئی ایک عمر جستجو کرتے
 زباں میں مری آ آ کے خوب زو کرتے
 معاملہ ہو کہ ہیں خیر و گلو کرتے
 نماز سب لے پڑھی تم ہے وضو کرتے
 نہ آئی شہر مجھے ایسی آرزو کرتے
 سمجھی تو دیدے ہم کو بھی سیر غور کرتے
 وہ گھنگو تو سمجھی ہم سے دوبہ د کرتے

گم نہ قید میں رہ کر بھی پاؤں کا چکر
ہے قفس میں بھی غم گشت چار سو کرتے
رہا خزاں ہی آہمیشہ پیش نظر
چمن میں خاک غم احساں رنگ بگڑا کرتے
نہ دل نواز ہی جب عسجد بھر کوئی پایا
تو کس امید پر غم کوئی آرزو کرتے
یہ حال کیا ہے کہ جب ملنے آئے مجذوب
سنا تمہیں کسی غائب سے گفتگو کرتے

بس ایک بجلی سی پہلے کندہ بنی پھر اسکے آگے خبر نہیں ہے
اور اب جو پہلو کو دیکھنا ہوں تو دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

جہاں میں ہر شے اس کا بندہ کہاں نہیں ہے کدھر نہیں ہے
وہ دردِ درد میں حبسہ گر ہے مگر کوئی دیدہ و نہن نہیں ہے

کسی کے زندہ شہید ہیں مسم نہیں یہ حسرت کہ سر نہیں ہے
ہیں تو بے اس سے بڑھ کے رونا کُل نہیں ہے جگر نہیں ہے

کچھ اور ہی اب میری دنیا جو کوئی پیش نظر نہیں ہے
وہ خانِ قلب و جگر نہیں ہے وہ رنگِ شام و صبح نہیں ہے

ستارے حسنِ جم کے بیٹوں، کوئی اب ایسا در نہیں ہے
وہ آسمانِ جب سے ہائے چھوٹا کوئی مرا مستقر نہیں ہے

پہنسی بھی ہے میرے لب پہ ہر دم اور آنکھ بھی میری نم نہیں ہے
مگر جو دن رو رہا ہے پیسہ کسی کو اس کی خبر نہیں ہے

فضائے گردوں فضا ہے پر از تیری بے بال و پر نہیں ہے
بمنا ترا اس سے اڑ کہ یہ منتہی ہے فکرِ بشر نہیں ہے

نہیں وہ اب دور دل میں گھر ہے کلام ہر دم بیک و گھر ہے
نفس نفس میرا باخبر ہے، وہاں کی اُس کیا خبر نہیں ہے

بلا ہے یہ ذوق عاشقی کا، بسا ہے جھبال میرے جی کا
دور خیال آگے کسی کا تو نیند رات بھر نہیں ہے

اُڑے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرے والوں پہ مر رہا ہے
جو دم حسیوں کا بھلا رہا ہے بسند ذوق نظر نہیں ہے

نہیں جہاں جاؤ عیش و عشرت، سنبھل سنبھل در نہ ہو گی حسرت
یہ دار و نیسا ہے دارِ عبرت، یہ کوئی خالہ کا گھر نہیں ہے

نہ دُختِ رز سے دوستی کرو، جو منہ لگایا تو بس پڑی سر
یہ بیٹھ جائے جو پاس دم بھرا تو پھر مفرِ عمر بھر نہیں ہے

بلا میں تیرا در فلک کس سے چلائے والا شہ شہاں ہے
اسی کے زیرِ قدم اماں ہے، بس اور کوئی مھر نہیں ہے

پگھل رہا ہے دل ان کا ہاں ہاں کے جائے دل کئے جا آہیں
بچے سمجھتا ہے بے اثر تو وہ آہ بھی بے اثر نہیں ہے

طلب میں کر تو کمی نہ طالب، یہ نورِ دل ہو نہ جائے حاجب
یہ صبح کا ذب ہے صبح کا ذب، بھر نہیں ہے بھر نہیں ہے

یہاں کی راحت ہے کوئی راحت یہاں کی زحمت ہے کوئی زحمت
یہ اک سرِ اس ہے مقامِ غربت، یہ کوئی بچنے کا گھر نہیں ہے

ہے گی ہمدوم زبان یہ جاری منلتے گزبے گی غم ساری
یہ داستان اظم ہماری، طویل ہے مختصر نہیں ہے

اسی پر رکھ اپنی بس نظر تو، نگاہ نہ دوڑا ادھر ادھر تو
خود اس سے ہے لاکھ بے خبر تو، وہ سچے سے تو بے خبر نہیں ہے

یہ کچھ ہے کم نعمتِ الٰہی، کہ فحجہ کو مالی پوس نہ جاہی
نصیب ہے مجھ کو دل کی شاہی نہ ہو اگر تاج سر نہیں ہے

ٹھکا ماسخ ہے شام سر پر، کوئی ساتھی نہ کوئی رہبر
پھر ایسی منزل کہ برس سے بڑھ کر کوئی مضر پر خطر نہیں ہے

کبھی نظر میں جمال تیرا، کبھی نفس میں جمال تیرا
بس اب ہے دل اور خیال تیرا کسی کا اس میں گزر نہیں ہے

نہ ہوش اپنا نہ حشریں کا، نہ جان زاریہ دل حشریں کا
نیال ہمدوم ہے اک حشریں کا، بس اب کسی کی خبر نہیں ہے

یہ تیری مجذوب دل کی سوزش یہ تیری مجذوب سر کی شورش
یہ کوئی مجرب نہ دل نہیں ہے، یہ کوئی بھی ہے ہمدوم نہیں ہے

دل میں ہو کہ باغ و بہار ال سے کھیلے	صد گل بہ جیب غار بہار ال سے کھیلے
مجدوب آپ مست ہیں دنیا ہے آپ کی	کھسار بھر و بیا باں سے کھیلے
بچوں کا کھیل ہے یہ کوئی کھیل عشق کا	صد گونہ رنج و حسرت حراں سے کھیلے
اب تک کھیل تھا وہ مرد دلہا سے تھا	اب کھیلے تو تیغ سراقشاں سے کھیلے
یہ کھیل، کھیل ہونہ کھیل کھیل کھیل میں	اتناہ قلب خستہ و بیاں سے کھیلے

وہ قال ہے نہ ہے مگر یہ و فغان
 می میں بھی ہو سکتا کہ اس طفل دل کے ساتھ
 بیل دل کے لینے کے جو کھیلنے ہیں آپ
 لہانہ آب کیجئے مجذوب مست سے

بس دل ہی دل میں غم جاناں سے کھیلنے
 پھر ذوق و شوق حسرت اراں سے کھیلنے
 مجھ سے نہ کھیلنے کسی ناداں سے کھیلنے
 ساواں جلا کے سوختہ ساواں سے کھیلنے

مجزوب و مجذوب میں بس رہتے روز و شب
 پی پی کے آب گردش دوران سے کھیلنے

پھر تانوں دل میں یاد کو کہاں کھنٹے ہوئے
 اب اپنے گھر کو بے سرو ساں کھنٹے ہوئے
 کیا دل گنگے یہاں کہ مرحوم تیسری یاد
 دل کو بے ایک شہر خوشاں کھنٹے ہوئے

ہے شوق و ضبط شوق میں دل ات کشش
 دل بھکویں ہوئی دل کو پریشاں کھنٹے ہوئے

زبان حال ملی عشق میں بیاں کے لئے
 زبان ہے شعلہ دل عشق بے زباں کے لئے
 بنا ہوئے ہلے سہا پائیں امتحاں کے لئے
 جو اتہا ہوئے حسن بکراں کے لئے
 سکوت شخص ہے زیبا مری زباں کے لئے
 مئے وہاں کے لئے یہ جتنے یہاں کے لئے
 کہیں کا حکم تو ہو جائے نیم جاں کے لئے
 چمن میں خاک مئے ہم کو آسائیاں کے لئے
 میں محو فک ہو اجب بے نشان کے لئے
 بس اب سے مہر خوشی مری زباں کے لئے
 کھانی ہے دل عاشق غم جہاں کے لئے
 پلٹ کے آہ قیامت ہوئی جہاں کے لئے
 کھانج جسم میں پہنسا ہے موت جاں کے لئے

رہانہ کام دہن میں کوئی زباں کے لئے
 نشان ہیں اربع جگر حزن بے نشان کے لئے
 بدن زمین کے لئے دل ہے آساں کے لئے
 تو صبر دل کئے لئے ہو سکون جاں کے لئے
 بیاں کی ہوتی ہے طاعت ہمیں عیاں کے لئے
 اکیلا دم کرے کیا کیا کہاں کہاں کے لئے
 یہ اس جہاں کے لئے ہے اس جہاں کے لئے
 بہار نذر ہے اس حسن امتحاں کے لئے
 مشاہد کا درجہ مے گماں کے لئے
 جواب طور تہمتا دہستان کے لئے
 یہ ایک روگن کیا کم تھا میری جاں کے لئے
 کہاں ہے چرخ مری تیرے کمال کے لئے
 کوئی چلا تو نہیں گھر سے امتحاں کے لئے

بلبلے باغ جہاں غافل و غزالی کے لئے
 اب انتظار میں ہوں مرگ ناگہاں کے لئے
 خلاعت کہ مصیبت ہے لڑواں کے لئے
 نہ جیتے جی جسے موقوف دیا بیاں کے لئے
 تو گویا تھی ہی نہ جنبش کبھی زباں کے لئے
 تراب رہا ہے بہت تپتا دل قفاں کے لئے
 ہیں قہر سجدہ مگر غم تو آستان کے لئے
 ترس رہا ہوں میں اک جنبش زباں کے لئے
 کہ جاں تو نذر ہوئی قصہ امتحاں کے لئے
 کہ موت بھی بوجھ کچھ سکون جاں کے لئے
 وہ سوچتے ہیں غم عشق جاوداں کے لئے
 جہاں میسر ہے نہ نہ میں جاں کے لئے
 وہ ہے وہیں یہ زباں میری داستان کے لئے
 صد نہیں ہے مگر ہاں ہی قفاں کے لئے
 خلاعت ہے کہ آفت ہے لڑواں کے لئے
 یہ باغ ہائے ترسا ہے باقواں کے لئے
 ہیں منتظر تری اک جنبش زباں کے لئے
 وہ امتحاں سے گریزاں ہیں امتحاں کے لئے
 ستم روا کوئی رکھتا ہے بے زباں کے لئے
 دھوکا اٹکاتے ہیں فغاں ازاں کے لئے
 یہ کس کے واسطے ایک شہت استواں کے لئے
 بنے ہیں باغ ہی نیرنگی جہاں کے لئے
 کہ ازخاں ہے یہ اک اپنے ہر باں کے لئے
 وہ سرخاں نہیں مے دل کی دہاں کے لئے
 ہے باغ بیچ کہ ہیں غلام آشاں کے لئے
 طریقہ یکہ کے آسیرے امتحاں کے لئے

ملی ہے نیست ہمیں مرگ ناگہاں کے لئے
 نہ بن پڑی کوئی صورت سکون جاں کے لئے
 نہ آپ ضبط نہ قدرت ہیں بیاں کے لئے
 اب اس کی یاد سے ایل ہے دہاں کے لئے
 لگائی ضبط کی شرط اس امتحاں کے لئے
 ہے جاں لیسنا ہی کیا شرط امتحاں کے لئے
 وہ جلوہ گر ہیں لب بام کل جہاں کے لئے
 وہ حال نوچنے آئے ہیں ایسے وقت کہ جب
 اب امتحاں کے لئے رہ گیا ہے کیا باقی
 چلی تھی لے کے ازل سے کہاں کی بتانی
 چلتے تھے دوڑ کے کچھ ہے خیر بھی حضرت دل
 ہمیشہ جہاں ہوں اک بے خودی کے عالم میں
 سنو تو کہتی ہے کچھ قبر میری لاشیں ملتی
 زباں شمع کی مانند ہوں تو گرم فغاں
 نہ راز حسن کی تفصیل پوچھ لے مہدم
 وہ دور میٹھے ہی دیتے ہیں دل کو داغ پر داغ
 ہزاروں سر کھفت آئے کھڑے ہیں قفل میں
 نہ بیٹھ سکتے ہیں دل کہ ہے یہ نادانی
 وہی زباں سے یہ بولا سیر نیاز اپنا
 منہ از عشق کو پایا ہے وہ خسم ابد
 ہیں مثل آسیر گردش میں آسمان و زمین
 ہے ایک رنگ پہ صحرا مرا چین و مالو
 جو سر کھفت ہوں تو اسباب کہیں ہیں خیر طلب
 جہاں میں عشق نے خور زباں ہوئیں اب تک
 ہے پیش تلخ کہ ہوں قہر حسرت ارباب
 جو خود ہو جاں بیزار اس جان کی طلب

کہ بہ نہ صورتِ مجسمِ حسی آسمان کے لئے
 قفس میں منکر ہی بے جا ہے آشیان کے لئے
 کلیجہ تمام کے بیٹھو مری فغاں کے لئے
 رہے گا حُوبِ ترکش مری کہاں کے لئے
 رہے ہی رہ گیا کالوں پر ہاتھ اذال کے لئے
 مقرر آبِ تو مؤذن ہوا اذال کے لئے
 سراج و منظر و آسٹغنیہ میری جاں کے لئے
 نہ چھوڑا کوئی بھی مضمون کسی زبان کے لئے
 میں منظر تری اک تیش زبان کے لئے
 یہ ہائے بان و بہار اور ہوا خزاں کے لئے

ملو میں دو دغاں کے شہدِ آہ بھی ہوں
 خیالِ فامِ جہاں ہے خیالِ جمیعت
 نہیں یہ نالہ نے جو سنوئے لے کر
 بھرا ہے آہوں سے دل اور ہر اک آہ ہے تیر
 سنا جو نالہ ناقوسِ دل مؤذن نے
 حرمِ عشق میں اللہ سے دلِ نالاں
 وہاں تم سے ہے ہمدی کہ ہو گئے آفت
 ہر گز بزمِ سخن میں ہے واہ کیا کہنا
 کہنے ہیں بہرِ تصدیق یہ آسمانِ زمیں
 جن میں ہم کو تو ہر وقت بس رہا ہی غم

اب تک آپ میں نظر ہی حضرتِ دل
 وہ منہ ازل سے بنا ہی نہیں، ہاں کے لئے

کروں میں ہائے کج یک ضبطِ عالم تھے ڈر سے
 تنکے ہی کو بنے اب آہ میرے قلبِ مضطر سے
 وہی ہے زندِ پینے کیلئے جو عمر بھر تر سے
 بھلا وہ مئے ہی کیا جو منہ لگا لینے دے ساغر سے
 بہت ڈانٹا بہت ڈپٹا بہت گرجے بہت رستے
 مگر کھلے نہ بے وعہ دل لے علم کوئے دلبر سے
 وہ کیا آئو ڈھک جاتے جو آدل دید تیر سے
 وہ قطرہ خارجِ ازمے ہے چھک جاتے جو ساغر سے

سکوں دشمن قلاطم آشنا دل ہوتا جاتا ہے
 و فورہ ج سے گرداب حاصل ہوتا جاتا ہے
 تماشا گاہِ الفت کوئے قتل ہوتا جاتا ہے
 جو داخل ہوتا جاتا ہے وہ بسمل ہوتا جاتا ہے
 بھی کے حُسن میں اب عشق شامل ہوتا جاتا ہے
 بستر بہر ظلم اور قتل ہوتا جاتا ہے
 بمقدارِ ہزل مجذوبہ حاصل ہوتا جاتا ہے
 کہ ہوش اپنا تو زائل ان کا حاصل ہوتا جاتا ہے
 و فورہ غم سے اب احسں باطل ہوتا جاتا ہے
 سکون دل کا باعث خود غم دل ہوتا جاتا ہے
 خموشی کی طرف مجذوبہ مائل ہوتا جاتا ہے
 جو کد آ پا زباں تحاسر لبیر دل ہوتا جاتا ہے
 مری نظروں میں بے وقعت مراد دل ہوتا جاتا ہے
 حقیقت میں یہ اب وقت کے قتل ہوتا جاتا ہے
 نگاہِ خلق میں ذنیب اک رونی بڑھتی جاتی ہے
 مری نظروں میں پھیکا رنگِ محفل ہوتا جاتا ہے
 خدا پر چھوڑ دو چہارہ گرد اب مرحلہ میرا
 تم آس کر تے جاتے ہو یہ شکل ہوتا جاتا ہے

متم مجذوب کے رکتے نہیں بڑھتے ہی جاتے ہیں
رفیق اک اک حُب منزل بمنزل ہوتا جاتا ہے

تسیدی یادِ فرقت میں مری دساز بن جائے
میرے دل کی ہر دھڑکن تری آواز بن جائے
ترس کچھ آچھا عیاد کو ہاں پھر پھڑائے جا
یہ شاید صورت پرواز ہی پرواز بن جائے
نہاں ہونہ چہرے سے نہ آنکھوں سے نہ باتوں سے
محبت راز، اندر راز، اندر راز بن جائے
حرم سے کرتا ہے کس رند کو شیخِ حرمِ خارج
جہاں پر بیٹھ جاؤں حبسِ گاہِ ناز بن جائے
جو ہیں ڈالوں نگاہیں حُسن میں سب جذب ہو جائے
کوئی تو ناز بن جائے کوئی انداز بن جائے
نہ اُف بھی میں نے کی چہر بھی جفا کا تیری شہر ہے
مرا کیا بس خموشی بھی اگر آواز بن جائے
مسیحا ہو، قضا ہو، یکس ہو، اُمید ہو، وہ ہوں
کوئی تو چہارہ سازِ خاطرِ دساز بن جائے
اگر اندر سے نکلتے ساتھ لے کر دل کی آہوں کو
مری آواز پھر تو صور کی آواز بن جائے
جو قسم چھیڑ دے مُطرب تو اتنا محو ہو جاؤں
کہ میرا سازِ ہستی نغمہ بے ساز بن جائے

گاڑی چلی گئی تو حضرت نجم سے فرمایا۔
جنابِ شوکتِ تھانوی مرحوم کے اس شعر پر لکھی گئی غزل ہے۔
ہر انسان فرضِ انسانی سے غافل ہوتا جاتا ہے
زمانہ آگ دے دینے کے قابل ہوتا جاتا ہے

پئے توئے تو تیرا فسمہ بے کیف اے واعظ

لب ساغر سے بل بل کر لب اعجاز بن جائے

مزا اے حسن جب ہے عشق کا بھی کیفیت ہو تجھ میں

کہ پھر یہ تیرا نشتر تیرا ہر انداز بن جائے

پلٹ دو فرشتے، ہلا دو عرش اب بھی ناتوا تو تم
اگر تم سب کی آوازوں کی راک آواز بن جائے

ہاں بنا ااشک اور خاکستر دل سے مجھے
در دل سے دل زیادہ درد دل سے مجھے
اس کی قانع کو دیا سارے مشاغل سے مجھے
روکنے کے عشق میں قطع منازل سے مجھے
برکار کے بخودی رکھ ہر دو سال سے مجھے
خون آتے نظر میں گم مصل سے مجھے
وہ دباویں خود مری خاکستر دل سے مجھے
لے چلے سمجھا کے جو لب احباب صحت سے مجھے
شوق منزل لیکے پہنچا دو منزل سے مجھے
دل نے مخلصت کر دیا ہے اپنی رحمت سے مجھے
ہوک می لٹھنے لگی شور غا دل سے مجھے
اک جہاں ہر ذرہ خاکستر دل سے مجھے
عش پہ عش آتے ہیں اب فوجش دل سے مجھے
بڑھ کے بے غاں اپنے آنکھ کے تل سے مجھے
ہوتے ہیں معلوم یہ بکھرے ہوئے دل سے مجھے
کیا تاؤں کیا نظر آیا درد دل سے مجھے
روشن آتے نظر عام سے تل سے مجھے
ہاں چلا بل کی صدا آئی جلا جل سے مجھے

اے خدا پیدا نہ کرنا آب اور گل سے مجھے
چارہ گر پالا پڑا ہے محنت مشکل سے مجھے
کیوں ہوں مغرب شہل درد دل سے مجھے
یہ بکڑا چارہ گر طوق و سلاسل سے مجھے
غریب الفت کو غم مستقبل و ماضی نہ ہو
میزبان گم نام، ساقی لالہ زوئے امتش
فکر تربت کیوں ہے کچھ لاشہ بھی ہے مجھزار کا
رہ گیا گرد آبس حسرت کے کھا کر تیغ و تاب
ان کے کوچہ میں پہنچتے ہی میں بیخود ہو گیا
میں ہوں بیخود جب سے دل پہ شائے بھر عشق
تھک کے میں چپے گیا تھا لیکن اے صیاد پھر
ہے یہ بربادی وہ آبادی کہ گویا بل گسیا
ضعف کی کچھ حد بھی ہے یاں نیست کی صورت نہیں
کر رہے اک جہاں سن کو پیش نظر
جا بجا ہیں تیرے کوچہ میں جو تیرے نقش پا
بند ہو کر بھر نہ جنت میں بھی یہ آنکھیں کھلیں
لو تو کیا جانے کیا ہو گا ترانے جاں جاں
وہ لوز و عشق کو رہزن بھی ہے اک حسنا

ہے ترا مشرب بقا ز اھرا مشرب فنا
 ہے ارادت اہل دل سے تجھ کو بیدل سے مجھ
 میں جو فیض عشق سے مجھ کو ہے شکر سالکان
 کیوں ہونے بھی ارادت پیر کمال سے مجھ

دل ہزاروں مل گئے خاکستر دل سے مجھے
 بوسچے سب محلے طے پہی منزل سے مجھے
 اور وحشت بڑھ گئی طوق سلاسل سے مجھے
 شوق تحاکیں میں قصہ مرغ بسمل سے مجھے
 لکے موجیں نے ملیں چھپائے سال سے مجھے
 کیوں ہر ایک کے بچپن میں وہ مشکل سے مجھے
 لکے روکے ہوش میں تھیل چل سے مجھے
 کر نہیں سکتا خدا کوئی مے نعل سے مجھے
 غل آٹھویں بچیں نونہا بہ دل سے مجھے
 مرجاؤ نے چھڑا یا سنت مشکل سے مجھے
 کچھ نظر کس گرد میں نے تھے محل سے مجھے
 کر دیا دور اس جلوے کے نعل سے مجھے
 دیتی ہے مردم دعائیں وہ تیر دل سے مجھے
 ہے یہاں بسکی صدا سلاسل سے مجھے
 اہل قبضہ لبط سے مجھ کو دل سے مجھے
 فرصت اکدم کو نہیں جھٹھٹاں سے مجھے
 اب کریں محسوس اچھا سوڑیں دل سے مجھے
 خادم اشرف ہو مطلب کیا اراذل سے مجھے
 پاؤ کر لبے شکستہ کشتی دل سے مجھے

دور ذرا دل ہے فیض عشق کمال سے مجھے
 لے چلے کیوں سونے مرقد کوئے کمال سے مجھے
 کیا جلا ہوا فاقد وحشت دل سے مجھے
 سب الہ پڑنا جو تھا بیانی دل سے مجھے
 میں صبیحے کو کھڑا تھا کنارائے خراب
 کاش عشق غم سے گلہ ہے ان کو کیا الزم دل
 جب فنا کے عشق ہو کر تامل چکر کیوں غل کشتی
 نہت جس سکا خیال زلفت یار سے بے خودی
 دہن کر دیوں ہی میت کو شہید عشق کی
 نزع میں گئے جو وہ نگاہ بہت مدام ترا
 دور کہ پیچھا یہ کہتا اس غبارہ میں تیس
 جب ہو وہ پر تو فتن چھڑ گئی ہستی کہاں
 جسے قید ضبط سے میں نے چھڑا یا آہ کو
 شیخ کے میں سلسلے کل چار ہی لے زلف یار
 میں عشق زلف و رخ نے تیرے سے متنی کیا
 رخسے رہ روکے بندھ جاتی ہیں میری ٹھیاں
 کاش غم نے کئے آئینہ سستی سب فنا
 کی سنت بولیں کیا اہل بدعت سے نزع
 چرخ چمکنا اک ازل ہے اک ابد

دیا ہے یہ ہے آئینہ شوق کی سن کر غزل
 کوئی عارف کوئی خضر کوئی بیدل سے مجھے

اُسے تھے کہنے عالی دل بیٹھے ہیں لب سیئے ہوئے
سہ اپنا غم کئے ہوئے اپنا سا مُنہ لائے ہوئے

چھوڑ نہ ہم کو زاہد و بیٹھے ہیں ہم پیئے ہوئے
پلہتے جو کج لولنا ڈھک کو تم لائے ہوئے

کیسے گئے تھے شوق سے لینے اکس آشنا کو ہم
دیئے کے دیسے رہ گئے اپنا سا مُنہ لائے ہوئے

جان سے بھی عزیز کیوں مجھ کو نہ ہوں یہ داغ دل
ہائے کسی کو کیا خبر کس کے ہیں یہ پیئے ہوئے

کہنے کو جبر ہے مگر دل کی کسی کو کیا خبر
پھرتے ہیں اکس نگار کو پہلو میں ہم لائے ہوئے

ہو گئے زندہ مردہ دل جب یہ سنا وہ آئیں گے
جب یہ سنا نہ آئیں گے مر گئے پھر چئے ہوئے

چاہتے ہیں نہ فاکش ہو ان کو جو مجھ سے ربط ہے
رہتے ہیں سب کے سامنے خود کو جو وہ لائے ہوئے

میرے رہے تو جھٹلائے گردش آیام ہے
خوں نہیں اب میری رگ رگ میں تے کلام ہے
سانس کیا اکھڑا جو ہے نہ سہ کا ہنگام ہے
میری ہمت میں دل پر خوں بجائے جام ہے
نالہ و فریاد ہی سے کام صبح و شام ہے
بے خود دل کو جس ہی کیا کبھی جھک شام ہے
اب سے اندر ہی میخانہ بغیض عام ہے
کیا کہیں تم سے مُدا عافیت ہیں اب کلام ہے
یوں بودا وقت اک کھڑے کھڑے قدام ہے
اور بھی کچھ کام تجھ کو اے دل ناکام ہے

شام اپنی صبح تھی یا صبح بھی اب شام ہے
 آج ارادہ کیا ہے کیا منظور قتل عام ہے
 میں اگر ہوں جام برکت تو نظر برجام ہے
 نالہ و فریاد اک آواز بے مہنگا م ہے
 جان بھی دے دی تو اب آرام ہی آرام ہے
 سرسبز آلودہ میرا جامہ اسرام ہے
 ہر قدم پر خطرو منزل دور سر پر شام ہے
 ہم بے زینہ ہے وہ یہ زینہ بے ہم ہے
 کب جنازہ پر وہ پہنچے جبکہ اذن عام ہے
 میرا دور زندگی ہے یہ جو دور جام ہے
 یہ مگر تذلیل مجھ نا اہل کا اکرام ہے
 قابل دیدار ک تماشا آج زیرِ جام ہے

میں جو بزمِ بوش میں پہنچا تو ہر شو شور اٹھا

آپ کیوں آئے یہاں مجھ کو بک کیا کام ہے

کجاں وہ مہروش کیا گردشِ ایام ہے
 ہے پردہ نشیں کیوں آج قصیدہ ہم ہے
 میں تو جنوں ہی رنڈ زلہ پار سا تو بھی نہیں
 شامِ عشق پر جنوں اب میں اے بل جہاں
 دلِ قحط دے کر تو ہاں تکلیف ہی تکلیف تھی
 اکی بدستی تو وہاں ایسی مد بوشی تو ہو
 آئی ہے جان ہی پر اب یارب خیر ہو
 دلِ بے رطبی حسن و عشق کیا کیجئے بیاں
 محبتِ عیادت کو دے گئے جبکہ وقت نزع تھا
 دم رکھا سمجھو اگر دم بھر بھی یہ ساغرِ کا
 یوں تو سراگون حضرت آپ کے لطفِ کرم
 مذبذب میں ستانہ ہے مجھ کو اب آکوٹھے پہ آ

اب کیا ہے دور ساغر گردشِ ایام ہے
 عشق کا آغاز کب تھا اور کیا انجام ہے
 عشق کے علمِ نختہ کاروں میں ترا کیا کام ہے
 خانہ دل میں مے بس اب خند اکام ہے
 ہر طرف کانٹے پکھے ہیں ہر قدم پر دم ہے
 میوہ کرکوب میں بھی کیا قلتِ احسان ہے
 بستہ زنجیر میں جس تو اسیرِ دام ہے
 میری زندانِ روش تو صفتِ جنِ مہم ہے
 جاں مری سرِ مقدم پیغام ہی پیغام ہے
 ہے وہی تو کامیاب عشق جو ناکام ہے
 رات ہی اب چہن ہے مجھ کو نہ دن آرام ہے

اب کجاں وہ دن کہاں وہ ساقیِ گفلام ہے
 یا لایقِ وصل تھی یا موت کا پیغام ہے
 راہ لے صحرا کی جا، مجنوں ابھی تو فام ہے
 ہے خوشی باقی نہ غم یعنی فلسفے تمام ہے
 قطع راہ عشق بھی کیا ہر کسی کا کام ہے
 حرم ہے طولِ امن ہے نفسِ نافیز جام ہے
 ہے جس اے بل ہی تمہیدِ زندانِ فوسس
 تیری مساند ادا ہی کے کوششے ہیں یہ سب
 انشا اب سے گزرا آ کہیں پیکرِ اجل
 لے دلِ ناکام ہاں ہمت نہ ہرگز ہارنا
 کیا خبر تھی ابتداء کے وہ مرنے نکلیں گے یوں

بخت کیا بخت ہے، چنونا ہوا اک ٹھیکرا
ساری دنیا کا میں آرام بھی تکلیف تھا
ہجر میں ساقی بچانے ابرو ہے چشم تر
لے لے اے دل اور کس جی وہاں پہنچے گا تو
تو ہی دل ہے، جاں ہے تو ہی ہر کچھ ہے مرا
ہو گئیں غم کو کیا دنیا سے آنکھیں اے خدا
میں جرم ہوش میں پہنچا تو ہر موشور اٹھا
یہ خالقِ نیکو معافی، یہ روانی، یہ آثر
شاعری تیری ہے اے مجنوںِ بے بالہام ہے

میت مت خیز مرا نعروں مستانہ ہوتا ہے
نہ چھیڑو چھیڑنے والو! بُرا دیوانہ ہوتا ہے

نظر کردہ تراکب طالبِ پیما نہ ہوتا ہے
تری اک اک نظر میں کیفِ صد پیمانہ ہوتا ہے

عبث تو معترض اے صبحِ فزادہ ہوتا ہے
مقتدر سے کوئی مجنوںِ بے سا دیوانہ ہوتا ہے

ردوانہ ٹوسے کعبہ یوں تراستانہ ہوتا ہے
کہ بول تو بفل میں ہاتھ میں پیمانہ ہوتا ہے

کہیں دیوانہ ہوتا ہے کہیں فزادہ ہوتا ہے
تری زلفوں کا دیوانہ عجب دیوانہ ہوتا ہے

میں نے پیرِ منساں جب بھٹکتی چٹا نہیں پتا
مگر چنے پہ آتا ہوں تو حشمِ پیمانہ ہوتا ہے

بکلتے تھے ابو کے گھونٹ میں کب بھٹ پتے ہاؤں
بس اب لبریز میرے صبر کا پیمانہ ہوتا ہے

رانے محتسب کچھ کو بھی ہے کچھ شوقِ رندی کا
 جیسی آتا ہے تو جب رنگ پریشان ہوتا ہے
 مرے اشعار کیا ہیں شہرِ میرے سوانح ہیں
 مرا ہر شعر میرے دل کا راکِ افغانہ ہوتا ہے
 ریٹاں عالیاں معجزِ وہب کی اوڑں کو رحمت ہیں
 چمکاتے جی گردش میں جب پیمانہ ہوتا ہے
 نہیں معجزِ وہب دم بھر کو بھی تیری یاد سے غفل
 بڑا ہشیار مطلب کا ترا دیوانہ ہوتا ہے
 خوشامد میں ہیں سب لمحہِ وہب کی و درخ نہیں کرتا
 ترے عاشق میں بھی اک نازِ معشوقانہ ہوتا ہے

حقیقت میں توئے خانہ جیسی مے خانہ ہوتا ہے
 تھے دستِ کرم میں جب کبھی پیمانہ ہوتا ہے
 طریقی عشق میں جو جس قدر دیوانہ ہوتا ہے
 وہ بس اتنا ہی لئے اہلِ خردِ فرزادہ ہوتا ہے
 تیرے ہوتے یہ کیا اے طرۂ جانانہ ہوتا ہے
 یہ سب مسمرۂ عالم ابھی دیرانہ ہوتا ہے
 نہ تو بہرِ شکن جب داخلِ مے خانہ ہوتا ہے
 نہ پوچھو پھر جو رنگِ محفلِ زندانہ ہوتا ہے
 کبھی ملامِ گلستاں اور کبھی دیرانہ ہوتا ہے
 کبھی ہوتا ہے پاسِ خاطرِ دیوانہ ہوتا ہے
 بظاہر دیکھنے میں ہوتی ہے سچ دھجِ ہفتیانہ
 دماغِ ان کے گداؤں کا مگر شاہانہ ہوتا ہے
 دھڑلہ لاتی ہیں نظریں دلِ ادھر آپس میں ملتے ہیں
 مسکینوں سے عجب انداز پر یارانہ ہوتا ہے

کبھی پیش نظر وہ گل کبھی نظروں سے پوشیدہ
کبھی عالمِ گستاہاں اور کبھی دیوانہ ہوتا ہے

بہار آئی ہو سودا، غزال آئی برہی و حشہ
جو ہوتا ہے بیکس فاطر دیوانہ ہوتا ہے
قیامت ہے ترے معجز و رب کا بخون ہو جانا
وہ جب دیوانہ ہوتا ہے غضب دیوانہ ہوتا ہے

پہنچنے کو ہے تاحید سکوں معجز و رب کی شورش
ہمیشہ کے لئے خاموش اب دیوانہ ہوتا ہے

حسن کے راز کو پوچھے کوئی حیرانوں سے
اجنبیت نہیں دل کو ترے پیکانوں سے
دل جو ملتا ہے تو بس سوختہ سامانوں سے
اک نظر دیکھ لو پہلاؤ نہ بیلاؤں سے
مرحم آئے مے زخموں کو دوا خانوں سے
آگین یاد وہ آنکھیں مجھے پانوں سے
بھگتا ہے دل سوزاں عبت اراخانوں سے
رابطہ و ضبط اپنا کچھ ایسا بڑھایا خانوں سے
قول ہے دشتِ جنوں کا ترے دیوانوں سے

ساقیوں سے ہمیں مطلب ہے نہ میخانوں سے

مست رہتے ہیں تیری آنکھوں کے پانوں سے

اور مجی کچھ نہ جوہلے تو ہیں مہمانوں سے
چارہ گر سنس لے کہ کھوئے گا ہمیشہ کو اثر
اپنے گلزار کی جائیز مست باد ہزار
دشت پہلے کوئی اور جی توں لئے فقیں
شوق سے تمناں مجھ بھر کہ سمجھ مٹی دے
کیا پالے گا ہمیں گھونٹا لہو کے ساقی

عشق کے رمز کو سمجھے کوئی دیوانوں سے
کچھ وہ کس مل گئے ایسے مے اراخانوں سے
انس اگر کچھ ہیں جو تبے تو دیوانوں سے
سن کے مست آنکھوں کو نہ آئے ہیں میخانوں سے
نمک لے آہ اڑا لاؤ نمک دانوں سے
غم مرا اور بڑھائیں شمس کے سامانوں سے
جس جگہ شمع گئی گھر گئی پروانوں سے
کچھ نکلے ہے یگانوں سے نہ بیگانوں سے
وہ جو حاضر ہیں دلوں سے تو یہ ہیں جانوں سے

تیرے پاس آئے تھے ظم تو بڑے اراخانوں سے

آپری چند جو مے درد کو درخانوں سے

چھیرا بھی نہیں ہم سوختہ سامانوں سے
آفتاب میں نکل نجد کے میدانوں سے
آج تو لاو دیا آپ نے احسانوں سے
خوں چھکتا ہے تری آنکھوں کے پانوں سے

ہل کی لیتی ہی رہے شالوں کی خد سے نہ بڑھے
 عم تو ہیں سینکڑوں دین دل میں جگہ کس کس کو
 زلف کب نہ لہجے وہ پریشاںوں سے
 اب تم آگے ننگ آگے پہاڑوں سے
 زلف پر عم یہ سہجستی ہے ہمیشہ شالوں سے
 اہل بزم کے اب اے شمع کہاں نہیں گئے
 پہلے ہی ابھر گئی محفل تھے پروالوں سے

یا تو عم کو بھی اجازت ہو نہیں ہوسکتی
 آئیں اب دور میں عم رندوں کے غم اے ساقی
 صلوہ افروز ہے ہر شمع میں جلوہ تیرا
 نہ چلا یہ بھی پرستہ دل میں کوئی چیز آئی
 چاہیے کوئی بہانہ میں نہ نہ کہہ لے
 پائے وحشت مجھے اب صبر و حشمت بھی دکھائے
 عشق مہل میں کچھ چاہیے تھا لوز کا رنگ
 اہل ظاہر نہیں سمجھتے تھے اے سادہ گال
 بار بار آئیں نہ کیوں دھونڈھنے دل میں میرے

اکتوبر بوشن باہو تھے پر درد کلام
 پوچھتے گنتیہ معجز و صبر کے دیوانوں سے

بے کسی ہی سے حصول مدعا ہونے کو ہے
 دشمنی خلق میری رہنا ہونے کو ہے
 دل رہا ہونے سے اٹھ کر اب جدا ہونے کو ہے
 ٹوٹنے چاہا تھا برا، میرا بھنا ہونے کو ہے
 آج تو جی بھر کے پی لینے دے اے ساقی مجھے
 اے دل پر آرزو کر دے سہ تسلیم خم
 ابر و رحمت ہے مرا سر یہ بلاؤں کا ہجوم

ہاں بلا سے جان ہی نکلے مگر نکلے نہ آہ

ہو کشیدار اے دل کہ وہ صبر آزا ہونے کو ہے

اَلتَّجِبَةُ حُبِّ سَازِ اور بھی کچھ ہے کہنا مجھے ہاں ٹھہر دُرا اور بھی کچھ ہے

اے دل ابھی دیکھی ہے کہاں اُن کی تسلی
اہلِ نظر اس حسن کو پوچھیں مے دل سے
ہستی کا نشان کچھ ہے تو اک تیرا تصور
عُشاق کو کوچے سے نکلاتے ہی دیکھا
گو تم پہ نسا بیٹھا ہوں گھر بار سب اپنا
افسانہ مرا سُن کے وہ کس طنز سے بولے
دل کش ترے اندازِ لگاؤ کے تو ہیں ہی
مرا جوں گا گھٹ کر جو کنایوں سے بھی روکا
لے آیا ہے اُس شوقِ مرا فقہِ دل و جاں
ہاں شیخِ جی میخانہ میں کل واعظ رہا خوب
آج اُن سے یہ کہنا ہے کہ استاذِ ازل سے
حظِ جبر کی راتوں سے بڑھا وصل کے دن کا

ہم جب ہیں گنہگار کہ سُنتے ہوں مزا میر

ان ساز کے پردوں میں چُپا اور بھی کچھ ہے

پاس اُن کے نہ جا تو ابھی اے عاشقِ صورت
جب آ کے کہیں اُس نے ہمیں دی ہے تسلی
کہتے ہیں وہ شوقی سے مے دل کو مٹا کر
ہستی کا پتہ دیا ہے تیرا بھی تو رہنما
اس دستِ نگاریں پہ نہ جا اسے دلِ ناداں
سُسن تو ادھر لے یا رہا یہ آتی ہے کہاں سے
بکسِ ناز سے وہ اٹھ گئے کہہ کر دمِ مطلب

ہجرتِ صوب کی آنکھوں سے تو دیکھ کوئی مُنکر

موجود کہیں تیرے سوا اور بھی کچھ ہے

پوچھیں گے محبت کی پنا اور بھی کچھ ہے
دردِ دل رنجور بڑھا اور بھی کچھ ہے
سرتِ تجھے اب سچ تو ہوا اور بھی کچھ ہے
باقی ابھی اے ذوقِ فن اور بھی کچھ ہے
کھول آنکھ کہ ہر رنگِ بنا اور بھی کچھ ہے
کریا ترا دُعا دُرا اور بھی کچھ ہے
آتا تھیں بس اسکے سوا اور بھی کچھ ہے

غم سا کوئی بدم کوئی دم ساز نہیں ہے
ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے

یہ نغمہ دلکش مرا بے ساز نہیں ہے وہ بول بے ہیں مری آواز نہیں ہے
جاننا ہے مجھ کو یہ کن ساز نہیں ہے وہ بول بے ہیں مری آواز نہیں ہے
غم فاک نشینوں کو نہ مسند پہ بٹھاؤ یہ عشق کی قوین ہے اعزاز نہیں ہے
غم غم ہی بس آگاہ ہیں اس ریلو غم سے معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

مجھ کو ہے ہوں پیا ہی چلا جاتا ہوں پیہم
پروانہ ہے بلبل کا سا انداز نہیں ہے

جی اُسے مڑے تری آواز سے پھر ذرا مٹرب اسی انداز سے
گام مٹرب سے نہ غم کو ساز سے آشنا ہیں طور کی آواز سے
نغمہ پیدا ہے کہ نغمہ ساز سے ہوک سی اٹھتی ہے اس آواز سے
انتہا پر ہے نظر آغواز سے ہوں مخاطب طور کی آواز سے
آشنا بیٹا ہوں یا نا آشنا غم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے
آشنا احتجاج ہے یا نا آشنا اس کو پوچھو آشنائے راز سے
اک نظر میں آشتیاں غم گشتہ کو بجانب لبں غم ہیست پر راز سے

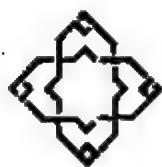
ہوش دلیبر کا تو اے مجھ کو ہے رکھ
لبں اے پی لبں مگر انداز سے

لاکپن میں غم عشق کا کھیل کھیلے
وہ تندا کے کہنا الیلے الیلے

نہ غلوت میں بھی رہ سکے غم اکیلے کہ دل میں گئے ہیں حبیبوں کے میلے
اُسے کل یکا یک چلے آئے والے بہت آج گھبرا ہے ہیں اکھیلے
ہم اس بُت سے کرتے ہیں عرض تمنا نہ جو منہ سے بولے نہ جو سر سے کھیلے

اے کچھ تو مجھ کو یہ یاروں کا حق بھی
یہ چھپ چھپ کے پسینا اکیلے اکیلے

ٹوٹے ٹوٹے ترے ہاتھوں سے میرا دل ہو جائے
 کئی قابل جو نہیں وہ اسی قابل ہو جائے
 راہِ اُلفت میں یہ واضح تجھے اے دل ہو جائے
 یہ وہ رستہ نہیں جس میں کہیں منزل ہو جائے
 بن کے آئینہ جو اس رخ کے مقابل ہو جائے
 پھر تو یہ دل مرا دل کہنے کے قابل ہو جائے
 کچھ بھی بخوں جو بصیرت تجھے حاصل ہو جائے
 تو نے لیلیٰ جسے سمجھا ہے وہ مہمل ہو جائے
 جس جگہ بیٹھ رہوں تھک کے وہ منزل ہو جائے
 جس جگہ ڈوب کے رہ جاؤں وہ ساحل ہو جائے
 ہائے مجبور تڑپنے سے بھی بسمل ہو جائے
 کہ نہ آلودہ خونِ دامنِ قابل ہو جائے
 آج تو وہ نظیرِ مُرشدِ کامل ہو جائے
 یہ جو معجزِ وِسیب ہے سرتا بقدمِ دل ہو جائے
 جو بھی ہوتا ہے ادھر یا ادھر اے دل ہو جائے
 دو ہزار آج تو ان سے سبِ مفضل ہو جائے
 بے مزوت کوئی اِشنا بھی نہ اے دل ہو جائے
 تمنا نہ مٹی میں تو پھولوں ہی میں شامل ہو جائے



اپنے دل کی میں حقیقت کا خلاصہ کہہ دوں
 حسرتیں سب کی جو مل جائیں مرا دل ہو جائے
 اب تو اے ضبط یہ آئیں نہیں سانس ہیں مری
 روک لوں ان کو تو جینا مرا مشکل ہو جائے
 حاصل عشق یہی ہے کہ نہ ہو کچھ حاصل
 اس کو حاصل ہی نہ سمجھو کہ جو حاصل ہو جائے
 حسن اور عشق سے دل جائے اماں ناممکن
 ہائے کیونکر کوئی بے دیدہ و بے دل ہو جائے
 دل ہی دلبر تر این حسن پھر لے مجزوب
 دل ہی دل میں جو فنا آرزوئے دل ہو جائے

ہذب دل سے آرزوئے دل عجب مشکل میں ہے
 بارہا یہ دل سے نکلی پھر بھی میرے دل میں ہے
 کب کدوں یارت کہہ کر جاؤں کشش دل میں ہے
 اک کشش گرداب میں ہے اک کشش ساحل میں ہے
 آج تو ہر وار پر اک تازہ دم بسمل میں ہے
 دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قتال میں ہے
 پار لگ کر بھی ہنوز اے ناخدا دُر دل میں ہے
 دیر سے ساحل پہ ہوں اور پھر بھی شک ساحل میں ہے
 جلوہ گر کس شان سے اُمید میرے دل میں ہے
 اب تو میرا حال بھی بس حکم مستقبل میں ہے
 اک مسلسل کیفیت ذوق و شوق منزل دل میں ہے
 خبیث یہ مقصد تو حاصل سعی لا حاصل میں ہے
 حوضِ کوثر موجزن پیرِ مغان کے دل میں ہے
 کس میں ہے جو بات میرے مُرشدِ کامل میں ہے

سب کا منظورِ نظر ہے جاگزیں ہر دل میں ہے
 عشق بھی معجزؤب کا آبِ حُسن کی منزل میں ہے
 صبر و ہمت چاہئے جب تک کہ آب و گل میں ہے
 جو بھی دُشواری ہے رہرو بس راہی منزل میں ہے
 کوئی حسرت ہے نہ آب کوئی تمتا دل میں ہے
 شکر ہے آبِ عشق اپنا آخری منزل میں ہے
 گھر پہ رکھ کر آئے جتنی عقل جس عاقل میں ہے
 سوچ کر رکھے قدم معجزؤب اس محفل میں ہے
 ہو بہو منظورِ نظر میں اور تصورِ دل میں ہے
 گو نہیں ہے پھر بھی معجزؤب آپ کی نفل میں ہے
 خیر تیری یاد کی ہر دم جو مسیکے دل میں ہے
 راک بھی مشکل کُٹ بس میری ہر مشکل میں ہے
 کس عذاب کی باتے تنگی قید آب و گل میں ہے
 دل بھی ہے راک کُٹش مکش میں جان بھی مشکل میں ہے
 سویر حسرت کے سوا بس اور کیا آبِ دل میں ہے
 ایک ہی تو شمع اس اجڑی ہوئی محفل میں ہے
 ایک سے ہے ایک بڑھ کر گو تمتا دلِ فزیب
 کب تمنا آب ہو جان ہر تمتا دل میں ہے
 ہوش کس کو ہے یہاں بیٹھے ہیں سب کھوئے ہوئے
 کوئی کیا جانے کہاں ہے جو تری محفل میں ہے
 قطعِ راہِ عشق آئے رہرو بھی مسکن نہیں
 راک سفر ہے تا یہ منزل راک سفر منزل میں ہے
 رخص میں تیغ ادا ہے وجہ میں تیرِ قضا
 آج کس بھس کی آمد کوچہٗ قاتل میں ہے
 یوں تو ہے اکثر دلوں میں آمد و رفت آپ کی
 دیکھنا لیکن جو ہے وہ یہ کہ گھر کس دل میں ہے

ساری مُردہ آرزوئیں پھر سے زندہ ہو گئیں
 جب سے تم آتے ہو راکِ حشرِ فنا دل میں ہے
 کوئی مطربِ رات دن پردہ میں ہے مضطربِ زن
 رازِ میری فحشگی کا اضطرابِ دل میں ہے
 فطرتاً جاذب ہے برقِ حسنِ برقِ عشق کا
 یہ جو مہرِ آنکھ میں تل ہے سویا دل میں ہے
 مشکلیں کس شوگرِ مشکل پہ ڈالی گئے مشک
 مشکلِ آسانی میں آسانی مجھے مشکل میں ہے
 کب ہوا ناری ہے نارِ عشق سے عساری ہے تو
 اور یہ آتشِ مدعا آدم کی آب و گل میں ہے
 رہ نہ یوں غفلت میں گئے مجذوبِ محو ہوشیار
 دل پر رکھ ہر دم نظر لیٹے اسی محل میں ہے
 روک ارے بس روک اپنے جذب کو مجذوبِ روک
 عشق بھی ہے کش مکش میں حسن بھی مشکل میں ہے
 غیر اور مجذوب کی بابت میں کر دوں فیصلہ
 فسق بس ان میں وہی ہے جو زبان و دل میں ہے
 بند کروائیں نہ مُمنہ مجذوب کا بکنے بھی دیں
 راکِ اسی کے دم سے رولتی آپ کی محفل میں ہے
 رُوحِ امثلِ شعلہ جو الہ ہے رفعتاں مری
 کس مزے کی ہائے سوزشِ داعیائے دل میں ہے
 وہ نہیں آتے نہ آئیں تا بہ کے اب انتظار
 آج کر ڈالیں گے ہم بھی جو ہمارے دل میں ہے
 دوستِ دشمن سب ترے مجذوبِ قائل ہیں مگر
 کوئی قائل ہے زباں سے کوئی قائل دل میں ہے

کوئی محرم نہیں سب حال مراراز میں ہے
ناشنید ہے وہ نغمہ جو مرے ساز میں ہے

کوئی ہو بندہ ترا پاک نگہ ناز میں ہے
عشق پروانہ کا اہجام بھی آغاز میں ہے
بے خود شوق یہاں جلوہ گاہ ناز میں ہے
عجب کو جو نوحہ غم میں ہے وہی ساز میں ہے
چچکیاں بھی مری کس لکڑی لکڑی سے تو کس نے
حسنِ اخلاص سے محبوبوں کہ کہوں حسنِ ادب
جانِ رگ رگ سے کھینچی آتی ہے کانوں کی طرف
وہ مزل ہے مے نالوں میں کہ غموں میں نہیں
کھنچ رہی ہیں جو رگیں نزع کے عالم میں مری
ماحق الزم انا الحق کا ہے منصوبے سر
پر شکستہ نہ سمجھ بھل فتیسی ہوں میں
میں بنا خاک سے کیوں خاک میں ملنے لگے
بات کو تم نے بڑھا رکھا ہے ناحق اتنا
توں تو اس پیکر ہستی میں مے کچھ بھی نہیں
کر نظر دل پر مے قول انا کہتی پر نہ حساب
غیری خاطر سے میں ہر بات پر چپ ہوں نہ
لاکھ اٹھاؤ کہیں اٹھا ہے یہ مجھ کو تب کا سر
مجھ بچلا ہے تم نے ڈر پہ جبین ناز میں ہے

پابند محبت کبھی آزاد نہیں ہے
علم تو میں مگر شکوہ و فریاد نہیں ہے
نارنگیوں، شبنم نہیں، فروغ نہیں ہے
دن رات تم سے ذکر سے اور فکر سے ہے کام
کیا نزع کے عالم ہی میں کھنا ہے ہمیشہ
اس قید کی لے دل کوئی میعاد نہیں ہے
ناشاد بھی عاشق نہیں گو شاد نہیں ہے
جیسے کوئی مجھ پر نرمی پیدا نہیں ہے
کچھ اور سوا اس کے مجھے یاد نہیں ہے
یکم کچھ لبِ جاں کش سے ارشاد نہیں ہے

کیا بار میں رہنے کا مزہ جب ہو یہ کھٹ کا بیٹھا تو کہیں تاک میں حسد یا دہنیں ہے
 معجزہ و نبی سے مدد بخش کے لب پہ چنانچہ
 یہ کیا ہے جو اللہ کی امداد نہیں ہے

لور دیکھا اس کی ہر سو پھر بھی وہ مستور ہے
 صبر آموز دل مجھ پر برق غور ہے
 بس چلا چل قح راہ عشقِ مَنظور ہے
 اُن بھی کر سکے نہیں نالوں کا کیا نہ گور ہے
 رہن خود بینی و تکمیل منت منظور ہے
 سب پٹے سوتے ہیں اور اپنی ہے دنیا ہی انگ
 وہ بھی دل تھے اُسے قبول تم تھے منظورِ نظر
 کر چُدا اُن کے تصور کو تو اُسے بے خودی
 وصل کی یہ بخودی ہے شرحِ جبر و اختیار
 حسرت دید میں کچھ اس غنیمت کی آہ کی
 سینہ ہے داغوں سے جنتِ بلقیس ہے دل
 محبہ جو یاد زلفِ رخ میں اسکو کیا خبر
 مشکلیں عاشق کو ہیں بس متسلل از دیوانگی
 اللہ ہاں اللہ اُسے جذبِ حسن اُسے جذبِ عشق
 ہے تالِ مجھ کو رکھ دو تم نہ حیرتی متبر میں
 میں نظر کر رہ ہوں اُنس پر مغان کا مونیور
 معرفتِ اتنی ہی کافی ہے طریقِ عشق میں

جلوہ تو کیا ہو گا اس کا جس کا پردہ نور ہے
 دور تھا جب پاس تھا اب پاس ہے تو دور ہے
 یہ نہ دیکھ لے ہم سفر نہ دیکھ لے یا دور ہے
 جتنے ہم مجبور ہیں بلبل کہیں مجبور ہے
 میری رندی میں بھی زہد و اتقا مستور ہے
 اک جہم شوق ہے غم میں شبِ مجبور ہے
 عرضِ تم کہتے تھے ہم بکھتے تھے نا منظور ہے
 اک یہی لے لے کے غم کو دلِ مجبور ہے
 ہے یہی موقعِ جہاں مختار بھی مجبور ہے
 دل پہ گر گر پڑنے کو مضطراتِ برقِ غور ہے
 عشق نے لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے
 روز روشن ہے جہاں میں یا شبِ یگور ہے
 کچھ دلوں غم سپہ لیا پھر غمِ غیر مستور ہے
 پاشکستہ ہے مسافرِ آدمشزل دور ہے
 جسم کو کیا دیکھتے ہو روحِ غرقِ نور ہے
 چسپل کے دل کی سز میں کا درۂ ذوقِ طور ہے
 یہ سمجھ میں آ گیا ہے وہ سمجھ سے دور ہے

دلوں کو اور نالوں کو دیا تو مسر
 دل میں اب اک حشر ہے ہر گاہِ شبِ غور ہے

ہر حجاب اوروں کو دنیائے دنی معلوم ہوتی ہے
 جسکے ہر سو تری حب وہ گری معلوم ہوتی ہے

مجھے ہر دم آجسہل سر پر کھڑی معلوم ہوتی ہے
مری ہر سانس مجھ کو آخری معلوم ہوتی ہے

مری ہستی مجھے خود بھی مٹی معلوم ہوتی ہے
ابھی اس بے خودی میں کچھ خودی معلوم ہوتی ہے

نری تصویر سی ہر سو کبھی معلوم ہوتی ہے
تصویر کی یہ سب صورت گری معلوم ہوتی ہے

مژہ تر ہیں نہ آنکھوں میں نمی معلوم ہوتی ہے
انہیں اس دل کے رونے پر ہنسی معلوم ہوتی ہے

یہ کئے دن کی بہار باغ ہے کئے دن کی رونی ہے
مجھے بچوں کے ہنسنے پر ہنسی معلوم ہوتی ہے

اُم سمجھا تھا میں نے ابتداء عشق میں جہن کو
اب ان باتوں پر خود مجھ کو مہنسی معلوم ہوتی ہے

خیالی روشنی روشن خیالی آج کل کی ہے
یہ ظلمت ہے جو سب کو روشنی معلوم ہوتی ہے

محبت ہے محبت چونکہ نالگی دو عالم کو
یہ چنگاری سی جو دل میں دہی معلوم ہوتی ہے

مجھی شور بدو سے رولتیں تھیں بزم عالم میں
انہیں بھی آج محفل میں کمی معلوم ہوتی ہے

میں رونا اپنا ہوں تو وہ ہنس ہنس کے مسکتے ہیں
انہیں دل کی لگی اک دل لگی معلوم ہوتی ہے

اک ایسا وقت بھی آتا ہے دوران محبت میں
کہ نفسہ لوح اور شادی غمی معلوم ہوتی ہے

یہ اُڑا کر جو گرے جا رہے ہیں روز طہارت سے
مجھے تو یہ سزلانے سرکشی معلوم ہوتی ہے

جو نیک دن رات یوں گردن جھکانے بیٹا بہت اُجوں
نری تصویر سی دل میں کبھی معلوم ہوتی ہے

مگر معجزہ وہ ہے تو بخوبی خیال زلف بچیاں ہے
 تری جو بات ہے اچھی ہوتی معلوم ہوتی ہے
 ہمارے کسی ہے معجزہ وہ ہے اپنی حالت کیوں خراب ایسی
 تری صورت تو یہ اچھی محسوس معلوم ہوتی ہے

وہ جلوہ تو ہر سو عیاں ہو رہا ہے
 عیاں ہو کے پھر وہ نہاں ہو رہا ہے
 بہار آئی دل شاد ماں ہو رہا ہے
 گشت چھائی ہے کیا سماں ہو رہا ہے
 ترا ذکر وردِ نرہاں ہو رہا ہے
 عیاں حالِ دل ہے بیاں ہو رہا ہے
 چڑھی ہے کچھ ایسی کہ تیر تو دیکھو
 ٹپکتی ہے ہر ہر بن مونسے مستی
 دیکھتے ہیں چہرہ چمکتی ہیں آنکھیں
 نکلتی ہیں ہر منہ سے شمعائیں
 لگا ہوں بھڑکی رگ نیپے میں کبسل
 نظر کردہ برق تپاں ہو رہا ہے

وہ نامہراں مہسراں ہو رہا ہے
 قصور کی دیکھو تو معجزہ منائی
 میں معجزہ وہ ہے ہر میری باتیں ہیں سچی
 جوانی و اعلیٰ ہٹ چلے دل کے ارماں
 جہی کچھ نہیں کہتا ہوں جب دیکھتا ہوں
 پلا دی ہے کس تیز جہی کی سفاکی
 کہ معجزہ وہ ہے آتش بجاں ہو رہا ہے

یہ کیا آج ملے ہسداں ہو رہا ہے
کہ ماتم ساد کچھ کہاں ہو رہا ہے
یہ کیوں ذکر سود و زیاں ہو رہا ہے
دل زار پھر شاو ماں ہو رہا ہے
عیاں مگرے سوز نہاں ہو رہا ہے
کہ محبوب حرد و جہاں ہو رہا ہے

اگر ہے یہ معجز و تب کی بڑ تو پھر کیوں
مرا ہم زباں اک جہاں ہو رہا ہے

یہ کیوں پڑ رہی ہیں غنٹب ناک فطری
غزل خواں بول میں اور وہ کہہ رہے ہیں
محبت بھی کیا عاشق ہے تجا رست
کوئی شاید کہنے کو ہے پھر مصیبت
چراغاں مری قبر پر ہو رہے ہیں
نظر پڑ گئی تجھ پہ معجز و تب کس کی

سبز زاہد نہیں یہ سحر میر سودا کی ہے
زور کس بزم دو عالم مری تنہائی ہے
کام ہی کچھ ہے نہ فرست ہی کبھی پائی ہے
آج تو حضرت دل آپ کی بن آئی ہے
یہ تشنچ نہیں یہ آخری انگڑائی ہے
زندہ درگور ہے مجبور شکیبائی ہے
یہ جدھر آئی ہے بس جو کہ بلا آئی ہے
کیا غنٹب ہا یہ ذوق جیس سائی ہے
تھی جو اک چوٹ پرانی وہ ابھرائی ہے
آنسوؤں کی ہے جھڑی غم کی گھا چھائی ہے
جان رگ رگ سے جو آنکھوں میں سٹائی ہے
بادہ پیائی تھی یا باد یہ پیائی ہے
جام دینا ہے نہ جا ہی ہے مینائی ہے

میں یوں اور حشر تک اس در کی جیس سائی ہے
غافل دل میں عجب آکسین آرائی ہے
رات ان میں بول تری یاد ہے تنہائی ہے
وہ ہیں پہلو میں شبتا رہے تنہائی ہے
تیسے بیل کو بس اب موت کی نیند آئی ہے
جان بھی آکے مرے جسم میں بچھائی ہے
میں نے محبت طبعیت ہی عجب پائی ہے
میں ہی محروم بول اک خلق تماشائی ہے
دل ازل کا ہے کوئی آج کا شیدائی ہے
عالم عشق و محبت میں بہار آئی ہے
کس کے آنے کی خبر نزع میں سن پائی ہے
تو کہاں گردش تقدیر کہاں لائی ہے
بزم عالم میں عجب مُردہ دلی چھائی ہے

بعد مدت کے مے لبہ فغاں آتی ہے
اب بھی معجز و تب جو محروم پذیرائی ہے
تو تو معجز و تب فقط ہم کا سوائی ہے
جلوہ گر عالم کثرت میں ہے وحدت ہر سو
رنگ لبوں پہ زلف کے نہ جانا اے دل
ناز و تقویٰ سے پھر اچھا ہے نسب از رندی
دردیہ اور کو مست اور وہ مری جانا
میں ہوں مجبور جو مطلق نہیں دنیا پہ نظر
میری دنیا ہی الگ ہے میرا عالم ہے جدا
اللہ اللہ تے لگتے ہی جو ہم اشکوں کا
تیرا دیوانہ ہوں میں ہوش سنبھالا جب سے
کل تو مستی کا وہ عالم تھا کہ تھی نفس کناں
میں زندہ میں مردوں میں ادھر ہوش ادھر
کبھی دلدادہ تمت کا تمتائی تھا
در زنداں کی طرف دیکھ کے رہ جاتا ہوں
ایک مدت ہوئی تو بے کئے پھر بھی یہ حال
خون خود حن ہوا تیرے حسین جمنے سے
ہوش نے بھی مے اب چھوڑ دیا ہے مجھ کو
بچ آفت رسد گوشہ تنہائی را
خلق سے کوئی تعلق ہے اچھا نہ بُرا
ہنس بھی دوس بھی دہان پاں چلو بس ٹوٹے ٹپکے
قدر معجز و تب کی غاصان خدا سے پوچھو

ہاں سنبھل جائیں جنہیں ناز شکیبائی ہے
کیا جنوں میں ابھی کمینہ شش امانی ہے
حکمت آموز اور سلو تر ہی داناائی ہے
آئینہ خانہ میں تو محو خود آرائی ہے
یہ خزاں ہے جو بہ انداز بہار آتی ہے
جاہ زار ہے پھر اچھی مری رسوائی ہے
کر کے نالہ بھی تجھے ناز شکیبائی ہے
میرا کیا بس ہے میری دھڑکی پہنائی ہے
میں ہوں اور دل ہے اور اک گشتہ پہنائی ہے
حسرت دید بھی مشکل سے نکل پائی ہے
تیرا متوالا ہوں میں جب سمجھ آتی ہے
آج یہ حال کہ انگڑائی پہ انگڑائی ہے
دونوں عالم سے جدا عالم تنہائی ہے
اب تمت امتنی تمتائی ہے
جب یہ سُستا ہوں عالم میں بہار آتی ہے
انگھ ساغر کو تہی دیکھ کے ہنس آتی ہے
لُٹنے زیبا ترا خود زینت زیبائی ہے
میں بھی موجود نہیں وہ مری تنہائی ہے
اس کے برعکس کی کیوں شب تنہائی ہے
یعنی گنہگار ہوں شہرست نہ رسوائی ہے
اُسے اُسے دیکھو وہ ہنسی آتی ہے
شہرست عام تو اک تمہ کی رسوائی ہے

ساری دنیا کی نگاہوں سے گر آئے مجھ کو تب
تب کہیں چکے ترے دل میں گھر پائی سٹ

ہو محسوس ترکِ عذوق کر کے کوئے یار میں آئے
تو خارستان سے گویا کشمکشیں بے خار میں آئے
یہ کیا کھل گئیں آنکھیں جو بزمِ یار ہیں آئے
اُٹھ پردے نئی تاریکیاں الوار میں آئے
غزل خواں شد دماں رقعات گہے گریاں گئے خنداں
عجب انداز سے ہم کو چسپہ دلدار میں آئے
مقامِ وید ہے لے دل گھر چلے آؤں بھی سہجے
بڑے دربار میں پہنچے بڑی سرکار میں آئے
انہیں کے باغِ حسن بے خزاں کا یہ تو گلچیں ہے
کہاں سے چھول لئے دارن کُبار میں آئے
نہ رکھ غیر طلب اسے دلِ غرض سمجھ بزمِ ہستی سے
یہاں حسِ یار ہی کو ڈھونڈنے اغیار میں آئے
راوہر ہیں بزمِ ہستی ہیں ادھر ہیں دحب میں صوفی
منے ہر رنگ والے کو مے اشرار میں آئے
ٹھٹھا کر جان اپنی مجھ کو تب بے غرض بھاگائے
خدا ہی سب جو وہ اب لوٹ کر گھر بار میں آئے

ہم تو کچھ یار جادو گر کہنے	حضرت دل کر لیا اپنا انہیں
ہوئے اسے آنکھ کر و تم سہ کہنے	کیا خبر کس وقت ہو کیسی نظر
ہو کہن جب ما کی حب اور کہنے	مرنے والے کا شہ پسیم کون ہے
رازِ میخانہ سرِ منبر کہنے	جو مراد اعظم بنے پسیرِ مٹھاں
اب کہنے وہ بھی کیا پتھر کہنے	نوجوانی تو گواہی شرم میں
آج کو تو پاؤں کے ریلو کہنے	چپکے جا لے کہاں کہتے صفوں

ہٹے ہی سب کہ سٹنایا مالِ دل
ضبط کس کو کون رو رہ کر کھٹے

مذہبِ جانبِ مستِ شباب دیکھیں گے جنابِ شیخِ تقدسِ مآب دیکھیں گے
جو عجز سے خطِ شوقِ آنجناب دیکھیں گے تو لفظِ لفظ میں مضمونِ کتاب دیکھیں گے
یہ غیر ہے جیسے وہ جذباتِ دو ذوقِ حاضر ہیں
اب آپ کی نظرِ اشتاب دیکھیں گے

ابھیں گے حشر میں کہتے ہوئے کہ ہنسے غضب
سہے گا خوب عنوانِ داستان کے لئے
سچے یہاں کے لئے یا مے وہاں کے لئے
ایلا دم کرے کیا کیا کہاں کہاں کھلے
سببِ پوچھ کر ابستہ دار کی باتیں حیر
فقال ہی اب تو سببِ مری فقاں کھلے
عمدے آہ لیا جامہٴ شفا پہنا
بت لے دل پر تیا ریاں ہیں کہاں کے لئے
نہ سمجھو بڑے وہ جذبات کی بغور سنو
یہ ایک سچ معانی ہے نکستہ دل کے لئے

مگر گشتِ حیرت کوئی مجھ سا بھی نہیں ہے
ہاں مری جانِ عزیز ہے
مگر کوشِ گماں کچھ اثر لے چرخ نہیں ہے
بلکس کو دو عالم میں ٹھکانا بھی کہیں ہے
پڑہ ہی سے ہے تابِ نظرِ عم کو مینس
وہ اٹھ بھی گئے بزم سے کہے گراں تک
درِ خود ہوں کہیں دل ہے کہیں ہوش نہیں ہے
یہ بھی ہے کوئی بات کہ ہاں ہے کہ نہیں ہے
رجم اپنا کہیں بھی ہو مگر دل تو وہیں ہے
برگشتہٴ فلک مجھ سے ہے بیزار زمین ہے
پڑہ ہی پردہ در لے پردہ نشیں ہے
اللہ ری حیرت ہے جہاں تھا وہیں ہے
درِ اصل یہاں کوئی مکالم ہے نہ نہیں ہے

مرد ہے گماں کا جو سزاوار لعل ہے
جو دشمن دل دشمن جاں دشمن دیں ہے
آئینہ کسی کا یہ مراد لعل جیس ہے
اب جب سے میں دنیا میں ہوں گردش میں ہے
آوارہ دل آوارہ سر آوارہ جیس ہے
اب ہے جو آنکھوں میں تو ہر چیز جیس ہے
اس قعر میں ہی رہے کوئی عرش نہیں ہے
لاشہ تو کہیں نہ کہیں، تلوار کہیں ہے
میکے لئے یارب فلک ہے کہ زمیں ہے
محشر کے تو قابل اسی کوچہ کی زمیں ہے

جو دم و گماں ہے لئے زتبہ ہے فقیں کا
آوارہ تو پھر آوار نہیں ملا دوست بھی ایسا
اب میری زیارت کو چلی آتی ہے دنیا
تھا عالم بالا میں تو گردش میں فلک تھا
فریاد کہ اک بندہ حق کوئے بُست میں
حروقت ہے پیش نظر اک حسن کی دنیا
دنیا کو فرشتہ اگر کی نظروں سے نہ دیکھو
زوروں پہ ہیں جوش غضب جوش شہادت
ہوتا ہی نہیں صاف غبار اس کو ہے کتنا
باتے نہیں مل سکتے ہیں مٹے کہیں بجب
باتے کہیں آئودہ تہہ خاک نہ ہوں گے

مجھ سا بھی کے دوزخ و جنت کا لعل ہے
ہر مو شجر طور ہے دل عرش بریں ہے
آجا کہ کوئی ہجر میں مرنے کے قریں ہے
جب ہی نہیں گھر میں تو پھر کچھ بھی نہیں ہے
دل میں ہے مے داغ کہ خاتم میں نہیں ہے
مجھ کو تو کہا مردہ مرا سر تو نہیں ہے
مورت جو قیض کی تواضع یہ نہیں ہے
بیچے مری آنکھیں ہی نہیں دل ہی نہیں ہے
آنکھوں سے تو اقرار ہے اور لب نہیں ہے
وہ ہیں بکلیں کیا مری تھریہ جیس ہے
سب کچھ ہو مگر تو نہ ہو نہ کچھ بھی نہیں ہے
کر شکر مراد دل سے پہلو میں نہیں ہے

وہ بُت کبھی ہے اور کبھی پہلو میں نہیں ہے
یہ آج تصور میں مے کون حسین ہے
غفلت کا نہیں وقت دم باز پسین ہے
سب لعل ہیں سب بیچ ہیں یہ عیش نگہ ماں
نہر میں ہے مے سودا کہ ہے تاج میں گہر
جو چیز سہراہ پڑی پائی تھی تم نے
ہم خوب سمجھتے ہیں تجھ اے ختم گردوں
آجاتے ہیں بے پردہ تیس یوں مے آگے
وگدے میں مراد ہے پڑا ہوں چہ کم میں
تو رہی ہی چڑھی رہتی ہے انکی مے آگے
کچھ میں نہ ہو اک تو ہو تو سب کچھ ہے سر پہ
ناج میری حالت پہ نہ کر لئے طاقت

کھویا ہوا حکما ہے بس اک ایک لعل کو
عجز و رعب تری بزم میں ہے بھی تو نہیں ہے

خدا پر چھوڑ دو چارہ گرد آبِ حسد میرا
تم آسان کرتے جاتے ہو یہ مشکل ہوتا جاتا ہے

دم یہاں اکھڑا ہوا ہے نزع کا جنگام ہے
کیا بھی ہے لو خدا حافظ ہیں اب کام ہے

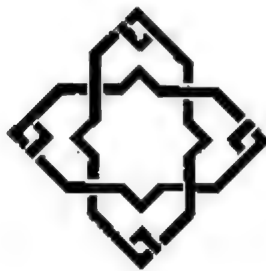
اب کہوں کب تک یہ کروں کر میرے بنے
وہ نہیں ہے فتنہ گریب سزا اعمال کی
یہ ہے میری ذات خود ہی فتنہ گریب لیتے
ہم نے اغیار کو خونِ جگر سے لیتے
درد دل اور جگر اور دردِ دوسریسے لیتے

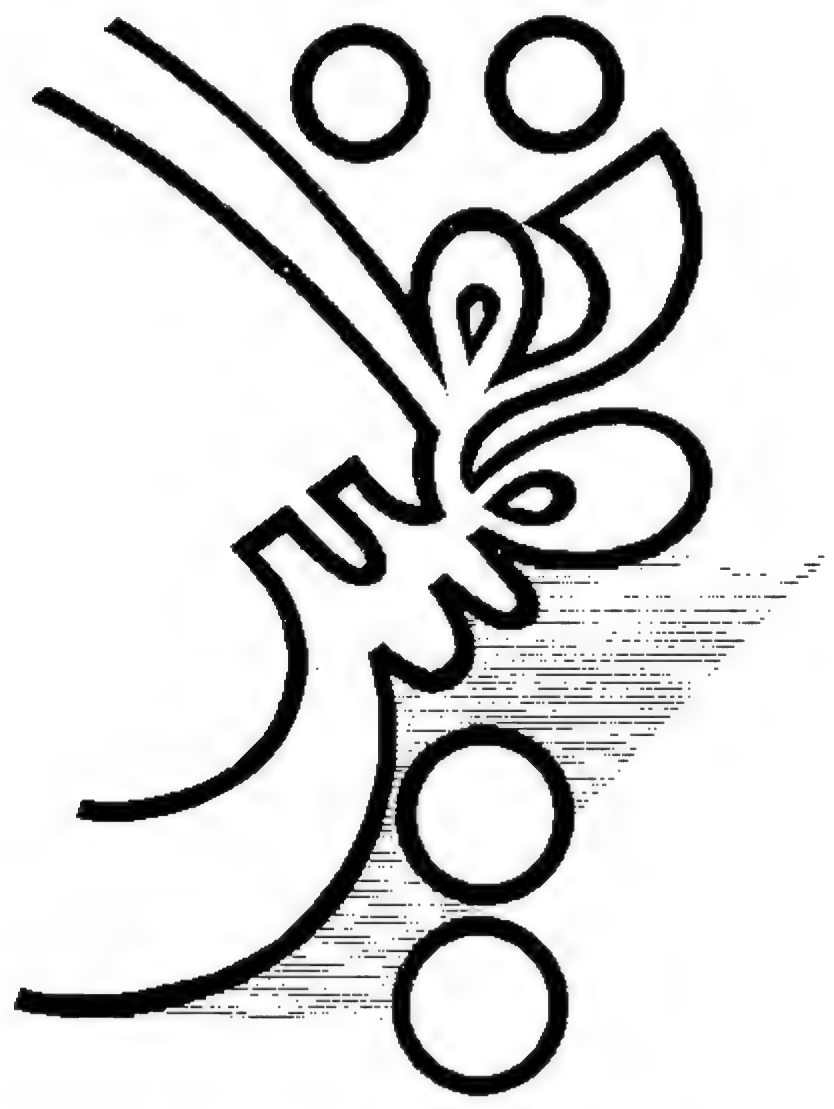
خزاں کے دور دکھائے فلک ہزار سے مجھے
بنا دیا ہے کسی نے سدِ بہار مجھے
ہو آگئے ہومرے گھر تو جہان نہیں سکتے
جب اختیار تمہیں تھا اب اختیار مجھے

سخت جانی تے قربانِ بچاؤں کو
وہ دکھا زور کہ شل بازوئے قاتل ہو جائے
شوخِ دستاری کا اپنی دیکھ تو مڑ کر اثر
ساتھ ہی اٹھ کر وال ہنر شس پائے کو ہے
مچنے جاؤ آرزو پوری کبھی مشتاق کی
راک ذرا ٹھہر دو کوئی تم پر پند ہونے کو ہے
غم کے غم خالی کرے ساتی جو اک لک ساس میں
ایک دوسا غریب اس کا کیا بھلا ہونے کو ہے

ہم تو ہونے دیں نہ واقف راز سے
بس چلے بھی دیوئے غماز سے
احسنِ مصلِ خورشید محض ہو گئے
بزم میں آتے وہ اکس الماز سے
سب سے کمر دی حزرِ جاں اور زبان
بات جو نکل لبِ اعجاز سے

جو احب او غلوت میں یوں غم اُٹھیلے
 اُس ایسے میں کیا کہہ سکے کوئی ظالم
 حینو! چلو کر دیا مال سستا
 رادھر آ۔ یکے سے تجھ کو گالیں
 بہت غم ہے دکھ بہت غم نے عجیبے
 کہ اس نفس سرکش کو قابو میں لے لے
 تو پھر کیوں نہ آغوش میں کوئی لے لے
 جو چٹکے ہی سے چٹکیاں مل میں لے لے
 جو پہلو میں آ جائے وہ دل کو لے لے
 کہ تو بھی اُٹھیا ہے غم بھی اُٹھیلے
 کب عشق کیا جان پر اپنی کھیلے
 تجھے غم تو معجز و بے حسیب مرد جانیں
 کہ اس نفس سرکش کو قابو میں لے لے





حسن اللفظ اسم البیاض تنغی است
برنہ مرغ خور کے جوید و سیل

تضمین بر اشعار جناب شفق عابد پوری

فیض تو حسیہ صد قالب یکجاں ہم تھے
کب اس انداز سے اور اق پریشاں ہم تھے
ایسے افسردہ تھے کب شعلہ بدماں ہم تھے
یاد ایام کرمیت کے نگہباز ہم تھے

جس پر سلام تھا ازاں وہ مسلمان ہم تھے

محرکوں میں تھے جواں بہشتہ شہر تھے ہم
خالقاہوں میں مگر پیروں کے بھی پیر تھے ہم
کیا خوش اقبال تھے کیا صاحب فقیر تھے ہم
”رزم میں خالہ جانا ز کی تصویر کے ہم

بزم میل تینہ بودر مسلمان ہم تھے“

زور سے جھٹکتے تھے ہم زیر نہدیروں سے
ہاں اگر جوتے تھے مجبور تو تقدیروں سے
لینے تھے کسینوں ڈرتے تھے ہم تیروں سے
”گر جے بکیروں سے بے کہیں شہیروں سے

جس کو روکا نہ محنت نے وہ طوفان ہم تھے“

تمنائے مجذوب بہ لغاتے محبوبؑ

بھڑبھڑے دل میں شوق نعرہ مساند برسوں سے
ترساہوں تجھے لے جلوہ جانانہ برسوں سے
لے پھرتا ہوں میں رہنا تھی پیانہ برسوں سے

نہیں جانا ہوا ہے جانبہ پیانہ برسوں سے
کبھی کبھار دل اب تو یہ ہے تھانہ برسوں سے
ہے گزشتہ کسی کی زگرہ مساند برسوں سے

نہیں اب شمع دگل اور بل پڑانہ برسوں سے
 نہیں ہمال ہوا وہ زینت کا شانہ برسوں سے
 وہ جو حق، اب کہاں فرسودہ ہے میخانہ برسوں سے
 نہیں ہے اب مہر محبت جانانہ برسوں سے
 ڈھارا پے حث کھول دے ہاں کھول دے ساقی
 صراحی در لعل ساغر کھفت مستانہ دار آ جا
 نہ آئی میری نوبت داتے ساقی میری عروسی
 بعد انصاف ہے غیر کو تزیج مجھ پر ہو
 غضب ہے خیر سا آستانہ اب آستانہ نہیں ہے
 نہ رہ سکتا تھا گر گز بنے و معشوق جو دم بھر
 چٹھے سب اب اک سلسلہ اشکوں کا جاری ہے
 بجز عجز و نیاز بندگی میں اور کیا جاؤں
 مراد دل گرد و فالوس خیال شمع رو بہ دم
 مجھے ساقی کر اس دربار میں جانے کے پھر قابل
 ڈھلک جانے مری آنکھوں سے اک آنسو بھی کیا ٹھکن
 عجب ہے جمع شوق و غم کی کیفیات گو ناگوں
 تصور خواب فرخ شک بستر سنگد در تکیہ
 ہزاروں گئے دن ہیں انقلاب ہل رہیں لیکن
 کبھی مجھ کو سنا تھا اور اب مجھ کو بس سنے لو
 سمجھنے ہی نہیں دیتا یہ شور و فہل نالاں
 بنا کر غم مجھے اب اک گوشہ میں بٹھلا دے
 بس اب ملنے لگے مجھ کو توجہ کبھی بادۂ صافی
 انہیں آخر مری یاد آئی اور اس پیار سے آئی
 بس اب کجا بس اب کجا کرم فنا کرم فنا
 بس اب کجا کرم فنا بادل معذوب کی صورت
 تری کس در گذر کے میں تار اس لطف کے قرباں

زباںوں پر ہے میرا اور ترا افسانہ برسوں سے
 گذرتی ہے تو بھی اب مجھے دیجانہ برسوں سے
 نہیں قائم ہوئی ہے مجلس ندانہ برسوں سے
 علم فرقت میں ہوں اب آستین بخانہ برسوں سے
 کھڑا کھڑا کار ہوں میں دیر میخانہ برسوں سے
 لگائے آسرا بیٹھتا ہے اک مستانہ برسوں سے
 برابر گو ہے گردش میں تیرا پیمانہ برسوں سے
 وہ کل عاشق ہوا میں ہوں ادویانہ برسوں سے
 وہ جو بیگانہ جسکے ساتھ تھا یا رانہ برسوں سے
 وہی ہے پہلے اب کے شاہد و پیمانہ برسوں سے
 یہی ہے اب تو اپنا سجدہ صدانہ برسوں سے
 کہ دل ہے زیر مشق ناز معشوقانہ برسوں سے
 جب لے تا بانہ گرداں شورش پڑانہ برسوں سے
 دل بے کیفیت ناقابل نذرانہ برسوں سے
 مرا لبریز ہے گو صبر کا پیمانہ برسوں سے
 مراد دل جو رہا ہے اک عجب خانہ برسوں سے
 میسر اب کہاں نشو و نکست شانانہ برسوں سے
 ہے اک حالت سیر قائم شوریں دیوانہ برسوں سے
 چلا آتا ہے دنیا میں مرا افسانہ برسوں سے
 مجھے درس غموں کی دیلم ہے پڑانہ برسوں سے
 میں ہوں گردش میں جرم صورت پیمانہ برسوں سے
 کہ اے ساقی یہ ہے دوری کش میخانہ برسوں سے
 نہیں آیا ہے اس جانب ادویانہ برسوں سے
 صدائیں دے رہے کونئی بیتا بانہ برسوں سے
 کہ بے نمرہ ہیں آنکھیں بال ہیں شادانہ برسوں سے
 کیا پھر آستانہ اس کو جو تھا بیگانہ برسوں سے

نہیں ہوتا اولے حق نعمت کچھ نہیں ہوتا
مرا سر گوسے قہر سجدہ شکرانہ برسوں سے
دل پر شوقِ روزگارِ بزم میں طرح جاتا ہے
کہ دیکھی ہو نہ جیسے صورتِ جانانہ برسوں سے
میں ہوں تہمتِ دیوانہ ترانے حسن بے پروا
دیئے بیٹھا ہوں کچھ کویشگی بیجانہ برسوں سے
ترا جھڑو تب جذباتِ حسن ہی سے کام نکلے گا
جوت ہے تو مریدِ محبتِ دانہ برسوں سے

مدحتِ شیخ

یہ رُوتے اُفر، یہ نُوئے زیبا، جمالِ ایسا کمالِ ایسا
خدا کی قدرت کا ہے کُشم، جمالِ ایسا کمالِ ایسا
کہیں نہ دیکھا کہیں نہ پایا جمالِ ایسا کمالِ ایسا
دکھائے کوئی اگر ہو دعویٰ، جمالِ ایسا کمالِ ایسا
یہ رنگِ جلوت، یہ کیفیتِ خلوت، یہ جامعیتِ خدا کی قدرت
یہ علم و حکمت، یہ زُہد و تقویٰ، جمالِ ایسا کمالِ ایسا
چہاں سارا تو چہاں مارا بُا و انصافِ خدا را
کہیں بھی لے ہر وہاں دیکھا، جمالِ ایسا کمالِ ایسا
بھلا وہ سمجھے تو کیسے سمجھے، بھلا وہ جانے تو کیسے جانے
جو قلب اور عقل کا ہوا اندھا، جمالِ ایسا کمالِ ایسا

نذرِ شیخ

وہی بے ہوش ہے جو آپ کا پاکستان نہیں
دوست موتے ہیں خدا جلتے ہیں دشمن تجھے سے
خود وہ دیوانہ ہے جو آپ کا دیوانہ نہیں
کون ہے جو تھے حسن کا پروانہ نہیں
کور باطن ہے وہ جس نے تجھے پہچان نہیں
روزِ روشن کی طرح تیرا نمایاں ہے کمال

لاادھر جام کہ نا اہل ہیں مسکر ساقی
در خور ہر کس ناکس ترا پیسا نہ نہیں
شور و اعظ ہے اسی وقت کہ ہے پیر مٹاں
گو گنج بیک کہ ترا نعرہ مستانہ نہیں
قونے پیروں کے دیئے کھول سب دتے رہتے
جاہلوں کو بھی اب آسان ہے پہکانہ نہیں
پر گئیں مجھوٹے مشائخ کی دوکانیں بھکی
چال چلتی کوئی اب ان کی فریاد نہ نہیں
فار کھاتے ہیں شہر و دیہ حد میں تریسے
اور کیا کھائیں چڑھاوا نہیں نذرانہ نہیں
خود ہی مٹ باتیں گئے سب حقے مٹاؤ والے
لاکھ کوشش کریں مٹاؤ ترا افشاء نہیں
کھتے ہیں اہل حد تیری ہوا خیر سی کیا
نمکن ان ذروں سے خورشید چھپ جانا نہیں
اِس زمانہ میں ہے محروم ازل یہ شناخت
یعنی جو معتقد حضرت مولانا نہیں

شاہ صاحب جو سمجھتا ہے تو بھک منگوں کو
تو نے دیکھی دوا بھی صورت شاہانہ نہیں

پیشکش

پیش ہوتی خوش ہوش سہی قورما ستیا
کافی ہے تسلی کے لئے موٹھ کا دلپ
کھا آجوں خدا کا دیا بے منت و محنت
کرتی ہے خوش آمد لب لب بھونی ہے دلیا

پیشن ہوئی غائب لب لب کھانے کو دلیا
لیکن یہی دلیا ہے مجھے قورما قلب
بے فکر ہوں دلدادہوں آزاد ہوں بالکل
رہنا ہے بنا کس نہ لب لب اب عالم ہے "دلیا"

کھانے کو بڑا کیا ہے مرا موٹھ کا دلپ
پوشش کو بڑی کیا ہے مری کالی کلب
صد شکر مرا پیٹ بھرا چم ڈھکا ہے
گواہی دیا ہے نہ اب قورما قلب

پیشن بھی بہت ہے مری کیوں کھاؤں میں دلیا
اب بھی مجھے دیتا ہے خدا قورما ستیا
صد شکر کہ اب بھی مجھے ہر شے ہے میسر
اب بھی وحی کرتی وحی اپن ہے چھکلیا

جو پیش ہو گئی ہے تو وہ کیا بات ہے اپنی
 فراغت ہو گئی جس طرح غم لئے دینا سے
 سحر اپنی ہے شام اپنی ہے دن اپنا ہے اس اپنی
 تو نہیں ہو آخرت میں بھی خداوند اجات اپنی

تنبیہ غافل از مجزوب عاقل

دکھائے گاہ تاکے خاکداں اپنی بہار آخر
 حقیقت منکشف ہو گئی ہے گاہ غلبہ رآخر
 یہ غفلت تلکے آنے کو ہے روزِ شہ رآخر
 یہ اترے گاہ اترے گا تراک دن خسار آخر
 بھلا کب تک تو پیچھے کا غفلت فل تا مزار آخر
 اے ہے تو سن عمر ردال پر تو سوار آخر
 تن خاکی پہ تاکے یہ لباس زر نگار آخر
 یہ ہو گا ایک دن زیرِ کفن مشیت غبار آخر
 خزاں ہو جائے گی یہ ایک دن تیری بہار آخر
 تے انجام کا اک روز ہو جائے گا کار آخر
 کبھی اُنیسار سے غالی کرے گا بھی کس رآخر
 ترے پہلو میں ہو گا بھی کبھی تیرا نگار آخر
 یہ کیوں حردم ہے وطنِ غیر میں تو پیش یار آخر
 تجھے عار لے آئی کبے سراپانگ و عار آخر
 بے گاناک میں یہ عارضی عزت و قار آخر
 تجھے کس مٹنے والی شے پہ کیوں ہے افتار آخر
 یہ تاکے تیری آراش یہ تاکے تیری زیبائش
 تن سمیں ترا ہو گا خدائے مورد مار آخر
 یہ تیرا خانہ رنگیں، یہ تیرا بستر زریں
 بفرش خاک سونا ہے تجھے زیرِ مزار آخر

اُسے خوش ہونے دو روزہ بہارِ عالم پر
نہ صیاد اجل کا تلبکے ہو گا شکارِ آخر

مہم ہنگامہ محشر یہ گم ہو جائے گایک
جہاں کا شور و غوغا، غلِ غبارِ خفتِ راسِ خضر
خیالی روشنی یہ سب تری روشن خیالی ہے
سمجھ رکھا ہے جس کو نورِ وہ نکلے گا نارِ آخر

بنانِ گلبدن تو بن یہ اپنی جان دیا ہے
تری دنیا و دین کی راہ میں بویں گے خارِ آخر
ترے کہنے میں جو اعضا ہیں ترے عیب کھولیں گے
ترے ہو جائیں گے دشمن یہ تیرے دوستِ ارِ آخر

پتے دنیا کیا تو نے اُسے غافل نہ کیا کچھ
اُسے اب کچھ تو کر لے تو پتے پروردگارِ آخر
پتے دیں تجھ سے اک تھوڑی سی محنت بھی نہیں ہوتی
پتے دنیا فدا کار اور تو ہے جاں نثارِ آخر

جو سر سے یوں پٹک دینا تھا کس بارِ امانت کو
تو پھر تو نے لیا ہی کیوں تھا اپنے سر پہ بارِ آخر
پتے دنیا بہت ہے عاقبت میں ہو پتے دیں بھی
یہاں کیوں عاقبت دینی نہیں تیرا شمارِ آخر

جہاں رہنا عیدِ شہ ہے وہاں کا بھی تو سماں کر
اُسے تاکے یہ عیشِ عشرتِ ناپائیدارِ کر
نہ کر آلودہ عصیاں امانت ہے امانتِ حباں
یہ واپس کرنی ہے تجھ کو حیاتِ مستعارِ آخر

نہ سمجھے گا خدا کو اور بنی کو بھی مہم
تو پھر لے جاں کس کا کرے گا استبارِ آخر
کہے دیا ہوں لے اُصافِ یہ بے دنیاں سیری
کریں گی تجھ کو خوارِ آخر، کریں گی تجھ کو خوارِ آخر

تپ دق ہے اور اس پر یہ سمجھتا ہے کہ اچھا ہوں
یہ حالت دیکھ کر کیوں ہونہ دل مسیحا نگار آخر

چسے رنگ چمن دل سے لب پر آنے دیتا تھا
وہ نالہ لب پر آج آہی گیلے استیسا ر آخر

ہوا مرنے کو مجنوں جب اب تو چھوڑا اعمال بدلنے
یہ تلمکے تیرے کار آخر یہ تلمکے حال زار آخر

اے اور دسیہ کس فرستے اور کیا لے کر جانے گا
تجھے ہونا ہے پیش اک روز پیش کر دگا ر آخر

مہینے والے پہنچے آہ منزل تو رہا پیچھے
اے اٹھ بھی یہ غفلت تابہ کے غفلت کشکار آخر

بس اب مرنے کو ہے جاگے گا تو کیا حشر کے دن کو
تجھے کس وقت کا اب گیا ہے انتظار آخر

کوئی حد ہے بڑھاپا آخر ششام روز و حسد میں
کبھی تو آئے گا بھی تابکار اے نابکار آخر

عمل سے بھی تو اے مجنوں غافل اب مبتلا ہو
یتیرہ اغم یہ تیری چیخ یہ تیری پکار آخر

ہزاروں بار تو یہ کی مگر ہر بار پی لی ، پی لی
بڑا اس بار بھی بد عہد کیا ہوا استبار آخر

دعا پر ختم کرتا ہوں کہ حق تو مہینے طاعت دے
مجھے جاؤں وہی اک بات کب تک بار بار آخر



سوال جواب صوفی و مجذوب

از صوفی صاحب :-

اکھیر محبت ہوں زہر و عشق و فنا ہوں
میں اشک ہوں یا درد ہوں یا آوارا ہوں

اک خادم دیرینہ ہوں نقش کعبہ پا ہوں
صوفی کا لقب آپ کے بھٹا ہے و مگر نہ

میں شمع اگر آپ تو پروانہ ہوں میں بھی
مگر فہم ہی عاشق و دیوانہ ہوں میں بھی

اس میکہ عشق کا مساندہ ہوں میں بھی
بچھڑے ہوئے محبوب کے مجذوب جو تم ہو

از مجذوب صاحب :-

مجذوب کو اک دور کی نسبت بھی ہے کافی
توفیق ہم سے ہو غفلت کی تلافی
مجھ کو ہو عطا میرے گناہوں کی معافی

یہ قرب مبارک تجھے ملے صوفی صافی
اس زندہ کے حق میں دعا کر دے خدا را
سنجھتے تجھے اللہ بلند ہی مراتب

نہ لیکھوئے کے ہر جلسہ میں اک کبریا پیدا کر
جو لہر زبانی توحید ہو وہ حب م پیدا کر
نہیں کچھ دل کی شرکت جس چلتی ہے باں تیری

نہ لید رہن کے اخلاف جہاں میں نام پیدا کر
بس لپٹنے دل میں قسم جذبہ اسلام پیدا کر
ابھی ہیں بے اثر بالکل بسندہ ابھی تیری

حیات بعد الممات مات مجذوب

مجذوب اس لقب ہی کے قابل نہیں ہوا
مجذوب منہ دکھانے کے تہا نہیں ہوا

وہ حق کے ساتھ رابطہ دل نہیں ہوا
وہ آنکھ اب نہیں ہے وہ اب دل نہیں ہوا

ہاتھی ہے مال مرا کچھ نہ پڑ چھوے
وہ آکھ جو نہ عنید کو شیکھے نہیں رہی
میں لاکھ توہ کر آہوں بھتی نہیں کبھی
اس کے سوا کہ آپ ہی میری مدد کریں
تاراج کر لیا ہے مجھے شیطان و نفس
وہ مال جو گیس ہے کہ گویا کبھی بھی میں
ناچار بہر پارہ چسلا آیا سب گھول
اب رات دن ہے ذکر تباہ اور شعل عشق
پہلو میں میکر وہ دل ناپاک ہے حضور
قابو میں میرے اب مری آنکھیں نہیں رہیں
کوئی گشت ہو کرنے میں کچھ باک ہی نہیں
بے فکر آخرت سے کچھ ایسا ہوا ہوں میں
اب میری غفلتوں کی کوئی حد نہیں رہی
توفیق تو بہ کثرت عیال نے سلب کی
ہر وقت مصیبت کا تقاضا ہے نفس میں
پٹنے لگا ہے اب تو نفس افس میں بھی صل
پہلی سی فکر جائز و ناجائز اب نہیں
جب سے شریک مال غایت قبول کی ہے
وہ ذوق و شوق قلبہ افسر نہیں ہے
وہ وہ کئے ہیں مجرم کہ انصاف تو یہ ہے
کب سے کہوں کہوں جو حضرت سے حال دل
لے خضر راہ کیجے لبس جلد و مہسری
یہ التجب اکرم کی بلا حق کے ہے حضور
طاعت ہی لبس حیات ہے اور مصیبت مات
یہ اہل ہے آپ سا کامل ہے مہرباں

کہنے کے اور سننے کے قابل نہیں رہا
وہ دل جو ہوئے عنید پر نائل نہیں رہا
اب اپنے عزم کا تو میں فتائل نہیں رہا
کچھ چارویسے مژم شد کامل نہیں رہا
جو کچھ کب تھا آپ سے صل نہیں رہا
خدم میں حضور کے حاصل نہیں رہا
درد میں غمت دکھانے کے فتائل نہیں رہا
اللہ کا میں ذکر و شغل نہیں رہا
میں پاس بیٹھنے کے محبت بل نہیں رہا
کہنے میں میرے اب یہ مراد دل نہیں رہا
جو خوف حق تھا بیچ میں حاصل نہیں رہا
جیسے کہ موت ہی کا میں فتائل نہیں رہا
مجھ سا جہاں میں اب کوئی غافل نہیں رہا
بحر غمت کا اب کوئی ساحل نہیں رہا
دل خیر کی طرف مرا نائل نہیں رہا
یہ می نہیں کہ شوق تو اسل نہیں رہا
خط حد و دیکر مسائل نہیں رہا
اللہ کا تو فضل ہی سب مل نہیں رہا
وہ رنگ گل وہ شور غمت دل نہیں رہا
سرکار اب میں حکم کے فتائل نہیں رہا
گوشت تو میرا عرض کے فتائل نہیں رہا
رخ سونے قصر ہے سونے منزل نہیں رہا
حق کو تو کر چکا ہوں میں زائل نہیں رہا
کیا زند ہوں میں زندوں میں شامل نہیں رہا
گرج ہے میں تو ہاں کسی کے قابل نہیں رہا

دستِ گرم ہو جانبِ مجذوبے پھر دراز
مردمِ سب کا کبھی سنا نہیں رہا

حیاتِ مجذوب

ناقص کو اک نگاہ میں کامل بنسا دیا
مجزوبے کو بھی آپ نے عاقل بنسا دیا
آنکھوں کو آنکھیں مل کوئے دل بنسا دیا
دبے فنا کو زلیست کا حامل بنسا دیا
گردابِ ہونٹوں کو ساحل بنسا دیا
جو تھے رذائل ان کو فضائل بنسا دیا
آگاہ حق سے عزیز سے غافل بنسا دیا
مہجور و نامراد کو دواصل بنسا دیا
پر تو سے اپنے رونقِ محفل بنسا دیا
ایسا لازارِ نارس کے قابل بنسا دیا
اتنا اُبھارا صدرِ اہلِ فضل بنسا دیا
خوشیدِ پُر ضیاء کے مثال بنسا دیا
میں نے جن مرسہل کو مشکل بنسا دیا
بیزارِ کار و بار و مشغل بنسا دیا
اگر بس بزمِ بے ثبات سے بد دل بنسا دیا
زورِ ذہنی امور میں کامل بنسا دیا
مشکل کو سہل سہل کو مشکل بنا دیا
آبادہ بہرِ قطعِ مسند زل بنسا دیا
قاتل کو مسیکر آپ نے سہل بنسا دیا
سہل کو گویا آپ نے قاتل بنسا دیا

مجزوبے کو وسیہ کو دواصل بنسا دیا
بہید کیدِ نفس کے قاتل بنسا دیا
نقشِ بیاں مٹایا دکھایا جمالِ حق
عشقِ بیاں جو ابے مبدلِ بختِ حق
کیا نا خدا ہیں آپ بھی اس بھر عشق کے
فیضِ انور سے نفس کی کایا پست گئی
غفلت میں دل پڑا تھا کہ ناگاہ آپ نے
مردودِ بارگاہِ ہوا باریاب پھر
اُس رو سیہ کو آپ نے جو تنگ بزم تھا
اُس قلبِ ناسزا کو جو تنگ وجود تھا
ایسے کو جو پڑا تھا مذلت کے قعر میں
میکر دلِ سیاہ کو انوارِ قلب سے
پھر سہل کر دیا مرے سرکار آپ نے
چکا لگا کے یادِ خدا کا حضور نے
ولدادہ کر دیا مجھے غلوت کا آپ نے
دینی امور میں تو کیا محب کو مستعد
مشکل تھا دینِ ہل تھی دنیا اب آپ نے
مجھ پاشکتہ کو بھی سہارے نے آپ کے
کر کر کے وارِ نفس پر تیغِ نگاہ کے
منسوبِ نفس تھا غرابِ نفس کس جوں میں

الزائر ذکر رہتے ہیں گھیرے جوتے مجھے
میں کیا کہوں کہ کیا تو تھا اور اب بھنور نے
بخش حیات قلب عیسائی نفس پر آپ
ہاں کیوں نہ ہو وہ ذات مقدس ہے آپ کی
کر کے سہل وہ وہ وقائی بیاں کئے
صحبت اپنی منطقی و فلسفی کو بھی
ہمت بڑھانے کے بار امانت کا آپ نے
آزاد تھے جو مذہبِ ہمت سے اُن کو بھی
علم جیسے ہرزہ گو بھی تو اب ڈاکو دل میں ہیں
غاصب تھے وہ صاحبِ جو دو سخا ہوئے
اتنا کیا ہے آپ نے آسماں طریق کو
وہ وہ نتائج اخذ کئے ہیں کہ آپ نے
آہن کو سوزِ دل سے کیا نرم آپ نے
دیکھا نہ کوئی مصلح اخلاق آپ سا
دُنیہ کو راہِ راست دکھائی حضور نے
کیا طرفہ ہے طریقِ پرایت حضور کا
کہہ دیجئے بس اب مجھے اپنے سے پیغمبر

خلوت کو میری آپ نے محفل بنا دیا
کیا مجھ کو میرے مُرشدِ کامل بنا دیا
مردہ کو زندہ کہنے کے قابل بنا دیا
رندوں کو پس نے صوفیِ کامل بنا دیا
ناہقِ جاہلوں کو بھی عقلِ بسا دیا
فشارِ اُن اور حدیث کا عامل بنا دیا
مجھے جیسے ناقول کو بھی عامل بنا دیا
وابستہ چارہ سلاسل بنا دیا
زراعوں کو ہموارئے عدا دل بنا دیا
اور ظالموں کو آپ نے عادل بنا دیا
کہہ سکتے ہیں کہ راہ کو منزل بنا دیا
ادنیٰ امور کو بھی مسائل بنا دیا
نا آشنائے درد کو بسمل بنا دیا
دیوؤں کو بھی فرشتہ ثنائی بنا دیا
جب کج رویوں نے پیرو باطل بنا دیا
گم کردہ راہ کو رہبرِ منزل بنا دیا
اس لئے علم نے مجھے سب اہل بنا دیا

مجھ کو آج درسِ جاں ہے دامنِ مجھے ہوئے
صدِ شکر حق نے آپ کا سائل بنا دیا

حقیقتِ نفس

عقل کو اس کی تو کام سمجھ
اس کو خالق کا لطفِ عام سمجھ
اور چلانے کو اپنے کام سمجھ

نفس کو اس پر تیز کام سمجھ
تجربہ کو بخشنا گسار ہے یہ رہوار
تیز چلنا تو کام ہے اس کا

تیز جائے گا یہ جودھ لے چیل
چلنے پانے ذرا نہ ٹیڑھی چال
لے پلا تو جو سونے غیر اسکو
اور اگر اس کو پھیرا جانب شر
اسکی نیکی بدی ہے تیرے ہاتھ
جو سمجھ آپ کو سمجھ اسکو
اسکی ٹھوکر کو اپنی ٹھوکر کہہ
اسکے اندر ہیں خیر و شر دونوں
شر نہ ہوتا تو خیر کب ہوتی
اس میں ضرورت سے نظم عالم ہے
نفس گویا ہے اک تو سن شوخ
لکھ پا جائے اس پر وقت اور

یہ سنا جانے سے سہ بھی جاتا ہے
مجھ سے اک اس کا انتظام سمجھ

طریقہ اصلاح

یہ جو اڑ جائے تو بھی بس اڑ جا
یہ کیا رام زن تو پھر نا عشر
جب یہ چلنے لگے اشاروں پر
ورنہ کہ بار بار پھر کوشش
عمر بھر رام اگر نہ ہو بالضر
عمر بھر وہ یونہی مشقت میں
جو سہولت سے یا مشقت سے
نفس کو تو بجبر دوسرے رکھ

اک مفید اسکو انتظام سمجھ
اُس کا اپنے کو تو عیش و آرام سمجھ
بس اسی وقت اسکو رام سمجھ
اپنی کوشش کو تا تمام سمجھ
پھر بھی فرض اسکی روک تمام سمجھ
اس پابندی میں حسبِ نام سمجھ
اپنے ذمہ تو نفس من کام سمجھ
واجب اس کا بھی بس دوم سمجھ

لاکھ اصلاح اپنی تو کر لے فامر اپنے کو تو مدام سمجھ
 حق تقویٰ ادا ہوا ہے نہ ہو اپنے تقویٰ کو ناتمام سمجھ
 چست دنیا میں ہے تو اپنے کو دیں میں بھی نہ سست کام سمجھ
 جو نہ امکان میں ہو ترے ان کا اپنے ذمہ نہ آہستہ سمجھ
 اب بھی سمجھ نہ جو حقیقتِ نفس وہ سمجھ ہے برائے نام سمجھ
 بڑے مجذوب کی سمجھ اسکو
 اسکو صلیح کا ایک پیغام سمجھ

فریبِ ابہستی

یہ اشعار خواجہ صاحب نے اپنے صاحبزادے طاہر فیض الحسن غازی کی وفات پر فرمائے۔
 نگاہوں سے جوا و بھل جلوہ جانا نہ ہو جائے
 مری نظروں میں کیوں تاریک بھر دینا نہ ہو جائے
 نصیحتِ تیری ناصح شکوہ بے جا نہ ہو جائے
 رواں بے اختیار آنکھوں کیوں ریانا نہ ہو جائے
 کروں کیا صبر کا لبریز جب پیمانہ ہو جائے
 یہ عالمِ میش و عشرت کا یہ حالت کینِ بستی کی
 بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں بستی کی
 جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورتِ بستی کی
 بس اتنی سی حقیقت ہے فریبِ ابہستی کی
 کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے
 کبھی کورات دن سرگرمِ ذباہ و فقاہ پایا
 کسی کو خاکِ گونا گوں سے آدم سرگراں پایا
 کسی کو علم نے آسودہ نہ زیرِ آسماں پایا
 بس ایک مجذوب کیوں علم کہ میں شادماں پایا
 جو بچنا ہو غلوں سے آپ کا دیوانہ ہو جائے

اشعار متعلقہ تکیہ

تکیہ سے سر اٹھانے وقت نماز آگیا
تکیہ رکھنے مگر ایسا کیجئے
مسلم خواہید اٹھ بیٹھا مہرا تو بھی ہو
پھول سے رُخ کے لئے چھوٹا تکیہ جو میل
تکیہ باز ہے جب اس قصد سے آرام کریں
نہیں جائز جو یہ نیت ہو کہ بس سو کر
باز کا وقت اب نہیں وقت نیاز آگیا
تکیہ پر رکھا کیجئے
ہو گئی صبح دم گرم تماشا تو بھی ہو
کیونکہ مشہور ہے الجس الی اکبر میل
تازہ دم ہو کے جو انہیں بہت کام کریں
شام سے صبح کریں صبح سے پھر شام کریں

کچھ نفس کا بھی حق ہے نہ اب کام کیجئے
تکیہ رکھ کے بس اب آرام کیجئے

تکیہ ہے آرام ہے آرام پیئے کام
سوز والے کبھی امر قد میں ملجی سونا ہوگا
منہ میں خوب سو تکیہ پر نہ رکھ
مگر اللہ پر اپنی نظر رکھ

یہ تکیہ یا زانوئے خور ہے
مزن ہے دل کش ہے پُر نور ہے
گداز اس قدر ہے کہ رکھتے ہی سر
معا کھل دن بھر کا سب دور ہے



قندپرسی

گر مُطربُ عرفاں این پارسِی بخواند
در قسَم و حالت آرد پیرانِ پارسا

عندلیبِ بوستانِ رازِ ہوں
ہمنوائے نبلِ شیرازِ ہوں

قطعات

مرا بر سیر چشماں ز دل بیرون نخواهد شد
قفسائے آسماں این است دیگر گویں نخواهد شد
مرا روز ازل کا سہے بجز رندی نہ فرمودند
ہر اس قیمت کہ آج گشتہ گم اوافزدل نخواهد شد

جمال من می دارم کہ پہناں ہر سہہ دارم
کنار و کوس و اغوش چگونم چوں نخواهد شد

رجیم جو میرت کیف صہ پیمانہ می ریم
من آں تم کو از جام تہی میخانہ می ریم
چہ اند نطق ز ندی من در پیش صورت را
مے صافی زیر دلق در پیمانہ می ریم

نیایی تا ابد زیں بہر ہرگز این چنین وقتے
بصد کوشش عنان تو کس عمر رواں در کش
بیاد دوست اے مجذوب گم کن ہستی خود را
چو عمر جاوداں خواہی بجاں آں جان جاں در کش



دُعائے طالبینِ رُکابِ العالمینؑ

الہی رسم کن چسپاں زار م
 مرا از دست برده نفس و شیطان
 بچشم لطیف قیب من بچسپار
 بچشم لطیف سوئے من بچسپار
 دلہ را کن از تیر خویش آگاہ
 بچی لختہ ست اشرف علی شاہ
 ز لبہ سم دور کن کبر و منی را
 بگردان نفس بار مٹمت نہ
 بگردان جان ز شتم را بگردان
 ز قلم حجت غیبہ نوادہ بر کن
 چنان ایزد سے نمود کن و ہم را
 ہزاراں باتو وصل شمع و شتاب اند
 من ناکارہ را ہم بخش بارے
 رزم دہ پیش من خدمتہ بابا است
 من محبوب را مجذوب گردان
 کرامت کن الہی استقامت
 بخود مشغولی دار اندر حیات
 حیات را حیات پاک بگردان
 بدوزخ ما کہ رفت از دست کاریم
 بود ہر لحظہ عیم دین و دایساں
 نگردد دما ز راہ صدق و نہ ہر
 مرا از نفس و شیطان بے خطر کن
 کہ خود در طریق عشق گمراہ
 کہ عید ست اشرف و علی و بی جاہ
 شرف بخش این نفس دنی را
 قہا الوہد سوا من ناس و جنتہ
 مرا بر نفس غالب کن چو مردان
 بیا و خود ز عالم بے غمیر کن
 نیایم در نظر صد جہم جہم را
 بدگاہت ہزاراں ہارباب اند
 من آوارہ را ہم دو قرارے
 حجاب اندر تباب اندر حجاب است
 محبت خویش دہم محبوب گردان
 عنایت کن عنایت کن عنایت
 اگر میرم بدہ یارب خجتم
 مہتم را نہایت پاک گردان

دم آغز غمیر انجاسم ناکن
 بخدمت زیر پایے مصطفیٰ کن

دعوت الیہ لکین رجوع الی الصّادقین

نہ تنہا لے ڈھاگو ایں دُعا کن
 وریں رہ رہنا شرط و ہول است
 مگر رہبر بے کم در جہاںند
 اگر خواہی شدن یا بند حق
 بجواز حضرت اشرف علی شاہ
 ز جد و جد او تجدیدیں شد
 بمالہ کا طین را او اہم ست
 مسمی بود چوں از عین اشرف
 بسلم ظاہر و باطن یگانہ
 برائے درد ہائے دل دوائے
 زہر مصلح بعد خود بہ است او
 پئے تادیب چوں پر قبر گردد
 بصورت منہ پریشان جلّالی
 چہ پر ہر آن نگاہ خطّین است
 نگاہ مست او بیگانہ و اراست
 جہاں سوز داگر در غمزدہ آید
 ہونہ داو ہزاراں دل بہ آبی
 چہ گویم حالی آن کورایم است
 عیب حال است پیش حال بندہ
 بہ گویا نیست حد اصلاح کوشی
 دماکن علم تلاش رہنما کن
 بخود سعی التوب لے کار و فضل است
 بشکل حسنا یاں رہزنا مند
 منشوا زہر کے جویندہ حق
 کہ ہست اہل جہاں را حجتہ اللہ
 بصدق اسلاف خود را جانشین شد
 میان آبسم او ماہ تمام است
 بعد خویش شد لاریب اشرف
 حکیم الامت و قطب زمانہ
 پئے امراض روحانی شفا لے
 کہ علم جراح و علم مرعم نہ است او
 فدائے قبر او صد مہر گردد
 بمعنی منہ پریشان جسمالی
 کہ درو دل ہا محبت آفرین است
 مگر دزدیدہ برہمے گسار است
 شکر یزد اگر در خندہ آید
 کند مرست حد ہا در نگاہے
 عجب مجموعہ امسیدہ بیم است
 بہ خندہ گریہ و در گریہ خندہ
 ہزاراں معنی دارد خموش

اہم دستہ اہل طریقت
 بے درہائے گلہا بریزد
 مہاو خالیت شکر ز منت
 وجود او سدا پاؤں گشتہ
 بر انگیزد بہ دلہا عشق یاسے
 کنار او دل دیوانہ دارد
 کسے کم دیدہ چوں او زاہر مست
 بیاد حق دلش ہم شادمانست
 کہ برب ساغر در بر نگارے
 کہ او در عین پیرم در شایب است
 عجب او دلبر دیرین سال است
 بیا! در خانقاہ اشرف
 کہ فقر اندر قہارے شایب آمد
 کہ یک جا مستمع ناز و نیاز اند
 گہ بر پشت پائے خود نہ بیند
 کہ ہم نہ ہیت شادمانہ دارد
 گھر شادمانہ می دارد مزاجے
 گم است اینجا جو گم بر پیش شیرے
 چنان گویا زباں اندر دہن نیست
 کہ حل عقدہ با بے قیل و قال است
 کہ این بزم است بزم دیدہ روئے
 مزن ہم قفل زان پیشش دہن را
 دلش را بادل خود متصل کن
 اگر غارے بود گلہ ستہ گردد
 تمساش کن عجائب در دل او
 دل او باندا بالائے عرش است

دلیل و ہادی راہ شریعت
 برائے وعظ گفتن او چو شیدو
 الا اے طوطی گو بانی اسرار
 ز نور حق چو قلبش نور گشتہ
 رخس آئینہ حسن نگارے
 سراد عشق صدف زانہ دارد
 صراحی در لعل تسبیح در دست
 بہ ذکر اللہ اور طب اللسان است
 چہ خوش وقتے دشمن روزگارے
 عجب پر بخش کیت این شراب است
 بہ دل بردن عجب اور اکمال است
 ہیں اے خواجہ جاہ اشرف ما
 بخواری دید اگر تو غلامی آمد
 عجائب کار بانی کار سازند
 گہ بر طہر اعلیٰ نشیند
 نہ تنہا صورت شادمانہ دارد
 نہ ملکہ نہ تختے نہ تاجے
 ہر اہل دل زبان آورد دلیرے
 کسے را پیش او تاب سخن نیست
 چہ پیشش حاجت اظہار حال است
 چہ جائے قیل و قال و گفتگوئے
 بخشش ہوش بشنو ہر سخن را
 بے پیدا بدواز دل بہ دل کن
 دے کہ بادل او بستہ گردد
 بکن خود را تو غائب در دل او
 تن او ہمسہ بالائے فرش است

عجب فرحت گئے ہیں خانقاہ است
اگر فردوس بر روی زمین است
یکے ساقی و سہ خواہاں ہزارند
بجناہ بہار است و بہار است
عجب تڑپت گئے ہیں اس خانقاہ است
ہمین است و ہمین است و ہمین است
دو چشم مست و مشغول کارند
کہ وہ و ہد و طرب ہر میگاہ است

خوشا میں پارہ نوشتن الہی

نہے رندی، نہ ہے شال الہی

مپرس از دگران نیم شب
چہ پرسی لطف درو صبح گاہی
پراز دگران گھر حجرہ نکست
دل اینجا می کشد اللہ اللہ
چہ صحت بخش بہت اینجا قضائے
کب پند لے خدا جو یاں کجائید
بیائید آئے طلبکاراں بیائید
قال اللہ چہ عالی باد گاہے
رکس اینجا سیم و زر آئے ندارد
بہشت آنگاہ کہ آزار لے نباشد
بیان خود ترک کنی کبر و منی را
ز شرح فیض اوست صریحان است
ہی تا دیدہ گردد این شنیدہ
نہ گویم غیر حق کایں امر دین است

کہ مجبور و بے اختیار ہند گوید

”لفسہ ہر چہ گوید دیدہ گوید“

ز خاصان خدا اشرف علی بہت
کہ قول و فعل و حال او گواہست
شک آور دن بجز بے حالی نیست
ہر اہل عقل و دین را او امام است
ولی بہت و ولی بہت و ولی بہت
جمال و علم کمال او گواہست
کہ کار اہل دل زو بہد ولی نیست
خلاف او شدن سود لے غام است

زبان مگر گرد و قفل دست
زبان است زبان است زبان است
کہ ہست این دست غور زنجیر کردن
برائے جنگ پیش خود بخیزد
چہ پیش میر ذرات غیب را اند
مگر پر شہرہ چشماں نہاں است
کز افکاش چہاں آتش بجاں شد
یگشت از مشعل صد شمع روشن
بسالم فتن او پای بندہ بادا

بد دل ہر مستی غم نائل دوست
ز بغض او چہ سود و کشتن است
نمی شاید ز شیراں خبہ کردن
ہر آں کو باولی حق ستیزد
چہ باک از دشمنان او کہ خوارند
ہمہ گیری تویر او عیان است
چنان سوز نہاں او عیان شد
ہزارانند از دشمن بدامن
دش از عشق دایم زندہ بادا

چہ شد مجذوب اگر دیوانہ دوست

ہمہ عالم بسیں پڑانہ دوست

تمکین بعد التلون

سفر ہفتا نہ ہجسون

ہمچو خس افغان و خیزاں میروم
صفت مہر شہر و غزل خواں میروم
ہیں مرا چوں گل چہ خنداں میروم
سر خوش و شادان و فرحاں میروم
سر ہمدردا با بچوں میروم
شاوہاں در بر گلستاں میروم
میدوم ہاں میدوم ہاں میروم
در تلاش آب حیاں میروم
گاہ خستہاں گاہ گریاں میروم
بلے خود و بہوت و حیدراں میروم

در جوشے کوئے جاہاں میروم
وہ چہ باشوق و فراواں میروم
گودرید جیب و داماں میروم
گواہاں ماراں پریشاں میروم
سوئے آں آشک و گستاں میروم
گرمیاں در بیاہاں میروم
مست گواہاں شہر جاں میروم
سرکشت آتش بداماں میروم
مست چوں آب بہاراں میروم
در عجب الوار عرفاں میروم

میرم چون نہر نے مثل قمر
نزد آں کرے شد تجہ دیدیں
او حکم الامت و من جان بسب
آں کہے از ساقی کوثر بیافت
ہم و لب خشک و خم خالی بدوش
کاسہ در دست و زبیلے بر
گوئم یک بلبل بے بال و پر
گوئم مورے ضعیف و ناتوان
از دفر شوق او در دشت با
ہیں چنان پروانہ وار نقش بجاں
چنگ و عود و منظر و ساقی و خم
جام در دست و نہاگی در نعل
مست و خم در عجب و جد و طرب
آتش عشق افگم و رسیہا
گریہ شوق است این از در دیمت
در خیال و دست من بگلانہ وار
محو مستغرق بیا و جان جان
چیت مان و زرجہ باشد خان مان
وارم از فضل خدا اُمید با
باز سودا شد من مجذوب و حبس را
ہستم آں مجذوب و حبس دیوانہ کہ من

بر سر اعداء نمایاں میروم
از پئے تجہ دید ایساں میروم
در حضورش بہر دریاں میروم
پیش دلے فرشتاں میروم
نہں چہ پر شوق و پیراں میروم
بے سرو ساں سلطان میروم
در ہولے شوق پراں میروم
ہیں کہ بر تخت سلیمان میروم
تیز تر ہم از غزالاں میروم
سوسے آں شمع فروزاں میروم
با چگونہ ساز و ساناں میروم
در گروہ پاکبازاں میروم
و کہ شوق است ایکہ رقصاں میروم
الحذر با سوزنہاں میروم
دُر فشاں چون ابریاں میروم
از حمرا افکار دیاں میروم
غافل از اجاب و خویشاں میروم
من زجاں ہم دست افتاں میروم
گویند چرخ گرداں میروم
باز سوسے کوئے جاناں میروم
با خودی دست و گریباں میروم

جذبہ لبر کار فرماور دل است

زال من مجذوب و حبس را

والہی از خصانہ مجذوب

خار در دل گل بداناں میروم

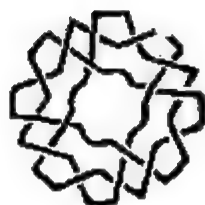
از در تو با چہ عنوان میروم

آئہ بودم تو بے مایہ
 آئہ بودم تو بے برگ و بار
 آئہ بودم تو بے مال و زر
 آئہ بودم تو جویان یار
 آئہ بودم تو من با علمہ
 آئہ بودم تو با صد تعب
 آئہ بودم تو با صد ہجوم
 آئہ بودم تو بت در بفسل
 آئہ بودم تو ما جام و خشم
 آئہ بودم تو سوزاں چوں برق
 آئہ بودم تو سودا بسر
 آئہ بودم تو پادر ہوا
 آئہ بودم تو نفس زماں
 آئہ بودم تو نالہ کنال
 آئہ بودم تو در شوق دید
 آئہ بودم تو پروانہ وار
 آئہ بودم تو با چنگ و عود
 آئہ بودم تو من رو سیاہ
 آئہ بودم تو سرشار و مت
 آئہ بودم تو تر دا منے
 آئہ بودم تو نالوں و زار
 آئہ بودم تو سر بر فلک
 آئہ بودم تو نازاں بمسلم
 آئہ بودم تو در ہسل غرق
 آئہ بودم تو چوں وحشیاں
 آئہ بودم تو ز اغاں شعار

از در دولت چو سلطان میروم
 سبز و شاو آب گل افشان میروم
 از درت با گنج پنہاں میروم
 یار در پسند و جویاں میروم
 بے شمس از راہ پنہاں میروم
 از در نزدیک آساں میروم
 یا علم از سایہ گریزاں میروم
 از در فیضت مشکاں میروم
 یا بایں تسبیح و قرآن میروم
 یا خاک چوں لہ تاباں میروم
 یار در دل سر بساماں میروم
 صد سکوں در دل غراناں میروم
 دم بخود سر در گریباں میروم
 مہر بلب دل با خفاں میروم
 از وفہ حبسہ حیراں میروم
 سر بسر شمع شبستاں میروم
 خود سدا ساز دالجاں میروم
 ضو فغن چوں مہر رخشاں میروم
 محترز از سہ پرستاں میروم
 پاکباز د پاک داماں میروم
 خندہ زن بزن و شیطان میروم
 سر سبز ز برنساں میروم
 ہا علم دانی چو ناداں میروم
 محنتہ چیں بر اہل یوناں میروم
 یا قسم تہدیب انساں میروم
 علو لہ کے اعنہ لیباں میروم

آئدہ بودم تو رسم چوں زناں سر بکھفت دارم چو مرداں میسروم
 آئدہ بودم تو من پائے رگل العجب کسرو و خرداں میسروم
 آئدہ بودم تو من بدترین بہترین از صد ہزاراں میسروم
 گو بگو معجزہ تو من تنگ زناں
 شکر اشرف و خرد و زان میسروم

❖
 شاگرد اے مدعی نے لاف زن
 ہاں نہ پشدارے کہ نازاں میسروم



اشک ہائے عقیدت

جہاں سے نقشِ مہر سکتے نہیں اللہ والوں کے
یہ اُن کے مرثیے کیا ہیں قصیدے ہیں کمالوں کے

قَطِ الْعَالَمِ نَبِيَّ الْأَشَاكِ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

فرتوں میں کیس کی آمد آمد کا بتے مذکور آج
 یہ کس سوگ میں دنیا نے پہنی پوششِ ظلمت
 بپا شور قیامت ہے جو حرمِ کس کا ماتم ہے
 بدلے اشکِ خوں لکھوں گے کس غم میں جاری ہے
 نہیں بے وجہ ظلمتِ پل پہلے کوئی شب بیدار
 مثالِ مہر ہے ہفت روزہ راہِ عدمِ تاباں
 تلاشِ گورن ہے کس تک سیر کی غربت کو
 چھپا وہ کون سا جسم سراپا نورِ زیرِ خاک
 حسنِ رخصت ہوئے دنیا سے مولانا رشید احمد
 جو گلِ بکاف جو بنائی تھے چراغِ بصیرت کو
 وہ تھی مطلبِ برآرِ طابانِ بلوہ و عدت
 ابھی تک نر و شبِ غمِ خدمتِ کس میں تھے
 قیامت اب اہلِ دین کی ہر ایک مجلس میں

ہر کس کی خطرینِ جن کے خورینِ شہمِ بد و آج
 ضیا و روشنی ہوئے زمین سے کیوں ہے کا نور آج
 ہے یہ کس کی خاطر ہر گھوسے نالہ صورت آج
 دلوں پر کس کا صدمہ ہے جو ہے ہر حتمِ ناسواں آج
 ہوئے ہیں صبح بہرِ لغزیتِ شبِ حالے کیو آج
 چلے ہیں لے کے عزرائیل کس کی روح پر نور آج
 اترتے ہیں فطرتِ قدسیاں بن بن کے مزدور آج
 زمین کے فز و ذرے سے عیاں ہے جلوه طور آج
 انھیں کے واسطے گراں ہیں شگھیں ال ہے رخسار آج
 وہی فردوس ہیں ہیں نورِ کنشِ دیرہ خور آج
 تمنا لائیں گے یہ کس کس کے حسبِ دستور آج
 خبر بھی جا نہیں سکتی وہ اس قدر دور آج
 رہے گا ذکرِ ہوائے کاشش مولانا کے مفقود آج

بیانی کہ کب یہ ہفت روزہ سالِ عیسٰی و محمدی
 پھر انماں پہلے بابِ دین ہے دیکھ لے نور آج
 سہ ماہیہ و سہ ماہیہ

ایضاً

رشید احمد جو تھے مفتی عالم
 ہوئی جب روح پر نوران کی نصرت
 حق کے منہ سے برستہ نکلا۔

ہول شمع ہدایت زریب جنت

۲۳ ۱۳
 اٹھے گا گلشنِ عالم سے مولانا رشید احمد
 یکا یک ہو گئے گلزارِ علم و دیں غزائے دیدہ
 صن یہ چرخ اٹھا اک سالچہ بدھن آنحضرت
 ہوا دیر میں شمس الحسنی و حر کو شیدہ

۲۳ ۱۳

قَطْعہ

کہاں وہ دن کہاں وہ معلقہ پیرِ مقال
 اب کہاں وہ ذاتِ قدس تھی جو روح میکشال
 آواز وہ حظ وہ دورے کشی حیاتا رہا
 زندگی اب کیلئے کیفیت زندگی حب تارِ ماہ

رشید
 ہم اُمتِ حقہ مولانا محمد اشرف علی تھانوی
 نور اللہ مرقدہ

یہ حرمتِ ظلمت ہے کیوں اس بلا کی
 کہ دنیا ہے تارک صدق و صفائی
 صد اکبر ہے حرمتِ آہ و بکا کی
 اجا کی قید اور نہ قید اقر با کی
 یہ رحمت ہے کس آفتابِ ہندی کی
 یہ کس قطب الارشاد نے منہ چھپایا
 آٹھ کون عالم سے محبوبِ عالم
 یہ کس کے ہے سوک آج گھر گھر جہاں میں

یہ رہ رہ کے اُف کس کی یاد آ رہی ہے
 کیجیے میں کہوں آج شق اہل دل کے
 یہ کس نے جہاں سے گزر کر جہاں میں
 یہ دنیا لے دیں میں ہے کیوں آج بچل
 بچکے جو پھرتے ہیں افسانہ اُمت
 یہ بحرِ حوادث میں کشتیِ مسلم
 یہ کس جھڑنے آج کی راہِ جنت
 طلب آج ہے طالبانِ خدا کو
 بقدر کے یں آثارِ اہل فس میں
 بیاں آج ہے کس کے کس کس شرف کا
 صد ہے یہ کیوں اللہ اللہ کی ہمدنو
 کے کہتے ہیں سب کے تھے سب اشرف
 یہ گزرا ہے کون ایسا وہیں جہاں سے
 کہاں ہے کہاں آج وہ ذاتِ اشرف
 کہاں ہے جو تھا اس صدی کا مجدد
 وہ غمخیز حکیمانِ اُمت کہاں ہے
 مرلیانِ اُمت کو یاد آ رہی نہیں
 یہ مثلِ صدفِ چشم جو ہر شناسا
 مفسر، محدث، مربی، مدرّس
 معارف، حقائق، معانی، وقائع
 یہ خود پارسی کو بھی جُستجو ہے
 تکلف سے گھبرا کے سادہ بزرگی
 اجابتِ درحق پہ ہنٹکی کھڑی ہے
 ہے طالبِ کرم کس دستِ کرم کا
 یہ پہلو سے رخصت ہو اکونِ لبس
 یہ رُخ کس سیمانے مجھڑ رہے پھیرا

یہ کیوں دل میں نہیں جیلِ فاس نکلا
 حسداتی ہے یہ آج کس دلِ زبا کو
 قیامت سے پہلے قیامت بپا کی
 ہوئی ہے وفات آج کس رستہ کو
 ضرورت ہے اُمت کو کس مقتدا کو
 طلب ہے آج کس ناخدا کو
 یہ ساک ہیں کیوں نارسائی کے شرک
 بصدِ حسرت کس کس باخدا کو
 ضرورت ہے پھر کس کس درس فنا کو
 شاعراں ہے کس کی کس کس اذاک
 ندائے یہ کیوں مرجبِ مرتب کو
 فتم ہے خدا کی، فتم ہے خدا کو
 کہ نظریے جس کے حرفِ شش پا کو
 نیابتِ ملی کس کو خیرِ الوری کو
 ہوئی جس سے تجدیدِ دینِ خدا کو
 تسلی جو کرتا تھا ہر مُبتلا کو
 شاعرِ خشیان کس کے دستِ شفا کو
 توشی ہے کس کو ہر بے بیباک
 کے آج حسرت نہیں انتہا
 تلاشِ ان کو ہے کس کے ذہنِ راس
 بصدِ رنج و غم آج کس پار کو
 طلب میں ہے کس بے عیالے قیام
 یہ ہے منتظر کس کے دستِ دُعا
 ہے جو یاں عطا کس کے دستِ عطا
 جفا بھی تھی کس کی حقیقت و فدا
 جو ہے غیرِ حالتِ دلِ مُبتلا

گھٹ کی خبر کچھ نہ بادِ مسبا کی
کہ حالتِ دگرگوں ہے ارض و سما کی
یہ لڑی سے بھی بڑھ گیا کون خدا کی
اہل نے یہ کس کی زباں بے صدا کی
لڑا آج کس بل غوثِ شہزاد کی
دُعا تھی جو ہر غیب لا دُعا کی
جنت جن کے اندر تھی آپ بقا کی
یہ جاں کس نے کس جانِ جاں پر فدا کی
یہ کس کی فنا بھی ہے مظہرِ ہمدان کی
یہ کس روحِ نور کی ہے تابنا کی
کہ خود پاک تر ہو گئی آج پاک کی
کہ دل کو نہیں اب متابعت کی
یہ اُفت اور حلی کس نے چار فنا کی
تو غفل کو بھی یاد آئی خدا کی
یہ کس کی نمازِ جنازہ آواز کی
یہ کیوں نونی پڑتی ہے خلعت خدا کی
یہ میت اٹھی کس شہید وفا کی
جو آغوش کھولے ہے رحمت خدا کی
یہ ہے قبر کس عسبرِ رب العلی کی

یہ برسات کا بھی مزا کس نے کھویا
یہ کس جاںِ عالم کا ہے وقتِ آخر
یہ حیرت میں ہے کیوں فرشتہ اہل کا
ہو آج خلد آشیاں کون طوطی
بنی حیرت گوشِ باغِ جہاں میں
ہوئی بندہ چشمِ بیسار کس کی
زکین کس کی نفس کی وہ سائیں
یہ مر کر بھی کون زندہ جہاں میں
فیوض آج بھی اسلِ دل پائے ہیں
سوادِ عدم سے بھی جو چھوٹ نکلی
یہ کس جہمِ اطہر کا ہے غلِ میت
لکھن پوش کون آج فنا فی حق ہے
یہ عشاق سے پردہ فساد کس نے
ہوئی کیا وہ صورت کہ جب اس کو دیکھا
ملائک نے بھی آسمان سے اتر کر
یہ اس دھوم سے کس کی نکلا جنتِ اُز
فرشتے بچاتے ہیں پر، خود آنکھیں
اُترنے کو ہے کس کا لاشہ لحد میں
جو عرشِ معلیٰ ہے صوبہ ہمدان

میں حیران ہی تھا کہ ہفتِ پیکار
یہ رعلت ہے آج اشرف الاولیاء کی

۶۲ ہجری ۱۳



دیگر

اشرف الاولیاء ہوئے نصرت
دستگیر اب کوئی نہیں اور راہ
لڑکھڑکاتے ہیں پاؤں اتنا ہے خوف
جس کی حاجت قسم قسم پر بھی
تھی ہیں جن کے فیض سے توفیق
تین سے تیس ہال سے بھی دقیق
آبنی دم پر اس قدر ہے ضیق
وہ حبدا ہو گیا رفیق شفیق
ساکنوں کی زباں پر ہم دم ہے
کس سے اب حل ہوں مشکلات طریق

۱۳ ۱۲ ۱۱

دیگر

اشرف جہاں بھگت شرف کی ذات
اُکھڑا ہوا ہے دم مگر اللہ کے پختگی
ایسے ہیں کہ ہے ہیں حوالے امنیں
یہ ہے دیانت ایسی دیانت کے سامنے
یہ غامض نہیں ہے یہ ہے حُسنِ خاتمہ
حق پر بوقت مرگ بھی کتنا ثابت ہے
اب بھی ادا نیکی مستحق و معلوم ہے
سوئے مریض نہ سوتے تعبِ لغات ہے
ساری دیانت ابر، دیانت کی بات ہے
سب کو خدا نصیب کرے کیا وفات ہے

مجھ تو جس کو خیال جو تاریخ کا ہوا
ہاتف پکار اٹھا یہی خیرِ المات ہے

۱۳ ۱۲ ۱۱

دیگر

ہو گئے ہم سے آہ رخصت آہ
روح مجروح ہے تو دل بے سیل
آپ ہی تو حکیم الامت تھے
شاہ اشرف علی حق سدا گاہ
کس قدر ہے یہ حسا و شہ جانا گاہ
اب کہیں کس سے جا کے حال تباہ

لے آہ حضرت حکیم الامت کا غلصہ ہے ۱۲ ظہور

ہائے وہ جسم سے چھین گئی آگاہ
 مرتبہ سے ہوئے جسم اب آگاہ
 رونے اور کو ڈھونڈتی تھے نگاہ
 کیے اب وہ جیٹیں گے اے اللہ
 کیوں نہیں بھی نہ گئے مسدود
 بات بات آپ کی ہے اس پر گواہ
 قبلہ گاہوں کے بھی تھے قبلہ گاہ
 تھے سب امراض نفس سے آگاہ
 تھے وہ باریک بین و تیسرے نگاہ
 سب کو جو سہل تھی خدا کی راہ
 کتنا مشکل اسے معاذ اللہ
 ہاں پھٹکنے دیا نہ نزد گمشاہ
 کر دیئے دور سب موانع راہ
 اور کوہوں کو کر دکھایا گاہ
 باریاتی بارگاہ
 کوئی کیسا ہی کہتا نامہ سیاہ
 جو بھی پہنچا ہوا وہ حق آگاہ
 چار سو ہے صدائے اللہ
 پاس پھٹکی نہ حُب مال و جاہ
 جیسے منزل کرے کوئی سیراہ
 کی جو خدمت وہ حسبِ نشانہ
 سب سپردِ خدا سپید سیاہ
 کیا جب شان آپ کی تھی واہ
 لسی تجرید سے ہو کون آگاہ
 بات کوئی نہ بے محسوس بے گاہ
 دشمنی کی تو وہ بھی کی اللہ

جس کو سب سے تھے دائمی دولت
 قدرِ نعمت ہوئی ہے بعدِ زوال
 باتیں سننے کو اب ترستے ہیں کال
 جہن پاتے نہ تھے جو بے دیکھے
 دل میں ہے سیکڑوں کے یہ حسرت
 قلب الارشاد تھے نخبہ دتھے
 راہِ نماؤں کے بھی تھے راہِ نما
 تھے مکمل لطیف روحانی
 نہ چھپا حالِ دل خفی سے خفی
 عالمی و عالم و ضعیف و قوی
 اس کو بھی کر دیا تھا پیروں نے
 آپ نے دیں ہولستیں ساری
 کر دیں حل ساری مشکلاتِ طریقی
 قتل و مول کو بھی کر دیا پایا سب
 تحت امکانِ ہر بشر کر دی
 نامید اس کو بھی نہ لوٹایا
 غرض اچھا برا امید و فقیر
 ایک دُنیا کو کر دیا ذکر
 تھے باغِ مال و حب و دگر
 یوں ہے اس سرسے فانی میں
 منتِ خلق سے تھے مستغنی
 شانِ تفویض واہ کیا کہنا
 باہمہ بھی تھے بے ہمہ بھی تھے
 ایسی تقرید سے ہو واقف کون
 فطرتِ اتنی سلیم تھی کہ ہوئی
 دوستی کی تو کی خدا کے لئے

گاہ تو کچھ تھے اور کچھ تھے گاہ
 قلب کھینچتے تھے سب کے خواہ مخواہ
 فقر میں تھے یہ ہیبت صد شاہ
 دم بخود تھے بڑے بڑے ذی جاہ
 تھے عجب شاہ سریر و کلاہ
 اہل حق کے تھے آپ پشت و پناہ
 کروڑوں میں ہزار شام و پگاہ
 سب پر غالب رہے بدون اللہ
 واہ کیسی تھی استقامت واہ
 شغل میں ایکسہ ہی تھا شام و پگاہ
 کوئی آساں نہ تھے غم بھر کا نساہ
 یہ عطا ہوتی ہے بفضل اللہ
 موت کیا ہے یہ بس مضائقہ اللہ
 کوئی رویا کسی نے کھینچی آہ
 واہ واہ مرحبہ جزاک اللہ
 ایسے ہوتے ہیں شیر مرد اللہ
 اہتمام عمل تھا شام و پگاہ
 تھے طرہیت کے آپ شغل راہ
 جس طرف دیکھئے اٹھا کے نگاہ
 اہل دل پاتے ہیں دل اپنے سیاہ

ہر محل پر مناسب اس کے تھارنگہ
 دل کشی وہ خدا نے بخشی تھی
 ہیبت حق کا کیا کہوں عالم
 سرنگوں تھے بڑے بڑے سرکش
 تھانہ سامان و عجب پھر بھی تھا رعب
 اہل باطل کی نہ کچھ چلتی تھی
 نہ پھرے حق سے گوزمانے نے
 زور مارے بہت حسد فیوں نے
 مرکز حق سے غم بھر نہ بیٹھے
 رات دن دیں ہی کی بس دھن تھی
 استقامت جو ہو تو ایسی ہو
 ایں سعادت بزور بازو نیست
 نزع میں بھی تھا اہتمام حقوق
 سہ میت کوئی ہوا نالاں
 بولا میں چوم کر جبین نیاز
 اس کو کہتے ہیں نختہ کار می دیں
 عسل دیں کا تھا مشغلہ شب و روز
 تھے شریعت کے آپ ہر منیر
 چھا رہی ہے جہاں میں تاریکی
 آپ سے روشنی قلوب میں تھی

سچ یہ احسان نے کہا معجزہ
 "مجھ گیا ہے پسہ لہذا اہل اللہ"

حَاقِّق وِ بَصَائِر

یہ حقائق یہ معانی یہ رواں یہ اثر
شاعری تیری تہائے مجزوبہ الہام ہے

قطعات

بڑ سے اُکتاؤ نہ تُم معجز و تب کی
پھر یہ سُن پاؤ گے افسانہ کہاں
کر رہا ہے فاکش رازِ حُسن و عشق
پھر ملے گا ایسا دیوانہ کہاں

یہ تپش یہ لغت جانی پھر کہاں
سُن لو یہ آتش بیانی پھر کہاں
پھر کہاں معجز و تب کی یہ شور و شیش
یہ طبیعت کی روانی پھر کہاں

نقل ارشادات مُرشدِ مکرم
انچہ آدم میکند بوزِ نہ ہم
اصل کی برکت سے لیکن کیا عجب
نقل یہ بھی ہو وہی منیعِ اتم

گرتا ہے دُنیا میں جو کر دین کے بھی باب میں
اختیارِ مباب کر اس عالمِ اسباب میں
بجز ہستی میں چلائے جا برابر ہاتھ پاؤں
ورنہ غرقِ آب ہوگا ایک موجِ آب میں

گو تجھے حبسِ پڑ سے نخبِ مہکار
کیا یہی ہے ہوشیاروں کا شعار

گر تاجِ دُنیا پہ تو پروانہ دار
اس پہ دعویٰ ہے کہ ہم میں ہشیار

لطفِ دنیا کے ہیں گئے دن کے لئے
کھو نہ جنت کے مزے ان کے لئے
یہ کیا ہے دل تو بس پھر یوں سمجھ
تو نے ناداں گل دیئے تنکے لئے

فتح دینی دیکھ تو دنیا کی یہودی دیکھ
مرضی حق پر نظر کر اپنی یہودی نہ دیکھ
تو اکیلا تیسے دشمن سینکڑوں یہ بھی نہ دیکھ
قدرت حق پر نظر کر اپنی کمزوری نہ دیکھ

بہت نوار تھامیں بہت نوار ہوں میں
مگر اب تو آئینہ یار ہوں میں
میں مجذوب بھی اب نکل محبوب سب کا
نہیں اب جو دلدار، دلدار ہوں میں

عقل سے عاشق نہ عاقل عشق سے بیگانہ ہو
جو بھی طالب ہو یکجا عاقل و دیوانہ ہو
الغرض مجذوب تر سے ساجد ہو جذب ہوش کا
عاشق دیوانہ ہو، دیوانہ فسرانہ ہو

میں ہوں قصہ سفر ہی میں اب تک
اور سبھی قریب منزل ہیں
میں کھڑا سوچ ہی رہا ہوں ابھی
تہل پڑے جو طلب میں کامل ہیں

میں یہ کب کہتا ہوں زہد و ہوش بیگانہ
ہاں مگر مجذوب سا تو زاہد و فسرانہ
عشق سے بھی آشنا کر اپنے زہد و ہوش کو
زاہدستانہ بن، فسرانہ دیوانہ بن

ہو جو رنگینی تو سنگینی بھی ہو
تجہ میں ترشی بھی ہو شیرینی بھی ہو
لطف جب ہے عشق بھی جو عقل بھی
ہو جو رنگینی تو سنگینی بھی ہو

حرص و ہوا میں ہے بشرِ قلب کو مبتلا نہ کر
دل کو لگا بہ کارِ دل، حسرت ماسوا نہ کر
بخشش رہے یہ گہرا کی چمک منسا نہ کر
مگر غراب، بکریاں تہہ ہوشِ حق بخل

- ✓ چہ کردہ دست و دلدار ہوں میں
سیرِ دل تھا یا اب پُر انوار ہوں میں
- ✓ سہارا ہے کس رجب بگڑے ہوئے کو
مجھے دیکھ آئینہ یار ہوں میں
- ✓ مستی تھے اندر بے گم نور نہیں ہے
جلوسے سے یہ سستی ابھی معذور نہیں ہے
- ✓ وابستہ کر آبِ عشق کو تو حُسن سے مجبور کیا
وہ جاں سے بھی پاس کچھ دور نہیں ہے
- نامکھانست شوق کا جلوہ دکھا دیا
پہلو میں ان کو لاکے بٹھا کے دکھا دیا
- ✓ رسانی رقیبِ نثارِ دل حسیں
اک آہ میں فسانہ سُنا کے دکھا دیا
- ✓ حاضر یہ شرمسار ہے سراپا ناخم کئے
اور آکھ اپنی آشکِ ندامت سے خم کئے
- ✓ ناشکریوں پر اپنی گڑا جارہا ہوں میں
اتنے کم کئے ہیں کہ گویا سرم کئے
- ✓ جہاں ہوگی برکت وہ ہوگی یہیں کی
یہاں رہتے تھے قطبِ ارشادِ عالم
- ✓ ضرورت ہی کیا ہے کسی جانشین کی
یہ سہتی تربیت گاہِ رُسنے زمین کی
- لو اس سے لگائے ہوئے ہم اس کی لیے جا
ہاں جام پہ جام اس کی محبت کے پیئے جا
- ✓ بس ذکر اور فکر میں دن رات لگا رہ
انجام کو چھوڑ اس پہ خود اپنی سی کئے جا
- ✓ کوشش و محنت کئے جا ہاں تو کل بر خدا
کامیابِ آخرت ہونا اگر منظور ہے
- ✓ سہی دیں تو بالیقین ضائع بھی ہوتی نہیں
وعدہ حق ہے کہ سہی آخرت مشکور ہے
- طبیعت کی روزِ زور پر ہے تو زک
وگرنہ یہ حد سے گزر جائے گی
- ✓ ہٹائے خیال اس سے کچھ دیر کو
چڑھی ہے ندی اتر جائے گی
- ✓ کسبِ دُنیا تو کر ہو کس کم یکھ
اس پر تو دین کو مفت دم یکھ
- ✓ دینے لگتا ہے پھر دھواں یہ چہ دلاخ
اک ذرا اس کی لو کو مدھم رلکھ

اک بے تمنی سی بے آب ہر کسی سے ہے
اک رابطہ مستقل جو میر کسی سے ہے
اے وہ کہ جس نے غفلت سے بیکار کر دیا
امید ہے کسی سے نہ اب فر کسی سے ہے

لب پہ ذکر اللہ کی تکرار ہو
دل میں ہر دم حق کا استحضار ہو
اس پر تو کرے اگر حاصل دوام
پھر تو بس کچھ دن میں میرا پار ہو

نی حرد باطن کا ہر چھوٹا گستاخ
لیٹھ ہو گا کہ بھی ہوش میں دم نہ کر بھی
استیج رہو کہ ہے وہ سدا رہ
پھر تو بالکل راستہ ہے صاف تا بار شاہ

جو بھی علم میں ترائی علم رہے
نہش میں جب تک ہے تیرے دم میں دم
بس سیرت سیرت تیرا غم ہے
بس تصور یاد کا ہر دم ہے

چھوڑ دینا دھرم کی باتیں
دن کی باتوں کا آہنیہ وقت نہیں
اب ہوں پسیری میں کام کی باتیں
شام ہے اب ہوں شام کی باتیں

تر بیت دیکھ تیری مضمحل ہے
تنگ نیرنگی جہاں سے نہ ہو
مختلف واقعات عالم میں
شکر کر شادی میں صبر کر غم میں

ابے ہی کچھ ہے مے دن رات کے عالم
اب دل میں شب روز ہے ان کا تصور
ہر وقت ہے اک ان سے وقت کا عالم
فرقت میں بھی رہتا ہے وقت کا عالم

خود پیر ہے مجزویں کے بند باطن ہیں
ہو جاؤں ہیں سب زندہ ہوں زندہ نہیں
زیر اثر پیر خسرو بات جواں ہیں
پیری میں بھی ہم وقت طاعت جواں ہیں

کام بنتے ہیں گدا و شاہ کے
کار مزدور جہاں پر ہے نظر
قبضہ قدرت میں ہیں اللہ کے
ناز اٹھائیں کیوں ظم اہل حب و کے

یہ مانا کہ ہے عشق میں جوش لازم مگر رہ نہ مجذوب تو جوش ہی پر
بہنے کا نہ بیہوش ارے کام تیرا کہ تکمیل موقوف ہے جوش ہی پر

کوئی بھی بھرنے کی غورت ہی نہیں کھیلے اب تو ذوقِ حُسن اپنا یہ کچھ ہو کر بسند
کیسے دنیا بھر کے ہر جا میں جس میرے لئے حُسن اور دل کیلئے حُسن آفریں میرے لئے

مجذوب بھی تو ہے زبان کا سخن آراء دیکھ آ کے ذرا غیرتِ صبرِ ہم ہے خلوت
خاموش ہو دل کا بھی ہوا اب انجمنِ آراء باز آ کہ بہت دن تو رہا انجمنِ آراء

ترے خیال پر ہیں مٹی ترے دعو علم چھوڑا جو اس کو تو نے مرضی پہ اسکی لہول
پایا جو اس پہ قابو قبضہ میں دو جہاں ہیں سب کام تیرے کچھ لئے بس پھر تو دو جہاں میں

جوش میں مجذوب آ ہوشیار ہو عمر سی انمول شے ضائع نہ کر
صد سے گذری غفلت اب بیدار ہو آخرت کے واسطے تیار ہو

جب موٹر کار غریبی تو اس پر فرمایا :-
عیش ہے، عزت ہے، موٹر کار ہے
اور اس دنیا میں کیسا درکار ہے
آخرت کی نعمتیں بھی ہوں نصیب
اے خدا تیری بڑی سدا کار ہے
اُس چال کی نعمتیں بھی ہوں عطا
پھس تو یارت اپنا بیڑا پار ہے

جو س ہے دل کی تو صول کا سامان پیدا کر
ابھی آتا ہے وہ آغوش میں ارمان پیدا کر
نہ مٹے متعرض مجذوب کی پہچان پیدا کر
سمجھاؤں میں کر کچھ سمجھ نادان پیدا کر

جس قلب کی آہوں نے دل چھو تک میتے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھڑکی ہو گی
جنت میں ملے گا وہ جس کی پیچھے راحت ہو
علم کو تو پسند اپنی شوریدہ سری ہو گی

منعم بے خبر نہ ہیں میرے شکستہ حال پر
تیری نظر ہے مال پر میری نظر اسل پر
چمکنے کیوں میری نظر باغ کے ہر نہال پر
مجھو ماہوں پھول پھول پر چکا ہوں ال ڈال پر

کچھ خبر بھی ہے تجھے اے تشنہ کام زندگی
جو تجھے کڑا ہے کر لے آخری سانس ہیں اب
ہو چکا ہے اب چھٹکے کو ہے جام زندگی
بھیس میں اس صبح پیری کے بے شام زندگی

کتنی ہی مشکلات ہوں پرواہ نہ چاہیے
لیکن یہ گھر رسانی منزل کا یاد رکھ
اقدامِ راہ حق میں دلیرانہ چاہیے
کوشش تو خوب چاہیے دعویٰ نہ چاہیے

سارا جہاں خلاف ہو پرواہ نہ چاہیے
اب اس نظر سے جانچ کے کمرے کو فیصلہ
بد نظر تو مرضیٰ حسبِ نمانہ چاہیے
کیا کیا تو کرنا چاہیے کیا کیا نہ چاہیے

فکر حصولِ مرضیٰ جانا نہ چاہیے
خبر قدم پر راہ طلب میں ہیں مشکلیں
اس صحن میں جو بھی حال ہو پرواہ نہ چاہیے
ہر برکت میں اپنی قسمت مراد نہ چاہیے

کہاں آ کر بچنے معجز و بتم غفلت شعاروں میں
نہیں تو ہم سمجھتے تھے نہایت ہوشیاروں میں
بہاریں لٹ گئیں دل کی یہاں رہ کر بہاروں میں
ہزار اچھا تھا اس سے تو وہ رہنا اپنا خساروں میں

یہ بنی دنیا برائے دردِ دل ہیچ ہے ہر شے برائے دردِ دل
عیشِ دنیا کیا ہمیں مرغوب ہو ہم ہیں لذتِ آشنائے دردِ دل

منہ صد کم ترالطف بھرِ عتاب تھا سارے تعلقات کا ایک وفتحِ باب تھا
دیکھا جو چشمِ دُور سے بحرِ جہاں سہرا تھا مجھے تجھے جس کو واقفہ آجھ کس تو خواب تھا

کس کام کا وہ دل ہے جس دل میں تو نہ ہو
بس نام کا وہ گل ہے کہ جس گل میں تو نہ ہو
نچروں میں لاکھ بیٹھے خدوت مگر کہاں
جب تک کہ جان و دل میں بسا تو ہی تو نہ ہو

نفعِ دنیا کا جو سن لے نام بھی سہل ہو مشکل سے مشکل کام بھی
اُس پر راحت بھی فدا آرام بھی روز و شب دُھن اسکی صبح و شام بھی

دُھوٹا ہے دل وہی کیفیتِ آفریںِ ماحول پھر
وہ بہاریں اب کہاں جو لائے میخانہ میں تھیں
مستیاں ہر سو برستی تھیں در دیوار سے
اور وہاں کیفیتیں سوا غم کی پیمانہ میں تھیں

جذبات ہی پر اپنے نہ مجھوتِ بے شاد رہ
جذبات ہیچ ہیں جو مرتبِ عمل نہ ہو
کتنے ہی خوشنما ہوں فریبِ نظرِ سمجھ
جھوٹے ہیں چھول بعد کو پیدا جو پھسل نہ ہو



ترک دُنیا کر نہ حر لذت کو چھوڑ
نفس و شیطاں لاکھ درپے ہوں مگر
مصیبت کو ترک کر غفلت کو چھوڑ
تو نہ حر گز ذکر اور طاعت کو چھوڑ

راہبر تو بس بنا دیست ہے راہ
تجہ کو رہبر لے چلے گا دوش پر
راہ چسنا راہد و کام ہے
یہ ترا راہد و خیال خم ہے

بے خبر ننگ سے ناموس سے بیگانہ بنے
نہ لیں سبیل علی الاعلان کچھ دیا ہوں میں
جس کو مجھ کو جب سا بنائے وہ دیوانہ بنے
جس کو دیوانہ نہ بننا ہو وہ اس کا نہ بنے

قلب غمیں میں تھا کچھ غم تھا کہ سامنے
جو عمارا حال ہے وہ اُن تھیں معلوم کیا
غم تو منے ہی رہے سہم تھا کہ سامنے
اور اُسی کچھ ہو گئے تھے غم تھا کہ سامنے

مجنون سے بھی اُسے محبت پس حبیب
ذی شان، ذی ہنر ہے نہ عجیب رہ مثنیٰ
مجنوب اُسے جو بھی محبت حبیب کا
کچھ عقل ہے نہ خوش بجا ہے غریب کا

اِس انہماک شعر میں سچ ہے یہ مست صنف
مجنوب کو مگر نہیں مقصود شاعری
اپنی خبر نہ پاس عزیز و قریب کا
کوئی بہانہ چاہیے ذکر حبیب کا

فیضان وہ علوم و نکات عجیب کا
جمع وہ شیخ و شاہ امیر و غریب کا
اب اور کوئی بزم نگاہوں میں کیا چھے
دیکھے ہوئے ہوں رنگ میں بزم حبیب کا

ہوتا نہیں خیال کسی دم حبیب کا
مجنوب خستہ حال سمجھتے ہیں سب چھے
وہ مست ہوں میں غمہ مانی قریب کا
کیا جانے حال خوش کوئی اس خوش نصیب کا

نومال ہے خستہ بہت مجھ غریب کا دلمہ رہا مگر ہوں میں خوان حبیب کا
مصرعہ فیض شاہ سے یہ بھی گدا نہیں پایا در حبیب سے جو تھا نصیب کا

کیا خستہ حال دیکھتے ہو مجھ غریب کا
مجھ سا بھی کوئی ہو گا نہ اچھا نصیب کا
مجھ ذوق مست دینو وحیرت تو ہوں مگر
آئینہ بھال ہوں اپنے حبیب کا

یہ کیا زائدہ خشک تو چپا ہوتا ہے کہ ہر شے کا دل سے نلو پاتا ہے
عبث ہے عبث سعی ترک تمنا کہ دل فلترتا ہرز و چپا ہوتا ہے

اے مالک قضا و قدر جب ان دل سے ہیں
راضی ہوں اس سچ جو بھی کہ ہو نصیب کا
رو رو کے عرض ہاں بادب یہ ضرور ہے
ٹھٹھا نہ ہونے پائے کیجیہ رقیب کا

شیطان نفس دونوں ہیں دشمن ترے مگر
دشمن وہ دور کا ہے یہ دشمن قریب کا
اس مارا آستیں کا نہ کچلا جو کسر تو بھر
منتظر ہو کارگر نہ مدد اطلبیب کا

زمیر تو اھونڈتا ہے دیار حبیب کا ہرگز نہ دیکھ فسق امیر و غریب کا
مجھ ذوق کار قریب جو مالک کا ساتھ چھوڑ آ اس طرف مجھ ہذب ہے رستہ قریب کا



لا دوسرے بھی دل میں نہ جبر صریب کا
 قابل نہیں میں اس تھے عشق عجیب کا
 وقت نہ پیش نظر حفظ نفس تھا
 یا یہ کہ وہ کراں جو ہے لکھا نصیب کا
 غدر گستاخ یہ ہے ترا بہ ترا ز گستاخ
 کیا خوب قول ہے کسی قابل ادیب کا

ہاں چل سکے نہ بس کوئی دست قییب کا
 دور از صریب کھنے میں ہر دم تلپت دیکھ
 چٹنے نہ پٹنے ہاتھ سے دامن صریب کا
 یہ نفس بہر سگال یہ دشمن قریب کا

اوروں کی عمریں پر بھی اسے کچھ توکان و حمر
 بس کر چکا بہت اُسے کہا رقیب کا
 مجزوب کہ رہا ہے اُسے کبے منتیں
 جیتی اب اس کی سن اے دل کد غریب کا

اللہ سے جذبہ حیرت دیوانہ آج کل
 گھیرے ہوئے ہیں جاہل و فزرائہ آج کل
 مجزوب لو لگے جو بیٹھا ہے یا رست
 اک شمع بن رہا ہے یہ پروانہ آج کل

مجزوب گو ہے حسیں سے بیگانہ آج کل
 دنیائے جان و دل میں مگر اس رات دن
 گو تو یا راز ہے دیوانہ آج کل
 ہر سو ہے نشر جلوتہ جانہ آج کل

پوچھو نہ جو شہرستی دیوانہ آج کل
 بزم چہاں میں دور ہے مجزوب مست کا
 حد شیشہ درغفل ہے یہ مستانہ آج کل
 خالی ہے گا کیا کوئی پیس نہ آج کل

پی پی کے ہیں وہ نعرہ مستانہ آجکل اک حشر گاہِ کیفیت ہے مینانہ آجکل
 گویا منادیاں ہیں یہ مجنوںِ وجہِ مست کی آجائے طہر کوئی لئے چمیانہ آجکل
 رہتی ہے دھن تری علمہ اوقات آجکل
 کھویا ہوا سارمبا ہوں دن رات آجکل
 کیا جانے کیا جواب دوں کھانے کی کٹنوں
 مجھ سے کوئی کہے نہ کوئی باستانہ آجکل

مجنوںِ وجہ کو کہاں تھا یہ احساسِ زندگی کچھ ہوش میں ہے کیا ترا دیوانہ آجکل
 وحشت ہے گھر سے اُنس بے صحرانوں کی کہاں نہیں ہیں خانہ و دیرانہ آجکل

ہوں خواہشاتِ نفس سے بیگانہ آجکل
 تیرے نفس ہے مرضیِ حسابانانہ آجکل
 سر پہ لیا ہے بارِ امانت اٹھانے کے پھر
 اللہ سے زورِ ہمتِ مردانہ آجکل

وہ طلفت ہے زکس مستانہ آجکل
 سرشاریاں ہیں بے سے مینانہ آجکل
 مجنوںِ وجہِ خستہ حال کی خوشحائیاں نہ پوچھو
 کیا کیا ہیں ان کے لطفِ کریمانہ آجکل

دیوانہ کس بلا کا ہے دیوانہ آجکل
 چھوڑا جہاں میں کوئی نہ فرزانہ آجکل
 مجنوںِ وجہ ہی کی حلقہِ بگوشی میں رہجئے
 دنیا ہے اپنی عقل سے بیگانہ آجکل

حادی جہاں پہ ہے دل مستانہ آج کل
 راک جامِ بکرم ہے یہ مرا پیماں آج کل
 باوصفِ اختلافِ طبائع پسند ہے
 میرا ہی سب کو مشربِ زندانہ آج کل

مسجد بھی ہے نگاہ میں مے خانہ آج کل
 تسبیح بھی ہے گردشِ پیمائے آج کل
 اللہ سے خوش معبودِ ربانِ دلوں
 دیوانہ ہو رہا ہے یہ مستانہ آج کل

آوارہ مے سے دل ہے پری خانہ آج کل
 صد شمع درِ بغل ہے یہ پروانہ آج کل
 جاذبِ ہزارِ حسن ہو آنحضرتؐ نہیں نظر
 معبودِ ربِ حسیں سے ہے بیگانہ آج کل

دل کس نگار کا ہے جلو خانہ آج کل
 نظریں ہیں غرش پر بھی حریفانہ آج کل
 ہر دم ہے ایک بارشِ آوارِ قلب پر
 ہر وقت ہے تصورِ حسانانہ آج کل

فطرت ہے مست روح ہے مستانہ آج کل
 شیشہ ہے قلب دیدہ ہے پیماں آج کل
 دورانِ ثول میں کیف ہے دورِ شراب کا
 معبودِ ربِ اپنا آپ ہے میخانہ آج کل

اہل جہاں سے لاکھ ہے بیگانہ آجکل
 خلقِ خدا ہے پھر بھی تو پروا نہ آجکل
 مجزوتوں کی طرف نہ کھینچیں کیوں کبھی کے دل
 جانِ جہاں کی دُھن میں ہے دیوانہ آجکل

ساری فضا ہے دھڑ ہے مستانہ آجکل
 دُورِ فلک ہے گردشِ پیمانہ آجکل
 ہر شے میں کیف ہے جو طبیعت میں کیف ہے
 سارا جہاں نظریں ہے میخانہ آجکل

ہر ماسوائے دل جو ہے بیگانہ آجکل
 سارا جہاں نظریں ہے ویرانہ آجکل
 چٹا بنیں نگاہِ حقیقت شناس میں
 میخانہ ان دنوں ہے پری خانہ آجکل

دن رات میں ہوں اور ہے ویرانہ آجکل
 تیری ہی دُھن میں ہے ترا دیوانہ آجکل
 اب دوستی رہی ہے کسی سے نہ دشمنی
 کوئی جہاں میں اپنا نہ بیگانہ آجکل

بے صدر کی ہے محفلِ رندانہ آجکل
 بے وقت کا ہے نعرۂ مستانہ آجکل
 پیرِ مٹاں کے دم سے تھا سب نظمِ میکہ
 میخانہ کیا ہے کہیں ہے میخانہ آجکل

مجنوب کو کھی کا نہیں ہوش ان دنوں جانے کیس کی دھن میں ہے دیوانہ آجکل
 احباب اقربا ہوں نہ شائے غریب سے یہ اپنے آپ سے بھی ہے بیگانہ آج کل
 معجزات ہے بس نے وہیمسا نہ آجکل کیا کیا ہیں پی کے نعرہ مسانہ آجکل
 حسرت یہ ہے کہ دیکھتے آئے کاش آپ بھی جس کیف میں ہے آپ کا دیوانہ آجکل

مجنوب ماسوا سے ہے بے گانہ آج کل
 تیری ہی دھن میں ہے ترا دیوانہ آج کل
 راک تجھ سے باخبر ہے بس اور سب سے بے خبر
 کیا ہوش مند ہے ترا دیوانہ آج کل

منور یاد یار ہیں اوقات آجکل
 دہلے مجھے ہیں کیف میں اُنات آجکل
 فیض نقیض سے قلب ہے محو مشاہدہ
 دوسراں ان دنوں ہیں شبہات آجکل

بعض علماء کی معجزات کے
 پاس ازراہ جنوں دوازی آمد پر

پکے میں کہتے عاقل و سدا زانہ آجکل سب ہوش سے میں دیکھے بیگانہ آجکل
 دیوانہ وار گھبرے ہیں مجنوب کو کس بھی دیوانہ کس بلا کا ہے دیوانہ آج کل

نزع میں کچھ خاطر یہ یاد کرنا چاہیے
 اب تو پورا وعدہ دیدار کرنا چاہیے
 اختیار اب شیوہ انیسار ہونا چاہیے
 عرض جب بیکار ہو اصرار کرنا چاہیے

کیا دو روزہ زندگی کا یہ قرینہ چاہیے
مرنے والے کی طرح دنیا میں جینا چاہیے

مریض جاں بلب ہو کر میں پہنچا ہوں مگر کیا ہے
خدا کے سلامت چشمہ آپ بہت تم ہو

✓ نہیں کچھ اور خواہش آپ کے در پر میں لایا ہوں
مٹا دیکئے مٹا دیجئے یہاں سے کون آیا ہوں

✓ شیخ کے ہیں تین حق رکھ ان کو یاد
اعتماد و اعتقاد و اعتیاد

کھائے ایسا بھی تصور سے نہ دھوکا کوئی
رہ گیا کھول کے آغوشِ تمت کوئی

یہ غیر ہے یہ ہے معجز و عجیب دونوں حاضر ہیں
اب آپ کی نظر انتخاب دیجھیں گے

مرا بیا بال ہے سلامت بڑے منے سے گزر رہی ہے
نہ اس میں صیاد کا ہے کھانا نہ اس میں اندیشہ خزاں ہے

میں ہوں مریضِ عشق مرا دل نہ ڈھال ہے
اس پہ نہ جائیں آپ کہ چہرہ بجال ہے

پڑے اُت نہ کس حینوں سے پالا
وہ مصدوم نفسیں وہ مستہ بھولا بھالا

صبا آتی ہے کسی کے کوچہ گیوستے تو ہو کر
پریشان ہو تو اس آشتی لیکن مشک بو ہو کر

زویب کیا کیا بھرتا ہے بہرِ دہسہ
سو جتن کرتا ہے ہمسہرِ دہسہ

کہاں یہ خوش رنگ تیاں اور کہاں وہ بد رنگ خشک تینے
مگر قفس پھر بھی افس قفس ہے اور آشاں پھر بھی آشاں ہے

غزل پڑھنے کو معجزِ زویب بے تابانہ آتا ہے
سنبھل بیٹھو، سنبھل بیٹھو کہ آب دیوانہ آتا ہے

حظ گنہ میں جب گنہ تو کر چکا پھر کچھ نہیں
اک ذرا سی دیر کا ہے یہ مزا پھر کچھ نہیں

ہوتا ہے نفس زیرِ اہلی رعیتِ کردگار سے
کام تو لے کے دیکھ لے تو ہمت اختیار سے

عذلیب بوستانِ راز ہوں
ہموائے لبیل شیراز ہوں

توحید کا ہوں میں بھی غلطہ آلودہ عصیاں
ادھسہ بھی ایک موجِ اپنی کہ دریائے رواں تم ہو

بتایا ہے جو گزِ حضرت نے استغفارِ عظمت کا
عجب اک نغمہ اکیرے اصلاحِ اُمت کا

بہار آ رہی ہے مزے آ رہے ہیں
غم و حُسام و ہنس ابھرے جا رہے ہیں

یہ وہ جگہ ہے مسکدہ غم کا گذر جہاں نہیں
گردشِ جام ہے یہاں گردشِ آسمان نہیں

قبض میں بھی بطل کا تو لطف لے
بے تسلی بھی تسلی چاہیے
بے حسدالی تو جمالی ہو نہیں
چاہے جیسی ہو تجلی چاہیے

صلاح میں اپنی کر نہ سستی
ہمت پر ہے منہمک درستی
نہ مانگتے ہیں حکیم الامت
سستی کا علاج بس ہے چستی

رکھ ہمیشہ نظر میں دو باتیں
اے دو عالم کی خیر کے طالب
شرع غالب نہ عقل پر ہو، کبھی
اور نہ ہو عقل شرع پر غالب

چاہے اطمینان اگر مجھ کو ہے تو
کہ نہ کیفیات کی ہرگز ہو کس
عقل و ایساں ہیں رشتہ داری
آنی حسانی اور سب چیزیں ہیں بس

کر نفس کا مقابلہ ہاں بار بار تو
 سو مرتبہ بھی بار کے ہمت نہ بار تو
 اس کو پچاڑ کے بھی نہ پھینڈا ہوا سمجھ
 ہر وقت اس پچیت سے رہ ہوشیار تو

نہ چیت کر سکے نفس کے پہلوں کو
 تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
 اُسے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
 کبھی وہ دبا لے کبھی تو دبا لے

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
 بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے
 یہ رشتہ محبت کا قلم ہی رکھے
 جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

رہ عشق میں تلک و دو ضروری
 کہ یوں تا بسندل رسائی نہ ہو گی
 پہنچنے میں ہو گی جو حد درجہ کلفت
 تو راحت بھی کیا انتہائی نہ ہو گی

کہاں تیر سی معجزہ و تب ثرولیدہ عالی
 کہاں باریاں درگاہ عالی
 مگر ہو نہ یانوس پھر بھی کرم سے
 یہ حسرت بھی تیر سی نہ جائے گی خالی

تجھ کو جو چلتا طریق عشق میں دشوار ہے
 توہی ہمت ہارے ہاں توہی ہمت ہارے
 حرفت دم پر تو جوار ہو گھا رہا ہے
 لگ خود تجھ میں ہے درند راستہ ہموار ہے

طلب تیری معجز و تب اگر تمام ہو
 ابھی زیب پہلو دل آرام ہو
 یہ کوشش کی جو تیری ہے کوشش کہیں
 وہ کوشش ہی کب ہے جو ناکام ہو

یہ معجز و تب وحشی کو مش اپنے مانگ
 بٹھا جو حجرے میں تو پاہت ہے
 پسند اپنی اپنی ہے طرف اپنا اپنا
 مزاج دب سیدان جو چاہتا ہے

شر سے ہے کون سا بشتہ خالی
 ہاں مگر ہو نہ شد ہی شد خالی
 کچھ تو سامان خیر ہو دل میں
 اب تو ہے تیرا گھر کا گھر خالی

سخن رہے نہ ڈر اک ذرا ہمت تو کر
 گامزن ہو نا ہے مشکل راستہ مشکل نہیں
 کام کو خود کام پہنچا دیتا ہے انجمن تک
 ابتداء کرنا ہے مشکل انتہا مشکل نہیں

تو گستاخوں کا غود ہے دوتر دار
 آؤ تقدیر کی نہ لے زہنہار
 تیرے کس عُذر پر ہے یہ صادق
 غونے بدرا بہا نہا بسیار

دیکھ تو آتشیں زخوں کو نہ دیکھ
 اُن کی جانب نہ سمکھ اٹھا زہنہار
 دُور علی سے یہ کہہ الہی خیر
 وقت زینا عذاب المثار

مرے سب درد کوئے دردِ دل نے
 یہی درماں بھی ہے آزار بھی ہے
 محبت کو جو دیکھے جس نظر سے
 بہن پر خسار بھی گزار بھی ہے

جو کھیلوں میں تو نے لڑکپن گزایا
 تو بستیوں میں جوانی گزائی
 جو آبِ غفلتوں میں بڑھاپا گزایا
 تو بس یہ سمجھ زندگانی گزائی

مترس از بلائے کہ شب در میان است
 یہ کہہ کر نہ سو شب بھر آرام ہی سے
 ارے کوچ گو صبح ہونے پہ ہو گا
 مگر فسر تو شہ تو کر شام ہی سے

مُطَرِبِ خوشنوا بگو تازہ بہ تازہ نَوَ بہ نَو
چُپ نہ ہو دِلے چُپ ہو گائے جاہلے گائے جا
کیف نہ ہونے پائے کم پاس نہ آنے پائے عَم
نہے مَرے دافع الم، نفع نہ ہن سُنائے جا

مَری زبیت کا جِمال کیا پوچھتے ہو
بڑھاپا نہ بچپن نہ اُس میں جوانی
جو کچھ سائیں یاد ولسد میں گذریں
وہی ہیں دُھی مِیری کل زہر گانی

قبولِ عشق میں مطلوب ہے وصول نہیں
وصولِ حق ہے معجزِ ورتب اگر قبول نہیں
وصولِ بس کو نہ ہرگز سمجھ فصول ہے وہ
ہو لاکھ ایسا وصول اُس میں کچھ حصول نہیں

چار شد طین لازمی ہیں استغناء کیے
اطلاع و اتباع و اعتقاد و انقیاد
یہ مقتضی قول ہے یقین بھی یقین بھی
حضرت مرشد کا یہ ارشاد رکھنا عسر و آس

ترا آستان اب کہیں چھوشتا ہے
مہر آگے مہر آگے آگے مہم
نہ اب بستی نہ اب بستی پرستی
یہ سب چھوڑ کر تیرے گھر آگے مہم

غم عشق جا کر بھی غم کم نہ ہو گا
کہ پھر غم نہ ہونے کا کیا غم نہ ہو گا
نہ کر غم کے جانے کی ہرگز قسمت
کیا غم تو یہ دل کا علم نہ ہو گا

نظم جہاں میں ہر طرف اب اختلال ہے
علم اتم مظہر شانِ جلال ہے
کچھ بس کا لطف اہل محبت سے پوچھتے
شانِ جلال بھی انہیں شانِ جمال ہے

وہ رستنا ہی شکستہ ہو وہ بتا ہی نکسا ہو
نظر بر لطف ساقی ہاں کئے بایشیں جام اپنا
بھرے گایا نہیں رستنا بھرے گا اور بھیے گا کب؟
سرد کار اس سے کیا تجھ کو کئے جا تو تو کام اپنا

یہ کس نے زمانے سے پھیریں نگاہیں
زمانے میں کیا انقلاب آ رہا ہے
حوادث آ رہی ہے بُری آ رہی ہے
جو دن آ رہا ہے خراب آ رہا ہے

فزون اب تو ہر سانس پر دردِ دل ہے
سکون چارہ گر ہو گا جب دم نہ ہو گا
عبث ہے عبث ہے مداوا عبث ہے
نہ ہو گا نہ ہو گا یہ اب کم نہ ہو گا

سمجھتے ہیں اہل مسالک تو یہ
کہ بس بارسا ہمت بڑی چیز ہے
مگر جو ہیں اہل نظر، اہل دل
وہ کہتے ہیں چاہت بڑی چیز ہے

جواکب غلامی کا ہے زیبِ مسلم
کہ ہر چیز موزوں ہے اپنے محل میں
یہ اعمال بد کی ہے پاداش ورنہ
تجلیں شیر بھی جوتے جاتے ہیں بل میں
و کب پیل (خواجہ صاحب کے کلاس فلو کے سوال پر جواب۔
مرا نقش ہستی نہیں مٹنے والا
توں کے مٹائے یہ مٹتا نہیں ہے
اے مٹنے میں یہ مٹ جائیں گے سب
کہ یہ نقش سجدہ ہے قشتہ نہیں ہے

باسے سے معذوق نہ زاہد نظر آئے
بھائے نہ چھے رند وہ پھس کھول ادھر آئے
سو بار بگڑنا ہے منظور ہو اپنا
وہ آئے یہاں اور بکیشم و بس آئے

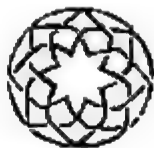
کاشانہ معذوق ہے منزل گہ مستان
جو اہل خرد آئے یہاں سوچ کر آئے
فسد زانہ سب ہنسنا ہے جائے وہ کہیں اور
دیوانہ بے ہنسنا ہو بس وہ ادھر آئے

احسان جت کر نہ کوئی مسیرے گھر آئے
احسان مرا مان کر آئے اگر آئے
بیٹھا ہوں غنی ہو کے نیں ہر شاہ و گدا سے
سو بار غنیمت جس کو پڑے وہ ادھر آئے

اس سہ درمی اشرف فردوس مکان میں
جب آئے زیارت کو تو با چشم تر آئے
جو بزم بھری رہتی تھی مستانِ خدا سے
خالی وہ نظر آئے تو کیوں جی نہ بھر آئے

مہجڑو ہے اب جہلۂ مستانہ کسی کا
وہ اب نہیں اپنا ہو کہ بے گانہ کسی کا
وہ بزم ہے اور اک نئی عرسو ہے تجلی
شعروں سے گھرا بیٹا ہے پروانہ کسی کا

مجھے دوست چھوڑ دیں سب کوئی مہربان پوچھے
مجھے میرا رب ہے کافی مجھے کل جہاں نہ پوچھے
شب دروڑ میں مہجڑو ہے اور یاد اپنے رب کی
مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے



سوچ ماضی کو نہ استقبال کو
 ٹھیک کہہ تو تو بس اپنے حال کو
 کیا ہوا کیسا ہو گا اس غم میں نہ پڑ
 تو عیش سر لے نہ اس جنجال میں

دل کیوں نہیں لگتا طاعتوں میں
 اس فکر کے پاس بھی نہ جانا
 دل لگنا کہاں ہے فرض تجھ پر
 تیرا تو فرض ہے دل لگانا

لگا رہ اسی میں جو ہے اختیاری
 نہ پڑ امر غیر اختیاری کے پیچھے
 عبادت کئے جا مزہ گو نہ آئے
 نہ آدھی کو بھی چھوڑ ماری کے پیچھے

جیل گردائے دل جسنی نہ گردد
 یہ مانا درست اب جہالت نہ ہوگی
 مگر فعل بد سے تو بچنا ہے ممکن
 تری طبع بد پر عقوبت نہ ہوگی

تو ہو کبھی بھی حال میں 'نولاسے' کو لگائے جا
 قدرت ذوالجلال میں کیا نہیں گڑ گڑائے جا
 بیٹھے گا چین سے اگر کام کے کیا رہیں گے پر
 گو نہ نکل سکے مگر پنبرہ میں بھڑ بھڑائے جا

اُٹک یوں ہی بہائے جاؤں کی نگہی بھجھائے جا
 آہیں بھی کھینچ کھینچ کر آتشِ غم بڑھائے جا
 حُسنِ تماشا دوست کو عشقِ کرشمہ ساز تو
 کھیل یونہی نئے نئے ستمِ دوسر دکھائے جا

ضررِیں بھی کئے نام کی دل پہ یونہی لگائے جا
 گو نہ ملے جواب کچھ دُر یونہی کھٹکھٹائے جا
 کھولیں وہ یا نہ کھولیں دُر اس پہ ہو کھول تری نظیر
 تو تو بس اپنا کام کر یعنی صبر لگائے جا

تیری بلا سے کچھ بھی ہو تو تو بس اُدا دکھائے جا
 روتا ہے روئے گل جہاں تو یونہی سُکرائے جا
 غم سے کہاں خراغ ہے دل پہ تو روزِ داغ ہے
 قبضہ میں تیرے باغ ہے نہتے گل کھلائے جا

ہاں مجھے مشہلِ کیمیا خاک میں تو پلائے جا
 شانِ مری گھٹائے جا رتبہ میرا بڑھائے جا
 سب ہوں حجابِ برطرف دیکھوں بھی کو ہر طرف
 پرے یونہی اُٹھائے جا، جلوے یونہی دکھائے جا

جام پہ جام لاتے جا، شانِ کرم دکھائے جا
 پیاسِ مری بڑھائے جا روزِ نئی پلائے جا
 پوری نہیں ہے بے خودی کرتا ہوں مستیاں ابھی
 ہوشِ مے اُڑاتے جا اور ابھی چھٹکائے جا

دیکھ یہ راہِ عشق ہے، مولیٰ ہے بس یوہی یہ سہلے
سینہ پہ تیر کھائے حب آگے قدم بڑھائے جا
یہ نہیں ظلم دشمنایاں یہ سہجے جھائے جان جاں
صورتِ ابر تو بھی روتے ہیں مسکرائے جا

مُطرب خوشنوا ترا دونوں جہاں میں ہو بھلا
روز الست جو سُنا، نغمہ وہی سُنائے جا
یہ تری شانِ آب و گل تجھ سے ملک بھی ہیں جنم
جس نے دیا ہے دردِ دل گیت اسی کے گائے جا

رہنا نہ چاہے تو اگر مُفت کے انتشار میں
پیشِ نظر یہ گڑھے دیکھ تلاشِ یار میں
اپنے جو بس کی بات ہو رہ بس اسی میں مہمک
پچھے نہ اس کے پڑ بھی جو نہ ہوا اختیار میں

وساوس جاتے ہیں اس کا ہو غم کیوں
عبث اپنے جی کو جلا نا بُرا ہے
خبر تجھ کو اتنی بھی نا دال نہیں ہے
وساوس کا آنا کہ لانا بُرا ہے

ملک بنے جو چاہے کر تصرف
کیا وجہ کسی بھی فتنہ کی ہے
بیٹھا ہوں میں مطمئن کہ یارِ ب
حاکم بھی ہے تو حکیم بھی ہے

کام کر دل لگا کے پھر بھی اگر
نہ لگے دل تو کچھ ملال نہ کر

حسب ارشاد حضرت مرشد
فعل کمر فسر انفعال نہ کر

بدلے نہ ہمیں عالمِ ایک کا عالم
اے ٹوٹے ہوئے دل تری فریاد کا عالم

معمور تھا جلووں سے اور اربانوں سے کیا کیا
اب تو ہے ادراکِ خستہ برباد کا عالم

وہ رنگت وہ ڈھنگت وہ لطافت وہ کیفیت

کچھ اور ہے اب عالمِ ایک کا عالم

بیٹھا ہوں نظر نیچے کئے سر کو جھکا ہے
گمشدن میں ہے اب خاندانِ ایک کا عالم

شامِ شبِ غرقت میں بھی انوارِ سحر ہیں

اے نورِ مجنم یہ تری یاد کا عالم

دل نور، جگر نور، زبان نور، نظر نور

یہ کیسا ہے مری خاطرِ ناشاد کا عالم

طریقِ عشق جو ہیں سبکِ خلاصہ اے دل

بس یہ ہے دوستِ غافل نہ کسی آن ہے

اس کا اک گڑبگڑ تھے تلقین کئے دیا ہوں

ذکر اور فکر ہے دھن ہے اور دھیان ہے

یہ بھی ہے اک اداے حسن یار کی بے رنجی نہیں
 بڑھی مزاج دوست ناز ہے ہنسی نہیں
 اٹھ بھی یہاں سے بواہوس میٹھ نہ عاشقوں میں
 تاب اگر حسن تجھے یاد کے ناز کی نہیں

کوئی مزا مزا نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں
 تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں
 سب کا غلط ہے یہ گماں زندہ بھی ہوں میں کہیں
 وہ جو ہے اپنا جان جاں پہلو میں جب وہی نہیں

لاکھ ہنسی کی بات ہو لب پہ مگر ہنسی نہیں
 غنیہ دل بس اب مرا ہر شگفتگی نہیں
 باد صبا ہو، ابر ہو، موسم تو بہار ہو
 کوئی شگفتہ کر کے ہائے یہ وہ کلی نہیں

دل تجھ کو دیا حق نے تو حق اس کا ادا کر
 سب چھوڑ خبیالات بس اک یاد خدا کر
 اللہ نے بخشے تجھے اعضا پئے طاعت
 کر ایک ہی کام نہ سمجھ اس کے سوا کر



”نئی روشنی“

نہ تسبیح آب دیکھتے ہیں نہ مالا پیالہ ہے اب ہاتھ میں یا نوالہ
جو خالق سے رشتہ تھا وہ توڑ ڈالا نہیں اب کوئی ہم حق پہننے والا

ترانے ”نئی روشنی“ منہ ہو کالا

دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

بظاہر تو یہ باہم بڑی یاریاں ہیں دلوں کو ٹٹولتو بیسزاریاں ہیں
جو اب یاریاں ہیں وہ عیاریاں ہیں کہ درپردہ کیا کیا رستم گاریاں ہیں

ترانے ”نئی روشنی“ منہ ہو کالا

دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

بھروسہ نہیں اب جہاں میں کسی کا کہ اب دور دور ہے بس پابسی کا
نہ غم بے بسی کا نہ غم مغربی کا جو رونا، جیس ہے تو رونا، کسی کا

ترانے ”نئی روشنی“ منہ ہو کالا

دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

دغا مکر و حرص و ہوا دل کے اندر حسد، بغض، بکھرو را دل کے اندر
نہیں اس زلزلے میں کیا دل کے اندر نہیں ہے تو خوف خدا دل کے اندر

ترانے ”نئی روشنی“ منہ ہو کالا

دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

بظاہر تو ہر شے میں بے حد صفائی مگر دل میں ہے گندگی انتہائی
کبھی اس کے دھوکے میں نہ بھائی یہ ہے سب ریا، یہ ہے سب یائی

ترانے ”نئی روشنی“ منہ ہو کالا

دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

غضب ہے یہ تہذیب تو کی وجہ بھی چراگ مستلا ہے برا بھی بھلا بھی
کوئی اس کے آخر اثر سے بچ بھی کہ چھوٹا نہ مہر نور ہے سا با خدا بھی

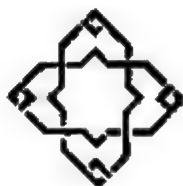
ترائے تیری روشنی منہ ہو کالا
دلوں میں اندھیرا ہے باہر اجالا

نظم بہ موقع شکار کاٹھ

چلو چلو پئے سیر و شکار کاٹھ میں
یہاں تو آس کے وہ دیکھیں بہار کاٹھ میں
کچھ اس منے کے میں لیل و نہار کاٹھ میں
خدا نے گلشن عالم کو جب کیا پیدا
نہ پوچھو عاشقو! کتنا ہے وقت کیا جلدی
گمان گلشن فردوس کا نہ ہو جائے
شکاریوں نے نہ چھوڑا کوئی چرند و پرند
شکار گیت تھے ایک ایک فیر میں اتنے
کتنے ہیں ہم نے کچھ ایسے منے کے شکار کاٹھ میں

عجب مزار ہے غیب بہار کاٹھ میں
کہ جی یہ چاہتا ہے ہو مزار کاٹھ میں
ہے نہ یاد رخ و زلف یار کاٹھ میں
بنایا صبر مقام بہار کاٹھ میں
گزار و صل کے شب انتظار کاٹھ میں
نظر فریب ہے باغ و بہار کاٹھ میں
منے سے سوئیں گے اب کتنے شکار کاٹھ میں
نہ خیر کرنے کا آتا تھا وار کاٹھ میں
کہ برہمن بھی ہوا گوشت خوار کاٹھ میں

یہاں سے جا کے نگہ گاہیں مغز و تریں
پڑا ہے گادہ لیل و نہار کاٹھ میں



برسات کی آمد

دیر سے تھی آمد آمد جا بجا برسات کی
تھی ضرورت غلٹ کو بے انتہا برسات کی
واہ واہ کیا دلڑا ہے ہر ادا برسات کی
واہ واہ کیا بات ہے اس خوشا برسات کی
لے لٹے کی آسماں پر کیا ہوا برسات کی
ہے بہار گل پلماں خاک پا برسات کی
ٹیکدے سے غم اڑا لاتی ہوا برسات کی
کیا ہوائے کھل پڑی زلف تار برسات کی
پی کے سب کس لیں شے نوشی دوا برسات کی
کیا اسے توبہ ایتھ توبہ بھلا برسات کی
نیچے بھٹی کا دھواں اوپر گھٹا برسات کی
مے پئے مچھڑتے بھی بار بار برسات کی
خشک ناہ قد کیا جانے بھلا برسات کی
ہے یہ فردوس نظر رنگیں فضا برسات کی
بادہ گل رنگ سے رونق بڑھا برسات کی
کیسی مشکل سے جوتی ہے ابتدا برسات کی
ہی رہا ہے میکہ اندر سمجھا برسات کی
یونہی ہوں سب مستی ہے دوا برسات کی
آرٹھی ہے سات دن بکھودیا برسات کی
ذختر رز ذختر ناکتھ دوا برسات کی
ولولہ انگیز کتنی ہے ہوا برسات کی
بانسری ہے کس قدر رنگیں دوا برسات کی

آگئی زنت آگئی شکر خدا برسات کی
مانگتا تھا ہر کس ناکس دوا برسات کی
یہ ہوا یہ مینہ یہ بجلی یہ گھٹا برسات کی
کیا فضا ہے کیا فضا ہے دوا برسات کی
واہ کتنی روح افزا ہے فضا برسات کی
اور محم تو کر سینے پر کیا برسات کی
کس قدر زکیم ہے کالی گھٹا برسات کی
بحقدر دکش ہے اٹالی گھٹا برسات کی
لائی ہے پیغام مے نوشی ہوا برسات کی
پیش مے کرتی ہے اٹھا گھٹا برسات کی
محم کو دوا لطف دیتی ہے فضا برسات کی
کھنڈر توبہ شکن ہے اٹھا گھٹا برسات کی
رعد تر دھن اٹھاتا ہے مزار برسات کا
گھر ہر جنگل ہر گلشن ہر عالم ہر
تو ہے ایسے میں کہاں لے ساقی گھٹا
پانی جب سا پہلے خوب برسی ہے آگ
تیس گردش میں ہیں جسے ہوا پران نص میں
چھوٹا ہے کیف میں ہر نیک بد پیر جوان
ہے تو سر سے پاؤں تک نص میرٹش و خرمی
رند نوشہ عقد خواں، ساقی وکیل
زاہد صد سالہ میں بھی ہے جوانی کی ترنگ
دل ہر ہوا جاتا ہے کس کس کے نال و نیر

سر بسر دُوبی ہوئی ہے کیف میں ہر ایک شے
 مٹتی ہوئی ہے ہر بخوانہ سب رنگیں نظر
 کل سمندر لے کے کیا برس ادیا باوصیا
 کوئی انکے دل سے پوچھے جو ہیں سچے عشق
 ترک مے تیرا قاضی شرب مے برسات کا
 نرم کوئی سیکھ تو برسات سے پھر وعظ کہہ
 دھل گئے غم دل کے غم گھیر کر کوئی نہیں
 واعظ اربعہ غیب سیر باغ کوہ و دشت سے
 جھونکا جھونکا ہے ہم یعنی صفت برسات کا
 کیا غضب کرتا ہے زلزلہ اب تو مجھے سے نکل
 ہلے ایسے میں بھی یہ انکار یہ کشم و حیا
 باہر آہاں باہر آئے صوفی خلوت نشین
 پی کہاں چھوڑے پیسے اتنے کہ تو پی یہاں
 سب کی اس نعمت سخی میں ہیں میرے سمجھنا
 اک نقطہ میں ہی نہیں نغمہ سرا برسات کا
 کیا سماں ہے کیا سماں ہے کیا سماں برسات کا
 دور مے ہی جب نہیں پھر کیا مزہ برسات کا
 ہوش میں ہوش میں کرو فکر عیش جادواں

آج مے برسا رہی ہے کیا گھٹا برسات کی
 محل لپی ہے یا کالی گھٹا برسات کی
 چار سو پانی ہے کیسا ہے انتہا برسات کی
 رت ہے یہ کتنی نقد کس آرزو برسات کی
 بات لے اے عطر ترسی تلوں میں برسات کی
 میں کسوں دیکھی ترسی یا التجا برسات کی
 واہ واہ کیا بات ہے اس علم ربا برسات کی
 بھرن بھی آجکل بیلچے کھتا برسات کی
 بوند بوند نکال چیمہ آب بقاء برسات کی
 پھر کہاں دن اے کھالے ہوا برسات کی
 رات ہے اور رات بھی ہے ملتا برسات کی
 حق نما ہے حق ناہر ہر فضا برسات کی
 نفس کشی وصل ہوا نظم کا برسات کی
 ہے یہی نغمہ سرائی جا بجا برسات کی
 گل کی گل مخلوق ہے نغمہ سرا برسات کی
 کیا فضا ہے کیا فضا ہے کیا فضا برسات کی
 مے تو ہے روج رواں آہاں برسات کی
 چھوڑے معجزوں یہ حمد و ثنا برسات کی

کتنے دن کا ہے یہ منظر اک ذرا بدلی جو رت
 پھر ہر اسبند نہ پھر کالی گھٹا برسات کی



١٥٦

جواب حال دُنيا ہے ناگفتی ہے
جواب رنجِ عالم ہے ناویدی ہے
یادِ دہر دین و ملت پر خستہ زنی ہے
اُدھر خلقتِ حرمِ کعبہ و منی ہے

یہ تہذیب نوہنے نئی روشنی ہے

ایک گھر بنی ہے بساطِ طہنی ہے
یہ لبِ دوستی ہے یہ دلِ دشمنی ہے
زباں پر شوقِ لب میں طہنی ہے
پس پشتِ غیبت سے غمہ زنی ہے

یہ تہذیب تو ہے نئی روشنی ہے

مضائق پوشاک و تن دیدنی ہے
مگر رُوح آلائشوں میں کسبی ہے
خمیدہ ہے سرول میں کبوتر مئی ہے
شہر لہنا نہ صورت ہے سیرت دنی ہے

یہ تہذیبِ نو ہے نئی روشنی ہے

بس اب گولہ باری ہے مجھ انگلی ہے
و نادان ہے ہر سو ٹٹٹ ٹٹٹ ٹٹٹ ہے
جہاں جاسیے ہول ہے کسنسی ہے
بس اک عرصہ حشر و نیا بنی ہے

یہ تہذیب نو ہے نئی روشنی ہے

اگر میں وہاں میں باہم ٹھنی ہے
تو اٹلی بھی یونانیوں سے تنی ہے
جو انگریز کا پنجہ آٹھنی ہے
اسے موڑنے کو ٹلا جسنی ہے

یہ تہذیب لڑے نئی روشنی ہے

جو دن رات گھر میں لڑائی ٹھنی ہے
نہ پوچھو سبب اس کا ناگفتنی ہے
یہ بوی پہ شوہر کی طعنہ زنی ہے
یہ لڑکی جنی ہے کہ کتیا جنی ہے

یہ تہذیب لڑے نئی روشنی ہے

جو پڑھ لکھ کے لڑکے تہذیب بنی ہے
تو گل مل کے مردوں سے کیا چھنی ہے
وہ کسب فن نہیں جانتی ہر فن ہے
بھری بزم میں ناچنا دیدنی ہے

یہ تہذیب لڑے نئی روشنی ہے

یہی لڑکیو! مختصر دامن ہے
تو دیکھیں گے وہ بھی جو نادیدنی ہے
بس اب دین و ایمان کی بھم زنی ہے
کہ بھرے ہیں بال اور چھاتی اتنی ہے

یہ تہذیب لڑے نئی روشنی ہے

بدن کی جھلک ساریوں سے چھنی ہے
وہ پیش نظر ہے جو پوشیدہ ہے
نہ برقعہ ہے اب اور نہ چادر تنی ہے
بس اب ذکرِ عفت فقط گفتنی ہے

یہ تہذیب لڑے نئی روشنی ہے

ہوئی گھر سے دور ستر پوشی سے تنہی
تو پھر نے نہیں عورتیں گویا نرسنگی
مساوات نے ایسی میٹھی دورنگی
ہیں یک رنگ ہندو، مسلمان، فرنگی

یہ تہذیب نو ہے نئی روشنی ہے

نہ حق سے غرض کچھ نہ مذہب کے مطلب
اگر ہے تو بس اپنے مطلب کے مطلب
جو تھا اپنا مطلب تو تھا مسکے مطلب
پھری آنکھ پورا ہوا جب سے مطلب

یہ تہذیب نو ہے نئی روشنی ہے

اگر نفع ہوتا ہے اپنا ذرا بھی
تو بس پھر رو اکذب بھی ہے دغا بھی
کوئی جس سے دنیا کی ہے انتہا بھی
چلے بس کریں ہضم راض و مسابھی

یہ تہذیب نو ہے نئی روشنی ہے

دلیرانہ نظم

وقت عمل کب آئے گا ہم ہیں کس انتظار میں
اب بھی ہے کوئی کسرِ دولت و افتخار میں

گوڑیں عدد بڑے جمے زور میں اور شمار میں
فتح و شکست کے کمر بستہ ہونے کر دگار میں

گو ہیں ضعیف و ناتواں گو ہیں کج خستہ جاں
رکھتے ہیں علم مگر نہاں شیر کا دل کستہ زان

جب کہ خدا پرستی نظر کچھ نہ تھا دشمنوں کا ڈر
دس بھی ہوئے تو بے خطر خوش گئے ہم ہنر میں

کھر ہے دیں یہ حکمران یزیدیں بچے آسماں
 ہو گیس منقلب جہاں گردش روزگار میں
 رکھتے ہیں فوقِ ہم پر سب کرتے ہیں علمِ روز و شب
 ایسے تھے علمِ ذیل کب فرد تھے روزگار میں
 دین سے منال نہ تھا نعرہ حق ترانہ تھا
 ہائے وہ کیا زمانہ تھا ہم تھے عجب بہار میں
 ہم میں تھا یگانہ تھا رتبہ کیا ٹھکانہ تھا
 عرش پہ آشیانہ تھا آب توڑے ہیں غار میں
 سایہ ڈگتے ہیں قدمِ در پہ نکل جاتے دم
 آئینہ دیکھتے تھے ہم خنجر آبِ دار میں
 اب تو عجیب حال ہے جو ہے گناہِ حلال سے
 عیب بھی آبِ کمال ہے گردشِ روزگار میں
 کیسا یہ انقبلا ہے دیکھ کے دل کہا ہے
 کہتے ہیں آبِ ثرا ہے سود میں اور قمار میں
 دنیا لگے کا ہا رہے دینِ نظر میں خار ہے
 یہ ہلی اگر بہا رہے آگ لگے بہار میں
 جو ہے وہ مادہ پرست بند زرموا پرست
 رہ گئے کم خدا پرست ایک ہے اب ہزار میں
 روح جو رشکِ طور تھی پہلو میں گویا خور تھی
 یا تو وہ غرقِ نور تھی یا ہے نہاں غبار میں
 دورِ عملِ فسانہ ہے ہم ہیں آبِ اور خانہ ہے
 کس کا کیا ٹھکانہ ہے گھر میں ہیں یا مزار میں
 ہوش میں آؤ بھائیو! ایسی نہ زندگی جیو!
 بادۂ سردی پیو آب نہ رہو خمار میں
 بیٹھے ہو کیا اٹھو اٹھو ہاتھ میں اب تو سیفِ لو
 راہِ خدا میں جان دو، خوریں ہیں انتظار میں

غمر رواں یہ خواہنے دیا نہیں سراپے
بکھر جہاں جہاں ہے دیدہ ہوشیار میں

نعرۂ جانباز

جانناز ہیں ظم مار کے یا مر کے ہٹیں گے
میدان میں آئے ہیں تو کچھ کر کے ہٹیں گے

ایک ایک فدا کا رہتے سوسو پہ بھی بھاری
باس کثرت اعدائے نہ ڈر کے ہٹیں گے

ٹھانی ہے کہ سب زور لگا دینگے ظم اپن
مشکل ہی سے یہ نیت ہیں جو پتھر کے ہٹیں گے

آتے ہیں مقابل پہ تو ہٹتے ہیں کہیں یوں
اب نون سے میدان کو ظم بھر کے ہٹیں گے

سر رکھ کے پتھلی پر نکل آتے ہیں غنڈازی
سر لے ہی کے بس اپنے یہ بے سر کے ہٹیں گے

اک دم جو بڑھے فسدہ تحسیر نگا کر
پہچھے قدم اوجھت تے لشکر کے ہٹیں گے

ظم غازی دیں ہیں تو اعانت سے خدا کی
میدان سے میدان کو سر کر کے ہٹیں گے

بے طرح گلوگیر ہیں خنجر جو ہمارے
مدت کے پیاسے ہیں یہ جی بھر کے ہٹیں گے

انے دورِ بستان دورِ فتن دورِ غنڈامی
پہا نہ ترقی عسکر کا ظم بھر کے ہٹیں گے

طوفانِ حوادث سے منہ موڑیں گے جانناز
ہرگز نہ یہ تیراک سمندر کے ہٹیں گے

توپوں کے بھی فیروں کو بچھنے ہیں اک کھیل
جاننا زیہ داروں سے نہ خنجر سے نہیں گے

وہ غزل اور اشعارِ حقین کو تیرے ^{مرقدہ} ^{نورِ شہ} مُرشد

کے بعد مجھ کو صبا اپنے حالِ بہت سے پڑھتے

ہنسی بھی ہے میرے لبِ ہر دم اور آنکھ بھی میری نم نہیں ہے
مگر جودِ دل رو رہا ہے پیہم کسی کو اسکی خبر نہیں ہے

کوئی مزا مرا نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں
تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

لاکھ ہنسی کی بات بول بپے مگر ہنسی نہیں
غصے دل بس اب مرا بہرِ شگفتگی نہیں

یاد صبا ہو، ابر ہو، موسمِ نو بہار ہو
کوئی شگفتہ کر سکے ہائے یہ وہ کلی نہیں

جائیں کبیشمِ غم کہاں روئیں اب پنا غم کہاں
پہلے سے اب کرم کہاں ایسا توا کب کی نہیں

ہجر کی شب عجیبے شبِ حال کیا ہے "عجب
تائے میں روشنی نہیں چاند ہے چاندنی نہیں

مال میں اپنے مست ہوں غیر کا ہوش ہی نہیں
رہتا ہوں جہاں میں یوں جیسے یہاں کوئی نہیں

شیش ہے جاگ ہے غمِ اصل تو رونقیں ہیں غم
لاکھ سب ہے ہو غمِ بزمِ ابھی سبھی نہیں

اس دل زار سے مفر عشق میں جیتے جی نہیں
رونا ہے مجھ کو کس بھر غم مرا عارضی نہیں

پیرِ مغان کا دم کہاں اسکی وہ بزمِ مجسم کہاں
ادہ نہیں تو ہم کہاں زلیست زلیست ہی نہیں

سب کا غلط ہے یہ گماں زندہ ہی ہوں میں اب کہاں
وہ جو تھا اپنا جاںِ جاں پہلو میں جب دلی نہیں

دھڑکی اب ہے انجمن تیر و تار اے حسن
باعتِ نور تو ہی میں آدوں کو فکر ہی نہیں

اے میے بارغ آرزو کیسا ہے بارغ ہائے تو
کھیاں تو گو میں چار سو کوئی کلی کھلی نہیں

دل میں لگا کے ان کی نوکریں جہاں میں نشترِ نو
شمس تو بل رہی ہیں سو بزم میں روشنی نہیں

ہاں سرِ درئی اشرفِ فردوسِ سماں میں
جب آئے زیارت کو تو با چشمِ تر آئے
جو بزمِ بھمدی رہتی تھی مستانِ خدا سے
غالی جو نظر آئے تو کیوں دل نہ بھر آئے

مجھے دوست چھوڑ دیں سب کوئی مہرباں نہ پوچھے
مجھے میرا رہے کافی مجھے گل جہاں نہ پوچھے
شبِ بونہ میں ہوں بوندِ سب اور یادِ اپنے رُب کی
مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے

ضرورت تھی کیا ہے کسی چاشنی کی
یہ تھی تربیتِ گاہِ نونے زمیں کی

جہاں ہوگی برکت وہ ہوگی بہیں کی
یہاں رہتے تھے قطبِ ارشادِ عالم

ہرے اکڑو نہ تم مجھ کو تب کی
 پھر کسٹن پاؤ گے افسانہ کسٹن
 کر رہا ہے فاش راز حسن و عشق
 پھر ملے گا ایسا دیوانہ کسٹن
 پیش پیش تہہ جانی پھر کسٹن
 بن لو یہ آتش بیانی پھر کسٹن
 پھر کہاں مجھ کو تب کی یہ شور شیں
 یہ طبیعت کی روانی پھر کسٹن

قطعہ تاریخ دیوان سابق کشتول مجذوب

از مولانا جلیل احمد صاحب تھانوی۔ سابق مدرس جامعہ مظاہر علوم بہار پور

تھے خواب عزیز الجن ایک شیخ حضرت
 شاعر تھے مگر معرفت و عشق کے پتلے
 معجز و تب بھی حضرت کا تعلق ہے حسن بھی
 ہر لفظ میں اک آگ بھی ہے جن سخن بھی
 تاریخ یہ دیوان کی ترتیب کی نگہی
 معجز و تب کا کشتول ہے دیوان حسن بھی

۱۳ ۱۴ ۱۵

قطعہ تاریخ طبع سابق کشتول مجذوب

از مولانا صاحب تھانوی۔ سابق مدرسہ مظاہر علوم بہار پور
 یہ دیوان خواجہ عزیز الحسن کا
 یہ نگہی ہے چھپنے کی تاریخ جبری
 دیوان جو اور جیسا بھی بہت خوب
 ہوا طبع کیا عمدہ کشتول مجذوب

۱۳ ۱۴ ۱۵

ذرا سے نفیس ہے عیسوی بھی
 بڑا خوب سابق کشتول مجذوب

۱۹ ۲۰ ۲۱

اَصْلِي گھر مع دَرسِ عِبْرَت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مراقبہ موت

تُو بُرائے بندگی ہے یاد رکھ بہر شرف نگذگی ہے یاد رکھ
ورنہ پشہ شرمندگی ہے یاد رکھ چند روزہ زندگی ہے یاد رکھ
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے
تُو نے منصب بھی اگر پایا تو کیٹا گنج شمیم و زر بھی ہاتھ آیا تو کیٹا
قصرِ عالی شان بھی بنوایا تو کیٹا دبدبہ بھی اپنا دکھلایا تو کیٹا
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے
قشیر و سکندر و ششم چل بے زائل اور سہراب و رستم چل بے
کیسے کیسے شیر و ضغیشم چل بے سب دکھا کر اپنا دم ختم چل بے
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

۱۔ سر جھکا خدا کے سامنے تمہ سونے چاندی کا خزانہ تمہ عمل تمہ بادشاہِ دوم ۱۰
سکندر اعظم ۱۰ جمشید بادشاہ ۱۰ زائل، سہراب، رستم، مشہور پہلوانوں کے نام۔
۲۔ شیر، مراد بہادر۔

کیسے کیسے گھرا جاٹے موت نے لکھیں کتنوں کے بگاڑے موت نے
 بیلتن کیا کیا پھپھائے موت نے سر و مت قبروں میں کاٹے موت نے
 ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
 کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کوچ باں لے بے خبر ہونے کو ہے تاہ کہ غفلت سخت رہنے کو ہے
 باز لے تو شر سفر ہونے کو ہے ختم شد فرد بشر ہونے کو ہے
 ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
 کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

نفس و شیطان ہیں خنجر دردِ دل وار ہونے کو ہے اے نادانِ دل
 آئے جاتے دین و دنیا میں خنجرِ سل باز آ، ہاں باز آ، اے بہرِ شمس
 ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
 کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

دفعہ سر پہ جو آپہنچے حبس ! پھر کہاں تو اور کہاں دُعا میں
 جسے گایا ہے بہا موقِ نعل پھر نہ ہاتھ آئے گی مہربے بدل
 ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
 کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

لے ہاتھی سے بدن و دل یعنی قوی عہدہ - مگر کار آمد، مراد سیدھا، سدا دل سے نصیحت کہ قوی

تجھ کو غافلِ فکرِ ثقیلی کچھ نہیں کھانا دھوکہ عیشِ دُنیا کچھ نہیں
 زندگی چنند روزہ کچھ نہیں کچھ نہیں اس کا بخور و سدا کچھ نہیں
 ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
 کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ہے یہ لطفِ عیشِ دُنیا چند روز ہے یہ دورِ جامِ دیش چند روز
 دارِ شانی میں ہے رہنا چند روز اب تو کر لے کارِ حقیقہ، چند روز
 ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
 کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

عشرتِ دُنیا کا فانی بیچ ہے پیشِ عیشِ جاودانی بیچ ہے
 منہ والی شادمانی بیچ ہے چند روزہ زندگانی بیچ ہے
 ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
 کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ہو رہی ہے عمرِ شل برفِ کم چپکے، چپکے، رفتہ، رفتہ، دم، دم
 مانس ہے اک رہبرِ ملکِ ہم دفتِ اک روز بجائے کاٹھم
 ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
 کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

سب یہاں سے تجھ کو جانا ایک دن قبر میں ہو گا ٹھکانا ایک دن
 منہ حُسنِ اکوٹ ہے دکھانا ایک دن اب ز غفلت میں گزونا ایک دن

نعمِ بیاہ تہ صراحیِ شراب کی تھٹھٹھنے والا گھر یعنی دُنیا ہے عیشِ آرام ہے بقا بذرِ تلہ ہمیشہ کا
 الہ غوثی تھ آہستہ آہستہ تلہ آخرت

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

سب کے سب ہیں تڑکے تڑکے غدار جا رہا ہے ہر کوئی کھٹے فنا

بہر رہی ہے ہر طرف بجھتے فنا آتی ہے ہر چیز سے بوئے فنا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

چند روزہ ہے یہ دنیسا کی بہار دل لگا اس سے نہ غافل از نیشدار

عمر اپنی یوں نہ غفلت میں گزار ! ہوشیار لے مو غفلت ہوشیار

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

آخرت کی فیکر کرنی ہے ضرور جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور

عمر یہ اک دن گذرنی ہے ضرور قبر میں نیست اُترنی ہے ضرور

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

آنے والی کسب سے طالی جائے گی جان ٹھہری جانے والی جائے گی

روح رگ رگ سے نکالی جائے گی تجھ پہ اک دن خاک اُلی جائے گی

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

لے چلنے والا مجھ علی ۵۰ ندی - ہرگز غفلت میں ڈوبا ہوا نہ

تو سن عمر رواں ہے تیشہ زو چھوڑ سب فکریں لگا مولیٰ سے تو
گندم از گندم بودید جوڑو از مکانات عمل غفل مشو
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

بزم عیش لم میں فنا کا دوس ہے جائے غیرت ہے مقام غم ہے
تو ہے غافل کیٹ یہ تیرا طو ہے بس کوئی دن زندگانی او ہے
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

سخت سخت امراض گو تو سہر گیا چارہ گر گو سخت جاں بھی بہر گیا
کیا ہوا کچھ دن جو زندہ رہ گیا اک جہاں سیل فنا میں بہر گیا
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

لاکھ ہو قبضہ میں تیرے شیم ذرہ لاکھ ہوں بالیں یہ تیرے چپا رہ کر
لاکھ تو قشحوں کے اندر چھپ مگر موت سے ہرگز نہیں کوئی مُغف
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

زور تیرا نہ اہل کام آئے گا اور نہ یہ طول اہل کام آئے گا
کچھ نہ بہت کام اہل کام آئے گا ہاں مگر اچھا عمل کام آئے گا

ستہ مردہ ہے گھڑا ہے گڈنے وال ہے تیرا دور نے والا ہے

تعلق و محبت ہے گیہوں ہونے سے گیہوں لگتا ہے جو بھٹنے سے ہو، یعنی جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے۔

بہن! یہ سب کچھ صرف اس لئے لکھا ہے کہ تم کو اس بات پر توجہ دے دو کہ موت ہر لمحہ آتی ہے۔

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

مُرکشی زیرِ فلکِ زیبا نہیں ! دیکھ ! بانا ہے تجھے زیرِ زمیں
جَبِ تجھے مرنا ہے اک دن بالیقین چوڑی فکر ایش و آں، کُفسِ کردیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

بہرِ غفلت یہ تیری ہستی نہیں دیکھ ! جنتِ پسِ قدسِ ہستی نہیں
رہِ گذرِ دنیا ہے یہ بستی نہیں جائے عیش و عشرتِ دُستی نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

عیشِ کرمِ اُفلا نہ تو آرام کر مالِ حاصل کر ز پیٹِ اناام کر
یادِ حقِ دنیا میں صبحِ شام کر جس نے آیا ہے تو وہ کام کر

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

مال و دولت کا بڑھانا ہے جُستِ زائد از حاجتِ کُنا ہے جُستِ
دل کا دنیا سے لگانا ہے جُستِ رہِ گذر کو گھر بنانا ہے جُستِ

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ہے آسمان کے نیچے یعنی دُنیا لہ اچھی ہے احوالِ دُمر کا فکر چھوڑا دو دیں کا فکر کر۔

۵۵ فضول

۵۵ راہِ و گذر گاہ

عیش و عشرت کئے لے لیاں نہیں یاد رکھ تو بس وہ ہے یہاں نہیں
غفلت وستی تجھے شایاں نہیں بندگی کر تو اگر ناداں نہیں !

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

حُسنِ ظاہر پر اگر تو جائے گا عالمِ فانی سے دھوکہ کھائے گا
یہ نقشِ سانسِ ہے دس جاہِ گار وہ نہ غافل یاد رکھ کچھ پئے گا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

دفن خود صد ہائے زیرِ زمیں ! پھر بھی مرنے کا نہیں حقِ یقین
بجھ سے بڑھ کر بھی غافل کوئی نہیں کچھ تو عبرت پچائیے نفسِ لعین

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یوں نہ اپنے آپ کو شبے کا رُکھ آخرت کے واسطے تیار رکھ
غیر حق سے قلبِ بے بزار رکھ موت کا ہر وقت استحضار رکھ

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تو سمجھ ہرگز نہ قاتلِ موت کو زندگی کا جانِ حاصلِ موت کو
رکھتے ہیں مجبوسِ قاتلِ موت کو یاد رکھ ہر وقت غافلِ موت کو

یہ مناسب نہیں ۔ یہ نقشِ دنگارِ الاسانِ یعنی دنیا کا عیش و آرام کچھ قابلِ لبت

کچھ دھیان

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تو ہے اس عبرت کہ میں بھی مگن گوشت یہ دارِ الحنّ بیستُ الحزن
عقل سے خارج ہے یہ تیرا چلن چھوڑ غفلت عاقبت اندیش بن

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یہ تیری خفست ہے بے عقل بڑی فکراتی ہے قصاصہ پہ کھڑی
موت کو پیش نظر رکھ ہر گھڑی ہمیش آنے کو ہے یہ منزل کڑی

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

گرتا ہے دنیا پہ تو پروانہ دار گو تجھے جلا پڑے انجیلِ کار
پھر دعاؤں سے کہ ہم میں ہوشیار کیا یہی ہے ہوشیاروں کا شعار

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

خفشتِ دنیا کا تو ہو پروانہ تو اور کڑے عقیقی کی کچھ پروانہ تو
کس قدر عقل سے بے بیگانہ تو اس پر نبت ہے بڑا فرزانہ تو

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

لے عبرت کی جگہ مراد دنیا سے مغتوں کی جگہ سے غم کا گھر سے انجام سوچنے والا۔

ہلکے طریق سے غم انوکھ سے غم غفلت

دَارِ دُنْيَا کی بجاوٹ پر نہ جا یحییٰوں سے اپنا اصلی گھر نہ بجا
پھر وہاں بس عین کی نہی بجا اِنَّهٗ قَدْ فَازَ فَوْزًا مِّنْ بِنَا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کج روؤں کی یہ چکات اور یہ ٹکٹ دیکھ کر ہرگز نہ رشتے سے بھٹک
ساتھ ان کا چھوڑ ہاتھ اپنا بھٹک بھول کر ہرگز نہ پاس ان کے بھٹک

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یہ تری مجذوب حالت اور یہ سست ہوش میں آ! اب نہیں غفلت کے دن
اب تو بس مرنے کے دن ہر وقت گن کس کمر درپیش ہے منزل کھٹن

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کر تو پیرشی میں نہ غفلت اختیار زندگی کا اب نہیں کچھ استہوار
خلق پر ہے موت کے خنجر کی دھار کر بس اب اپنے کو مردوں میں شمار

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

اے دو یقیناً کامیاب ہو گیا جس نے نجات حاصل کر لی۔ اے غلط راہ پر چلنے
والے مراد بے دین۔ اے عسے عسے آنے والی عہ بڑھاپا۔

ترکِ آبِ ساری فضولیتِ کمر
تو نہ ضائع اپنے تُو اوقتِ کمر
رہ نہ غافل یا درحیٰ دینِ راتِ کمر
ذکرِ منکر ہضمِ اللذاتِ کمر !
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کسے جو کرنا ہے آخر موت ہے

درسِ عبرت

جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو ٹوٹے مگر بچھ کو اندھا کیا رنگ و لہجہ
کبھی غور سے بھی یہ دیکھا ہے تو نے جو مٹوڑ تھے وہ مثلِ اب میں مٹوئے
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے
بے خاک میں اہلِ شاں کیسے کیسے میکس ہو گئے لامکاں کیسے کیسے
ہوئے نامور بے نشان کیسے کیسے زمیں کھا گئی نوہواں کیسے کیسے
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے
زمیں کے چھوٹے لوگ پیوند کیا کیا لکڑی و حضورِ دُند اور کسٹ کیا
دکھائے گا تو زور چنڈ کسٹ کیا اُجھل نے پچھائے تھو منڈ کسٹ کیا
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

بقیہ لذتوں کو مٹانے والی یعنی موت ۔
لعل آباد لعل دیوان لعل بادشاہ لعل طاقتور

اُجھلنے نہ کسریٰ ہی چھوڑا نہ دُارا اسی سے مکندر سا فاتح بھی ہارا
ہر اک بے کے کیا کیا حسرت بتا دیا پڑا وہ گیسٹ سب یہی ٹھاٹھ سارا
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے

یہ عبرت کی جائے تماشہ نہیں ہے

یہاں ہر خوشی ہے بُدلتی ہر غم جہاں شادیاں تھیں وہیں لب ہیں ماتم
یہ سب ہر طرف افسانہ ثابت ملے تری ذات ہی میں تغیر میں ہٹ دم
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے

یہ عبرت کی جائے تماشہ نہیں ہے

تجھے پہلے بچپن نے برسوں بھلایا جوانی نے پھر تجھ کو محبتوں بنایا
بڑھاپے نے پھر آکے کیا کیا ستایا اُجھل تیرا کر دے گی ہالکے مسخارا !
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے

یہ عبرت کی جائے تماشہ نہیں ہے

یہی تجھ کو دھن ہے ترہوں سے بالا ہوزنیت زالی ہو فیشن زالا !
جیا کرتا ہے کیا یونہی مرنے والا سیکھے حسنِ ظاہر نے دھوکے میں ڈالا
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے

یہ عبرت کی جائے تماشہ نہیں ہے

وہ شہتِ عیش و عشرت کا کوئی محل بھی جہاں تاک میں کھڑی ہو اُجھل بھی
بس اب اپنے اس جہل سے توکل بھی یہ طرزِ معیشت اب سنا بدل بھی
جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے

یہ عبرت کی جائے تماشہ نہیں ہے

ہے مرثیہ - لے تبدیل ہو نوالی -
لے تبدیلیاں لے دیوانہ لے جگہ ہے زندگی کا طریقہ -

یہ دُنیا نے فانی ہے مجھ کو بھوکا ہوا کیا چیز مرغوب تھی کو
 نہیں عقل اتنی بھی مجھ کو بھوکا نہیں تھی کو
 جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
 یہ عبرت کی جائے تماشہ نہیں ہے

بڑھاپے سے پا کر پیام تھک بھی نہ چوٹکا نہ چیتا نہ سنبھلا ذرا بھی
 کوئی تیری غفلت کی ہے انتہا بھی جنوں تاج کے ہر شس میں اپنے آ بھی
 جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
 یہ عبرت کی جائے تماشہ نہیں ہے

نہ دلدادہ شعر گوئی رہے گا نہ گرویدہ دستِ ہرہ جوئی نہ گے گا
 نہ کوئی زبا نہ کوئی رہے گا نہ گے گا تر ذکرِ نکوئی نہ گے گا
 جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
 یہ عبرت کی جائے تماشہ نہیں ہے

جب اس بزم سے اٹھ گئے دوست اچھے اور اٹھتے چلے جا رہے ہیں برابر
 یہ ہر وقت کیش نظر جب ہے نظر یہاں پر ترادل بہلتا ہے کیونکر
 جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
 یہ عبرت کی جائے تماشہ نہیں ہے

جہاں میں کہیں شورِ ماتم بپا ہے کہیں نکر وفاق سے آہ و بکا ہے
 کہیں شکوہ اور دُکھ و دعا ہے غرض ہر طرف سے یہی بس صدا ہے
 تعویذ کی جگہ پسندیدہ موت کا پیغام ملے دیوانی کب تک ہنسنے عاشق کے شکر کناہ شہرت
 طلب کرنا ہے اچھا ذکر۔ مجھے محفل یعنی دُنیا ہے بندھے ظلم۔

جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جاہے تماشا نہیں ہے

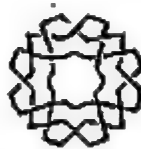
نکل بونس اس طرح سے رِغبت دیتی تھی مجھے
خوب ملک روکس ہے اور کیا زمین ٹوکس ہے

گرمینر ہو تو کٹا عشرت سے بسر بھیجے زندگی
راش طرف آوازِ طبل، اُدھر صدائے کوکس ہے

مُنستے ہی عبرت یہ بولی اک تماشے میں مجھے
چل دکھاؤں تو توقیدِ آرزو کا محسوس ہے

مے رگتی یکبارگی گورِ عنایاں کی طرف
جس جگہ جان تمنا سو طرح مایوس ہے

مرقسدیں دو تین دکھلا کر لگی ٹپکنے مجھے
یہ شکندر ہے، یہ دارا ہے، یہ کیکاؤس ہے



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مسلمانوں کو اب جنگِ اُنیسی کی تیاری
اشعر اسے نیند کے، تو سنو پیغامِ بیداری

پیغامِ بیداری

ترغیب اتحاد و عملِ جنگِ اُنیسی ^{مشعل} برائے تحفظ حقوقِ دینی

حافظِ عصرِ خضرۂ خواجہ عزیز الحسن ^{معتمد} مجذوبِ حرمتِ شہید علیہ

فیضانِ مجاز

حکیمُ الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ^{رحمۃ اللہ علیہ}

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُكَ يَا وَفَّالًا عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ

تمہیں گھیرے ہیں دشمن مسلح ہتھیار ہو جاؤ : رہو بس اب غافل مستعد کار ہو جاؤ
پئے ناموس ہیں سب مقتدر اک بار ہو جاؤ : نہ ہو دنیا میں جس کی وصالۃ تلوار ہو جاؤ
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ ۔

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
مستلیم خم پیش خدائے پاک و برتر ہو ۔ نظر حق پر ہو لب پر نعرۃ اللہ اکبر ہو
بڑھو وہ تیغ بڑاں بن کے ایماں جس کا جو ہو : کہ حسبِ عدہ قبضہ میں تمہارے بحر ہو بر ہو
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
بتوں کے مل نہیں سکتی ماں بے جنگ آئینی وفا کی بو نہیں ان میں بے رنگی ہی رنگین
بلا ہے تہرے آفت ہے ان کے دل کی سنگینی یہ ہیں کتر عدوئے دنیوی دشمن دینی
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
نہ ہرگز ان پر غالب کسب الہ جاہ سے ہو گے نہ جبکہ حملہ آوران پر دینی راہ سے ہو گے
نہ ہرگز کامراں سچی گرد بیگاہ سے ہو گے نہ جبکہ مل کے سب بستیہ جل شدہ سے ہو گے
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
تمہارا وہ گزشتہ کرو فراموش یوں ہو گا تمہارا یوں ہرگز راست بُنتِ اژدہا گوں ہو گا

تمہارا یونہی ہرگز ٹھیک یہ حال نہوں ہوگا تمہارا درد دنیاوی ملازموں سے فزوں ہوگا

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بڑے سفاک ہیں یہ بُت اپنا گو ہے دین کا بڑے خونی ہیں یہ ہر فرد ہے شہر عیس ان کا

بس اب تیرے حکم خارج ہو گیا ہے بغض و کین ان کا تمہیں کھائیں گے پچاس جو چل جائے کریں ان کا

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

سمجھ لینا محبت کو نہ تم اپنا کہیں دل میں بظاہر دوست ہیں اور دشمن دنیاوی دلیں

پیام صلح لب پر ہے بھرا ہے بغض و کین دلیں تمہاری اب گنجائش ذرا کتنے نہیں دل میں

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جو ملتا چاہتے ہیں بُت یہ انکی چالبازی ہے بڑیم اکثریت تم سے بالکل بے نیازی ہے

پتے مسرگشی میٹھی ٹھہری مسرگوازی ہے بظاہر چارہ سازی ہے باطن فتنہ سازی ہے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہارے دشمن جانی ہیں گو کہنے کو بھائی ہیں زبان کے یہ سیما ہیں مسلم کے یہ قسائی ہیں

ملاؤں انکی تحریروں سے کیا کیا تم یہ آئی ہیں سیما ہی سے لہو کی تہیاں گویا بھائی ہیں

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جو حوی چاہے کریں یہ بت کہ میں لیل نہاؤں گے بھرے ہیں عمکوں اور دفتروں میں اہل کارانگے

عمل کچھ درست کچھ درہیں قول و قرار ان کے بڑے جھوٹے ہیں کہے ہیں آنا زینہ رانگے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہارے گھر میں چور کی لگائی ہے نقب جاگو
تمہاری یہ جیب جاتے ہیں مال اسباب سب جاگو
پڑے ہو اب بھی غافل کہ ہے ہر کیا غضب جاگو
بہت سستے بہت سستے بس اب جاگو بس جاگو

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بجھتے ہی رہو تم ہند میں شریکت میاں اپنی
بنا بیٹھے ہیں بگل سکوتان مہربان اپنی
یہ اگے کر چکے ہیں سب کی سب چیزیں کل اپنی
شعار مذہبی اپنے لباس اپنا زبان اپنی

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

کبھی وہ وقت بھی تھا جس کا سارا دیا اپنا
کسی شے پر لگ جاتی نہیں اب اختیار اپنا
یہ اب غیر دل کا ہے بالکل کہیں لگاؤ نہ رہا اپنا
سزا کسی ہے کیوں چھوڑا وہ اسلامی شعار اپنا

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بس اب کھڑے گا ندھی کیسے چلے ہو صوفی ہے
مقدس وضع اسلامی پڑی جو سے میں روتی ہے
توں کو ماننے بھگ بھگتے اب مذہب تو ہوتی ہے
یہی خصلت غلامی کی تو قوموں کو قبولی ہے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہارا ہر نئے دور حکومت میں بدل جانا
نمونہ ہو کے بھی ہر قوم کے سانچے میں ڈھل جانا
رہ حق میں تیرے حسن ظاہر پر پھسل جانا
جدھر چلنا مدد و شریعت سے باہر نکل جانا

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نصرت مسلمان نہ سیرت ہے مسلمان
بھلا اس حال میں پھر کیا تو تم پر فضل یزدانی
ہے ناکام گوتم کو چکے ہر سچی امکانی
مسلمان بن گئے کھوکھراں پھر ہو باسانی

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

وہ اداری تو ہو لیکن نہ اتنی بھی رواداری - کہ خاطر سے تنوں کی اپنے دلوں پر پھیر داری
نہیں کچھ دور اندیشی خرابی اسکی ہے ساری
نرا نہ بھولے بن کتاب نہیں لازم ہے ہشیاری

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تو کس یوں کبھی جہاد بگاڑ گز نہ ہم ہوں گے
نہ جنگ تہمت ہونگے نہ جہاد منتظر ہوں گے
ہو ایسا تو ذرا سرنوگل سائے صنم ہوں گے
وہ گو کہتے ہی اند اور ہم کہتے ہی کہ ہوں گے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

صحابہ کے طریقہ پر جو ہم ثابت قدم ہوں گے
تو بے جاہ و چشم ہی صاحب جاہ و چشم ہوں گے
پچھلے حالوں میں بھی اس درجہ پھر رعب ہم ہوں گے
کہ جتنے بھی کرکشی بت ہیں سران سب کے خم ہوں گے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہاری آہ میں ہر قوم کانٹے اتارے لیتی ہے
کبھی غافل اسکی بھی تم کو فکرم ہوتی ہے
تمہاری غفلت مستی پہ خود عبرت بھی دیتی ہے
کبھی بیدار ہیں اک قوم مسلم ہے کہ سوتی ہے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تو کائنات پہلے آرزو بس وال روٹی ہے
یہاں مد نظر حق ہے نہ روٹی ہے نہ بوٹی ہے

ہمارا میل کیا اس قوم سے یہ قوم کھوٹی ہے کد سب کس کا چوٹی ہے تمدن اک لٹکھوٹی ہے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بتوں کا ہمنوا ہو کر عبث فریاد کرنا ہے جو ٹھہرے بھی تو پیران کا نفس آباد کرنا ہے

انہیں تو صرف اپنی قوم کو آواز کرنا ہے پھر آزادگی تم کو ہر طرح برباد کرنا ہے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

ہزار لازم جبر ہوں صیت از لندن پر ہزاروں مفاد داغ مکے روئے دشمن پر

مکھاسکوت ہے پھر ترجیح اُس صیاد پر فن پر ٹھہری بھی پھیرے جو پچانے کی بد گون پر

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

کریں یہ بُت تمہاری لاکھ گواہ میں لداری نہ آنا انکے دھوکے میں سمجھنا اُسکو مکاری سے

یہ بُت ہیں انکی ملداری بھی آواز و عیتاری کریں پھر جفاکاری سنگاری دل آزاری

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

کبھی ان بے فناؤں کے نہ امید و فار کھو ہٹوان مطلبی یا رقص اپنے کو جدا رکھو

نہ ہونگے یہ تمہارے تم کیلئے بھی جولا رکھو الگ اپنی جماعت تم تو کل برفدا رکھو

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نہ ہونگی سارے عالم میں کوئی عیار قوم ایسی نہ پاؤ گے کہیں ٹکس کش و نہ دار قوم ایسی

جی ہے اب حکومت کی حکمراں قوم ایسی غصبت تم پر عالم ہو ذلیل و خوار قوم ایسی

مسلمانو! اٹھو! بہر عمل تیار ہو جاؤ
نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

ستم یہ ان تباہ سنگدل کی مہربانی ہے اہو ہے یہ جو صورت میں شراب ارغوانی ہے
تہا کے بیٹھنے کی انہوں نے دل میں ٹھانی ہے تبستم انکار لگیں پردہ بغض نہانی ہے
مسلمانو! اٹھو! بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
حقوق اس طرح ان کم جوصلوں کے تم نہ پاؤ گے دباتے ہی چلتے جاؤ گے جتنے دبتے جاؤ گے
اگر سب متحد ہو کر تم قوت بڑھاؤ گے غلام انکے بنو گے جوتیاں ان کی اٹھاؤ گے
مسلمانو! اٹھو! بہر عمل تیار ہو جاؤ۔

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
زبردستوں کے قبضہ کر لیا ہے سب شستوں پر ستم کیا نہ ڈھلے جائیں گے اب فرستوں پر
ضعیفوں کا چلے کیا زور ان قوت کی مستوں پر یہ رہن بجے آ بیٹھے ہیں بہوئی کے رستوں پر
مسلمانو! اٹھو! بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
اب اسلامی شعائر پر تہوں کی گولہ باری ہے بلا سے فوج ہوں مسلم انھیں تو گنائے پیاری ہے
اگر ملاؤ اس دیشے تو فوراً فوج واری ہے مگر اکل نذر گھنٹہ بچانے میں بھاری ہے
مسلمانو! اٹھو! بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
یہ روز افزوں تہا سے دلچے ایذا صنم ہو گئے ابھی کیا ہے ابھی تو دیکھنا کیا کیا ستم ہو گئے
جو اہل حق ہیں انکے حق میں یہ تیغ دو دم ہو گئے وہ ہر دم انکے زیرِ شقِ شمشیر دستِ سلم ہو گئے

مسلمانو! اٹھو! بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

مسلم بھرم حق پرستی کو تسلیم ہوں گے مگر جو کچھ بھی ہو پیشِ بتاں ہرگز نہ خم ہوں گے
نہ کبتِ ظلم ہاں دیکھیں یہ ظالم منہم ہوں گے رہیں پسند سپر ہم بھی تو پھر تلکے تم ہوں گے

مسلمانو! اٹھو! بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بتوں نے تو حکومتِ پاک سب کو تنگ کر ڈالا کہ سارے ہند کو اک غمگاہِ جنگ کر ڈالا
نقصِ بے دلوں کو ان سے باطل بنائے ڈالا لہو کو اپنی ہولی کا انہوں نے رنگ کر ڈالا

مسلمانو! اٹھو! بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بتاںِ سادہ رو دیکھو تو کتنے کینہ ورنکے بڑے ہی سنگدل نکلے بڑے ہی فتنہ گر نکلے
بہ قصدِ خونِ ناحق لے کے یہ تیغ و تبر نکلے سمجھ لو بس اب یہ ختم ہیں جیوٹی کے پرنکے

مسلمانو! اٹھو! بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بتوں کی بن پرستی سب مرادیں اپنی پالی ہیں بھر گئیں ان کا من اور تہا سے بانٹنے خالی ہیں
اگر کچھ دین ہی جو نیا ہیں ایامِ وصالی ہیں تمہاری مذہبی آزادیاں سب چھیننے والی ہیں

مسلمانو! اٹھو! بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

اُدھر اغیار ہیں خوشیاں ہیں اور محنت کا عالم ہے اُدھر ہم ہیں لی پر دنا غتے اور ختم پر خم ہے
بہت علم ہیں مگر سب بڑا علم ہے تو یہ علم ہے جو ہر سجدہ حق تھا وہ سر پیشِ بتاں خم ہے

مسلمانو! اٹھو! بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
تمہاری جو عزت تھی وہ بربت ہو آج لے بیٹھے
کوئی حق کل تمہارا اور کوئی حق آج لے بیٹھے
تمہارا تخت لے بیٹھے تمہارا تان لے بیٹھے
تمہارا دین جو تھا باعث معراج لے بیٹھے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بتوں نے ہند میں قائم کیا ہے رسم سن اپنا
کریں گے حصول اللہ لوں سے خراج اپنا
سمجھ لو کہ مذہب سخت خطرے میں ہے آج اپنا
کرو اسکی حفاظت چہر کر سب کام کاچ اپنا

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بڑھائے جا رہے ہیں بہت قدم آہستہ آہستہ
ترقی کو رہے ہیں دم بدم آہستہ آہستہ
بڑھا انکا ختم انکا قدم آہستہ آہستہ
کیا تو انہوں نے کالعدم آہستہ آہستہ

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

گھلے گا ان بتوں کا سب بجز آہستہ آہستہ
ستم و جہاں بیگا یہ انکا کرم آہستہ آہستہ
مٹا دیں گے یہ قوم کو اللہ بزم آہستہ آہستہ
بنے گا ان کا گل ہند آہستہ آہستہ

مسلمانو! اٹھو بہر غفلت تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہیں دینگے یہ بہت رنج و الم آہستہ آہستہ
جی بھی کہنا نہ بھولیں حیل آہستہ آہستہ
یہ لے بیٹھے ہیں کرسی اور سلم آہستہ آہستہ
بلند انکا ہوا ہر سو علم آہستہ آہستہ

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

یہ پر پرنے نکالیں گے صنم آہستہ آہستہ
دکھا دیں گے تہیٰ کھوں ہم آہستہ آہستہ
کریں گے دق یہ فو مشق ستم آہستہ آہستہ
تہا راناک میں کریں گے دم آہستہ آہستہ
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
یڈالیں گے کچھ ایسے بیچ و حسم آہستہ آہستہ
کہ ہو گے ان کے عید بے درم آہستہ آہستہ
یہ دیں گے ایسے ایسے تم کو دم آہستہ آہستہ
کہ پھر لالو گے خود تیغ ستم آہستہ آہستہ
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
بتوں سے میل کا پھیلے گا ستم آہستہ آہستہ
کریں گے تعلق حق سے کم آہستہ آہستہ
کریں گے دل میں گہرا پنا صنم آہستہ آہستہ
کریں گے یہ سر سجدے میں خم آہستہ آہستہ
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
بڑھلے جاؤ تم اپنے قدم آہستہ آہستہ
تو اپنی چوڑی بھولیں صنم آہستہ آہستہ
کرو یہ پچھا جو تم ہو کر بہم آہستہ آہستہ
رخ ان کا پھیر دو سوئے عدم آہستہ آہستہ
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
بنے ہیں شہ غلام ابن غلام آہستہ آہستہ
نہو کیوں مر ہم و بر ہم نظام آہستہ آہستہ
بیان سے ہوئے نئے تمام آہستہ آہستہ
اٹھیں میڈے اٹھیں کا ظلم عام آہستہ آہستہ
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
تسلط ہو رہا ہے ان کا عام آہستہ آہستہ
یہ اپنا کر رہے ہیں ہر مقام آہستہ آہستہ

جو کی تھنہ نہ اچھی روک تھام آہستہ آہستہ
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
بڑھے نود و نین شاد کام آہستہ آہستہ
تو سب اڑ جائے اٹکانگ خام آہستہ آہستہ
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
جو تہ ہر فتح سے جو کام آہستہ آہستہ
کو دے سب منازل سب مقام آہستہ آہستہ
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
توں کی تیغ ہوگی بے نیام آہستہ آہستہ
یہ اس کا کر ہے ہیں انتظام آہستہ آہستہ
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
ہتھان شورش ہیں گرم خزام آہستہ آہستہ
نہ کی تم نے جوان کی روک تھام آہستہ آہستہ
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
بنالیں گے تمہیں یہ بُت غلام آہستہ آہستہ
یہ کر لیں گے تمہیں اس درجہ رام آہستہ آہستہ
دکھا کر دانہ لینے کے زیر دام آہستہ آہستہ

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نگاہ کچھ اوردیتی ہے پیام آہستہ آہستہ کہ زہر گلین گئی شیریں کلام آہستہ آہستہ

غلط نکلیں یہ دھڑکتے تمام آہستہ آہستہ زبان اک ہو گئی تیغ بے نیام آہستہ آہستہ

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نہ دو وکیل انکو ہاں کھینچو نگام آہستہ آہستہ بہت یہ ہو گئے ہیں تیز گام آہستہ آہستہ

کیا ان بد رنگوں کو نہ رام آہستہ آہستہ تو روندے جائیں گے مسلم تمام آہستہ آہستہ

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

یہ ہو جائیں گے خوشخوار نام آہستہ آہستہ بھرینگے ہوس کا اپنے جام آہستہ آہستہ

تمہارا خون پی لیں گے تمام آہستہ آہستہ یہ چھوڑیں گے نہ قطرہ تشنگام آہستہ آہستہ

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بہت خوش خلق بھی آخر سر با بعض وکیل نکلا بظاہر نرم خو جو تھا وہ مارا ستیں نکلا

بتوں میں کا بس یہ نتیجہ ہم نشیں نکلا ادھر دنیا نہ ہاتھ آئی ادھر اچھوٹیں دیں نکلا

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

رہو گے تاجے غافل کرو ہاں کچھ خیال تھے عدو ملک تو ہیں کہ سننا ٹھے ہیں پانمال اتھے

سبھ تو تم کہ موت اور زندگی کا ہے سوال تھے خدا کے واسطے ڈالو نظر سوئے مال اب تو

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
 کہ بس صورت تم دنیا میں اوراق پریشان تھے
 بہت کم تھے مگر سب کج بہت کج یہ کجاں تھے
 گردن پر کشنا کس اور شاہ شاہان تھے
 زن خانہ نشین اب بن گئے یا مریداں تھے
 مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
 کبھی ناکامیوں میں بھی تم ناکام رہتے تھے
 بڑا آغاز ہوتا پھر بھی نیک انجام رہتے تھے
 کسکی جو نسبت دہ تمہارے رام رہتے تھے
 دلیران جہاں سب لرزہ بر اندام رہتے تھے
 مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
 تمہیں وہ تھے کہ مشہور جہاں فخر زمانہ تھے
 وہ رتبہ تھا زمین پر رکھ کے بھی عرش اشیانہ تھے
 تمہارے رنگ و منگ اٹھو سب کو صوفیانہ تھے
 طمع اور دل مزاج اور حوصلے لیکن شہزادہ تھے
 مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
 تمہیں اب ہو کر سوائے جہاں نگ زمانہ ہو
 ہر اک ذلت کے مورد ہر مذمت کے نشانہ ہو
 کبھی حاجت تھے سائل اٹھانے بھناہ ہو
 بنو مسلم تو اب بھی درخور تاج شہانہ ہو
 مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
 جواب بھی نہیٰ الیال پھر تمہارا حال ہو جائے
 تو حاصل پھر تمہیں اپنا وہی اقبال ہو جائے
 تمہیں جو مینا چاہے وہ خود پامال ہو جائے
 ابھی سب فتنہ پردازوں کا ایتھصال ہو جائے
 مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

یہ مانا دشمنوں کی سب تمہیں آتی نہیں گھاتیں بڑھونا نام خدا سے کہ یہ چھوڑ دیا س کی باتیں
ذرا صحت کرو تو پھر وہی دن ہیں مئی اتیں میطیع حق بنو قدرت کی پھر دیکھو کراماتیں
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
ادھر ہرگز دم میں مرد ہو مخلص ہو غازی ہو اُدھر حسنِ عمل ہو اتفاق ہو پاکبازی ہو
تو پھر حاصل تمہیں دونوں جہاں کی فخر زنی ہو نہ کوئی کارگر تم پر نبیوں کی فتنہ سازی ہو
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
تمہارے عمل جب لگے خیر الائم ہو گا تمہارے قلب کا جب یہ صنم خانہ حب ہو گا
تمہارے ہاتھ میں جب بن جائے علم ہو گا جبھی پرچم کے نیچے پھر عرب ہو گا عجم ہو گا
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
تم اپنے کو سپرِ حق بل صدقِ دل اگر کر دو تو ہو جائے ستر جس کسی پر تم غلبہ کر دو
بڑھونا نام خدا سے کہ تو یکساں بھر دو کر دو صحابہ کی طرح عالم کو پھر نہ یہ دہر کر دو
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
جو رہنا ہے تو دنیا میں رہو تم اسماء ہو کر رہو مثل نہیں کیوں پامال دشمنان ہو کر
رہے ہو تم ہمیشہ سے جہاں میں حکمران ہو کر میطیع اہل باطل کیوں نبوابِ ناتواں ہو کر
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
تم اب بھی سب پر بھاری ہو ذرا تنظیم اگر کر لو وہ قوت حق نے دی ہے ایک سرور تو تو سر لو

دلوں کو بغض سے خالی کرو اخلاص سے بھر لو۔ نہ خود رانی کرو ہر امر میں تم حکم رہبر لو

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

وہو گئے تاجکے یوں منتشر سب ایک ہو جاؤ قہار ایک معبود ایک کرب ایک ہو جاؤ

بہت دن لڑ چکے سب کھمچکے اب ایک ہو جاؤ کرو کوشش کسی صورت کسی ڈھب ایک ہو جاؤ

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

ابھی اے مسلمانو! اختلافوں کا زمانہ ہے خبر بھی ہے قہار سے پہلے ابدار زمانہ ہے

ذرا دیکھو تو تم! کیا وقت! کیسا زمانہ ہے قہار ہی خانہ جنگی پر ابھی ہنستا زمانہ ہے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بس اب مل کر ہو آپس کی تم نہ رو دو کد چھوڑو یہی تو باعث اذہار ہے یہ خونے بد چھوڑو

بہم سب متفق ہو جاؤ اور بغض جمع چھوڑو شریعت پر ہوا بات قدم اپنی نہ حد چھوڑو

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جو مسلم صاحبِ لبس ہو ناچاہیے تم کو! نہ باہم درپے آزار ہو ناچاہیے تم کو!

اگر تلوے لٹکار ہو ناچاہیے تم کو! انھیں سے برسرِ پیکار ہو ناچاہیے تم کو!

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

قیامت کے وقت معرکہ آپس میں ہٹ جاؤ فطرتی بات میں اپنی جماعت ہی ہٹ جاؤ

لکھے ہو کئے در صف باندھ کر میدان میں ٹٹ جاؤ نہ ہرگز پھر ہٹو کر نہ گوسارے ہی کٹ جاؤ

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جہاد کی حالت میں سوار ہو گے کروگو لاکھ تندرست بیٹے بہتے باؤں کے
گم ہوں گا یہ جب بارگزار اپنا آواز دے گی بھی قمرِ مذلت تم اپنا سر اُجھاڑ گے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہاری قوم کی آہ بے بنیادیں دین و سماں پر تمہاری زندگی موقوف ہے تفصیل قرآن پر
تمہاری فتنہ بازی مٹے رہے مثلِ یزداں پر نہ قوت پر نہ کثرت پر نہ شوکت پر نہ سماں پر

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

غصیب سے گو غلامانِ شہر و دیہات ہو مگر پھر بھی مطلعِ مردمانِ نامہ لڑا تم ہو
غلامِ کبر میں نا کس بنے سوچو تو کیسا تم ہو غلامانِ خدمتِ مالکِ ارض و سماں تم ہو

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہاری غافلگی کچھ لڑنا بھی ہے یاد اپنا وہ ذوقِ دین و جوشِ مذہب و شوقِ جہاد اپنا
وہ ارشادِ مخلصِ باہمی وہ اتحاد اپنا وہ ایک عالمِ الیاں اپنی وہ حسنِ اعتقاد اپنا

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہیں وہ تھے جنہوں نے خون کے دریا بہا ڈالے جہاں پہنچے قدمِ تمہارا بل سب ڈالے
جو لوہے کے چنے بھی سمنے دنیا نے او ڈالے تو وہ بھی بتِ تکلف مثلِ پستوں کے چبا ڈالے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

ہو حضوروں کا بھی اعذار کبھی دیا چار ہو جانا ہزاروں کے مقابل برسرِ یکار ہو جانا
جو صف بندی لڑنا آجی دیوار ہو جانا قیامت تک تمہارا اب حال زار ہو جانا
مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
تمہارا ہر ضعیف و ناتواں سہرا بے رستم تھا بچھاڑے کیسے کیسے پلٹیں کیا تم میں دم خرم تھا
تمہارے ہر گد کے سامنے شاہوں کا خرم تھا ہر اک بگربہ و درجاہ بجا شیر و ضیفم تھا
مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
جو سب پر چھا گیا تھا وہ تمہارا ہی نو پرچم تھا عقبن وہ تھے کہ جن کا غلط نامہ عرشِ اعظم تھا
خبر بھی ہے تمہارا کس زمانے میں یہ عالم تھا تمہارا جگہ دستورِ اعلیٰ قرآنِ حکم تھا
مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
تمہیں تو فاتحِ ایرانِ روم و شام و خیمہ برتے تمہارے جو صلے کتنے بلند اللہ اکبر تھے
تمہیں میں تو صدیق و عمر و عثمان و حیدر تھے متعلقہ اہلِ باطل کے ہو یا عالم کے رہے تھے
مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
کھڑے ہیں چار سو غم کے اعذار دیں دیکھو انھوں نے اہلِ دین پر تلگ کر دی ہے رہیں چھو
یہ کرنے اُنھے میں شاہوں کو بھی زیر لگیں دیکھو بلند اب ہمتیں کس رجائ کی ہو گئیں دیکھو
مسلمانو! اٹھو بہرِ عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

ان اعدا سے تمہارا حیف یوں محسوس ہو جانا کرو جنت تو کیا مشکل ہے ان کا دُور ہو جانا
تمہاری شان کے نمایاں نہیں مجبور ہو جانا یہ گویا مہر کا ذوق ہے مستور ہو جانا
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
جو چڑھائے ہیں تم پر تم بھی ان پر بولی دودھ دادا کرو محبت نہیں تو بعد کو پھر ہو گا پھٹا دوا
تم اُن کا خود انھیں نہ فہمیں سیو دے کہ اُن کا دوا نہ چھو و جز فنا اُن کا کوئی بلحا کوئی ماؤ سے
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
نہ یوں میں بتاؤ ظالم و بے پیر سے ہو گے نہ یوں ماموں اُنکے مکہ اور تزدیر سے ہنگامے
نہ یوں غالب ان اہل زور پر تدبیر سے ہو گے اگر ہو گے تو ہاں مثل سلف شمشیر سے ہو گے
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
وہ آپہنچیں تو پھر میدان میں تم بھی اُتر لینا ذرا بھی اُن کی کثرت کا نہ تم دل پر اثر لینا
طرہیں آگے تو رعبہ کر اُن کو تم نہروں چھ لینا بلالہ اس صحر کو پھر لاشوں سے بھر لینا
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
جو یو ریش کر کے تم پراتے ہیں اغیار اُنے دو ہولاتے ہیں اُنہ اپنا شکر جزا لانے دو
جو بعض اہل حق میں کھاتے ہیں وہ خار کھانے دو فرشتوں کی طرف سے پاتے ہیں پھٹکار پانے دو
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
یہ بزدل اتے ہیں چڑھ چڑھ کے اب تم سے لیرنگ یہ گیدڑ بھکیاں کچھ تو انکی تم سے شیریں پر

گرج کرتے ہو اٹھو یہ نظر آئیں منڈیروں پر ابھی آ جاؤ غالب ان حکومت کے گھیر میں پڑے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نہ کب نامور یا بوسے کفار تم ہو گے اب اسکی بھی زیادہ کیا ذلیل و خوار تم ہو گے

کوئی حد بھی کہاں تک غور گزار تم ہو گے اب اٹھو تو پھر کب پر سر رو کیا تم ہو گے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تباہی میں تمہاری گئی ہے کیا کسے باقی نذر و دین و دل باقی نہ جاہ و ملک نہ باقی

نہ تاج اب کمانہ ٹوٹی وہ گلیا ہے سر ہی سر باقی کو تو رہا نیاں دنیا میں رہنا ہے اگر باقی

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جو مل کر ان پر تم چھو تو بس کافی سی پٹ جائے جو حال آئی تھی دیوار بھی ہو وہ بھی تھوٹ جائے

فلک نعولے گا کچھ اٹھے زمین لا شوق سے پٹ جائے پھلا آتا ہے جھڑکے جھگڑا وہ نیٹ جائے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

نہ جھگڑاں قدم میدان میں بے خوف و خطر رکھو آتھیلی پر پے نہ لاندہ حق اپنا سر رکھو

نگاہ کیوں پائی سونے قبت تیغ و سپر رکھو تم اپنے خاص مطلق کی قدرت پر نظر رکھو

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

یہ بے سامانیاں کیوں جن تمہیں جو پریشانی نہ ہو بدوقی انگیزی نہ ہو تیغ صفا مافی

مسلمانوں کی وجہ بے بسی نہ اسلمانی صفا کا سا بیدار دل میں کر لو جوش ایانی

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تم مرنے سے ڈرو مومن بھلا کب مرنے والا ہے فلک الزام تم پر نہ دلی کا دھرنے والا ہے
جو مسلم ہے کہیں وہ خوفِ عذر کر نیا والا ہے خدا سے ڈر نیا والا بھی کسی سے ڈر نیا والا ہے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

فرم ہمت بنو تم اپنی ماضی پر نظر ڈالو کئے تھے تم نے جو کار نمایاں پھر وہ کر ڈالو
دل اپنا جانبِ حق پھر کر سب سے میں ٹھٹھالو اس اپنے نعرۃ الشکر میں اثر ڈالو

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

خدا سوچو کہ تم پہلے تو کیا تھے ان اب کیا ہو کرو کچھ شرم تم خیر البشر کے نام بس و ابو
یہ بد اعمالیاں چھوڑ دو اگر فتح و قلعہ چاہو خدا کے تم ہو پہلے خدا ہی پھر تمھارا ابو

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بس اب تو نیندہ حق اور مسلم نام کے ہیں مطیعِ نفس و شیطان بندہ دینار و درہم ہیں
کبھی تم فخرِ نام تھے مگر اب ننگِ عالم ہیں کبھی ہم مہرِ تاباں تھے اور اب دروں کے غمی نام ہیں

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

زمانہ بھر کو تہذیب و شرافت تم نے کھلائی ہر اچھا فعل اور ہر نیک عادت تم نے کھلائی
خدا کے پاک کی سچی بسادت تم نے کھلائی جہاں سے حکمرانوں کو سیاست تم نے کھلائی

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

تمہاری بات سچی اور سچی تمہارا ظرف تھا عالی تمہاری وہ ادائیں تھیں کہ ان کی یہ سچی متوالی
تمہاری قوم نے کیا کج عالم کی بدل ڈالی وہی تم ہو کہ سب اوصاف سے اب ہو گئی خالی

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بدلتا چاہیے اب جلد یہ طرز عمل تم کو نہیں بے موت آجائے بس اک دن اجل تم کو
سنائے دیتے ہیں یہ ہم آوازِ دہل شکو کہ پھر موقع شکایت کا تو ہم سے ہونہ کل تم کو

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

جو ہر مسلم حقیقی خدا و مہ اسلام بن جائے اور اس خدمت کا اک پورا نظام عام بن جائے
تو پھر کیا ہے بعون اللہ سارا کام بن جائے تمہارا ہر بُت مغرورِ مکشِ رام بن جائے

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

خدا ہی مدد چاہو کہ تیکہ نہ غیروں پر ہو تم مسلم نظر ڈالو کہ گروں پر نہ دیروں پر
کھڑا ہونا تمہیں اب چاہیے اپنے ہی پیروں پر غضب کی نیند سے چونکنا تم اعداء کے فیروں پر

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

اُتر دیکھا جو تم نے نیند میں کوٹ ڈرا بدلی نظر آنے لگی کیفیت ارض و سما بدلی
ذرا تم نے جو آپس میں تو دنیا کی ہوا بدلی ذرا تم نے دعائیں کیں تو عالم کی فضا بدلی

مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

ابھی تو منہ سے چونکے ہو پوسے بھی نہیں جاگے کہ جگہ طرح گئی اعداد دیں میں دیکھ لو بھاگے
مگر منزل کہاں منزل ابھی تو ہے بہت آگے کہ دشمن مجتمع ہیں اور تم ہو منتشر تاگے
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
ابھی کیا ہے ابھی کتنا بہت کچھ کام باقی ہے ابھی کرنی بہت کچھ خدمت اسلام باقی ہے
ابھی دیر تمہارے یہ بڑا الزام باقی ہے کہ مسلم اب کہاں مسلم کا بس اب نام باقی ہے
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
ابھی باقی ہے غم سے خون دل خون جسگر ہونا یہ اسکے بعد کی باتیں ہیں نالوں میں اثر ہونا
اگر تم چاہتے ہو حق کا منظور نظر ہونا تو لازم ہے اُسے چکے قدیم اسلام پر ہونا
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
تمہیں اللہ پھر مخدوم کر دے محترم کر دے سر سامان اعزاز دو عالم پھر بہرسم کر دے
عنایت تم کو عقل دیں گی پھر تیغ دو دم کر دے جو قبضے میں تمہارے پھر عرب کر دے غم کر دے
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ
پڑے بہتے ہیں بُت پیچھے تمہارے ہاتھ دھو کر انہیں موقع مظالم کا دیے جلتے ہو سو سو کر
سبق حال نہیں کھلے تم اپنے حق بھی کھو کھو کر جی بھی مزد و تب محزون کی ہے تم سے عرض رو دو کر
مسلمانو! اٹھو بہر عمل تیار ہو جاؤ

نہیں یہ وقت غفلت کا بس اب بیدار ہو جاؤ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اسلامی نظم

وقتِ عمل کب آئے گا ہم ہیں کسی انتظار میں
اب بھی ہے کیا کوئی گسرت و افتقار میں
گو ہیں عدد و بڑے ہوئے زور میں اور شمار میں
فتح و شکست ہے مگر قبضہ کر دگار میں
گو ہیں ضعیف و ناتواں گو ہیں نحیف و حسرتہ جان
رکھتے ہیں ہم مگر نہاں شیر کا دل کنار میں

جبکہ حرا پہ تھی نظر کچھ نہ تھتا دشمنوں کا ڈر
دستِ بھی ہوئے تو بے خطر گھس گئے ہم ہزار میں
گھسے دیں یہ حکمران زیر زمین ہے آسمان
ہو گیا منقلب جہاں گردِ شیش روزگار میں
رکھتے ہیں فوق ہم پر سب کرتے ہیں ظلم روزِ شب
ایسے تھے ہم ذلیل کب فرد تھے روزگار میں
دین نے مُنارہ تھا لغزہ حق تراز نہ تھتا۔
ہائے وہ کیا دماڑ تھا ہم تھے عجب بہار میں

ہم میں جو تھا یگانہ تھا رتبہ کا کیا ٹھکانہ تھا
 عرش پہ آشیانہ تھا اسب تو پٹے ہیں غار میں
 سایہ سے ڈگتے ہیں قدم ڈھسے کل جلے دم
 آئینہ دیکھتے تھے ہم خسرو آباد میں
 اب تو عیبِ حال ہے جو ہے گناہِ حلال ہے
 عیب بھی اب کمال ہے گردشِ روزگار میں
 کیسا یہ انقلاب ہے دیکھ کے دل کہا ہے
 کہتے ہیں اب ثواب ہے سود میں اور تمار میں
 دنیا گھٹے کا رہے دین نظر میں حمار ہے
 یہ ہی اگر ہمار ہے آگ لگے بہار میں
 جو ہے وہ مادہ پرست بندہ زر ہوا پرست
 رہ گئے کم خدا پرست ایک ہے اب ہزار میں
 روح جو نیک طور تھی پہلو میں گویا حور تھی
 یا تو وہ غرقِ نور تھی یا ہے نہاں غبار میں
 دورِ عملِ فسانہ ہے ہم ہیں اب اور خانہ ہے
 کسل کا کیا ٹھکانہ ہے گھر میں ہیں یا مزار میں
 ہوش میں آؤ بھائیو ایسی زندگی جیو
 بادہ سردی پیو اب نہ رہو خسار میں
 بیٹھے ہو کیا اٹھو اٹھو ہاتھ میں اب تو سیفِ نو
 راجہذا میں جان دھو دیں ہیں انتظار میں
 عمرِ رول یہ خواب ہے دریا نہیں سراب ہے
 مگر جہاں جواب ہے دیدہ ہو شیار میں

پھر تو ہر اک دیر ہستج میں کچھ نہ دیر ہو۔

آپ ساحتی کاشیر ہو عرصہ کارزار میں
دیکھ نہ لیں حضور اجمعی غفلتیں سب ہیں درابھی
ہوڑا ہے نفعِ صو اجمعی آپ کی اک پیکار میں

ترانہٴ مسلم

اتنا رے ہے ماضی ہر سو عیاں ہمارا
گزار ہے ایسا زبیں عہد گذشتہ کس کا
پرداز کی حدیں تھیں گھیر گئے جہاں کو
کس ملک مملکت میں کس صفہ زمیں پر
نام خدا بچا دی ہے دھوم و دجہاں میں
کایا جنھوں نے پیٹی عالم کی نہ وہ نہیں تھے
نزد اسی تھی ساری دنیا تلوار ہماری
ایمان کی تھی قوتِ اخلاص کی تھی رکبت
ظلمت کو کہ ہم نے دنیا کے جگمگایا
آتے تھے آسمان سے بہرِ فرشتے
زمین ترقیوں کی کوئی ہم پر سب ٹھکتیں
سالارِ کارواں کے نقش قدم کو چھوڑا
کل اپنا تھا ہر اواں عشرت کا اک مرقع

ہر خطہٴ زمین سے انسانہ خواں ہمارا
شامی کوئی تباہے تائید داں ہمارا
چھوٹا سا تھا عرب میں گو آشتیاں ہمارا
گو نجانہ زیرِ گردِ دل شورِ اذان ہمارا
شہرِ مہاں ہمارا چچا و بول ہمارا
زوروں پہ جن دنوں تھا تختِ جہاں ہمارا
مانے ہوئے تھا لوطِ سارا جہاں ہمارا
اک اک ہزار کا تھا اک اک جواں ہمارا
دلِ شل مہرِ نہ تھا ضوِ شش ہمارا
اللہ میاں کے ہم تھے اللہ میاں ہمارا
بادی تھا امرِ گروہِ پیغمبران ہمارا
گم ہے جو دایوں میں اب کارواں ہمارا
اور سچ کہہ کر رہا ایک لوحِ خواں ہمارا

کیا جس سے ہم دشمن بنے گا نیز گردوں
 کمزور پاکے ہم کو چھوڑیں نہ اہل باطل
 بندے ہیں ہم خدا کے خود دار ہیں بگ
 قائم ہے ہیں حق پر ہم کرنا کٹا کو
 مسلم ہیں ہم غلامی کرتے نہیں کسی کی
 رکھتے ہیں خون آبار ایک وہی گھن میں
 پائیں جو کچھ بہانہ انہیں ابھی زمانہ
 قوت تو حق نے دے ہی ہے تنظیم کی کمی ہے
 غیوروں کی شکایت غیوروں کیا توقع
 ہم خاک ہو گئے گو پا مال کرنے والو۔
 کیونکر بچے توں سے اب دوستی ہماری
 کر دیں گے اپنے دین پر ہم اپنی جان دیتے
 ٹھکانی ہے بس اب یہی دم لیگے ہم ہرگز
 دنیا میں ہو جاوے ہر سمت حشر برپا
 نمایاں شاہن مرداں اے مسلمان نہیں ہے
 لہروں کے دشمنوں میں ہو جائے اک تہلکہ
 نالوں میں بھی ہمارے غروں کی سی کوکھ ہے
 دور بہار ان کا دودھ حسرتاں ہمارا
 تنہا تو سو پہنچی بھاری ہر ناتواں ہمارا
 خم ہو گا منہ ہرگز ہمیشہ تباہ ہمارا
 چپے زبان شہر پہنچے ہیں بیاں ہمارا
 بس اک خدائے برتر ہے شکر ان ہمارا
 شکست جس کو ہو کر لے پھر امتحاں ہمارا
 بجلی کا ہے خزانہ قلب تپاں ہمارا
 جالم ہے زور اکثر سب انگاں ہمارا
 موقوف ہے ہمیں پر سود و زیاں ملو
 اٹھے نہیں کہ پھر ہے سارا جہاں ہمارا
 ہر طرف ہی ہے ان کو گراں ہمارا
 سوجاں بھی پہلا یہ جان جاں ہمارا
 ہو جائیگا نہ تنگ ہست و سناں ہمارا
 ہو جائے اتنے نازل خواب گراں ہمارا
 یہ بیٹھا گھروں میں مشعل زناں ہمارا
 ہر جو جلوس نکلے باغ و شاں ہمارا
 مردانہ قسم کھے طرز فساں ہمارا

ہو پھر نصیب یارب ہم کو عروج سابق
 چھا جائے کل جہاں پر قوی نشاں ہمارا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تضمین بر اشعار جناب شفق عماد پوری

فیض توحید صد قالب یک جاں ہم تھے کب کس انداز سے اوراق پریشاں ہم تھے
ایسے اندر وہ تھے کب شملہ بدلاں ہم تھے یادِ آیامِ کرمت کے نگہبان ہم تھے

جن پر اسلام تھا نازاں مسلمان ہم تھے

معکون ہیں تھے جوان بر نہنِ شمشیر تھے ہم خانقاہوں میں مگر پیروں کے بھی پیر تھے ہم
کیا خوش اقبال تھے کیا صاحبِ تقدیر تھے ہم رزم میں خاںدِ عجبانِ باز کی تصویر تھے ہم
رزم میں آئینہ بودِ رُوسلمان ہم تھے

زور سے ہوتے تھے ہم نیزہ تیروں سے ہاں اگر ہوتے تھے مجبور تو وقتِ تیروں سے
لیتے تھے سینوں پستے تھے ہم تیروں سے گرجے تکبیروں سے کبھی شمشیروں سے
جس کو رو کا نہ سمندر نے وہ طوفان ہم تھے

ریش ہے خار دیدہ مشربِ خمر شعار میں بھڑکے نہ کیوں وہ دیکھ کر شیر ہیں کچھاریں
ڈاڑھی سے اٹھاپانی ہے پٹیا کی شامت آئی ہے کوہِ وہ ہے یہ اُنی ہے یہ بھی ہے کچھ شمار میں

ضروری تنبیہ

اس مجموعہ میں جہاں جہاں رجزیہ اشعار ہیں ان سے مقصود محض
 انکھار جذبہ پیا پیما نہ ہے نہ کہ تحریک عمل جارحانہ پڑھنے والے خوب
 سمجھ لیں، غلط فہمی ہرگز نہ ہونے پائے،

المزاح في الكلام كالملح في الطعام

بے لطف ہے جو ہر نہ ظرافت کلام میں
بے ذائقہ ہے جو نہ نمک جس طعام میں

مسٹر اور ملا کی نوک جھونک

ملقب ہے

نمک دان ظرافت

نمک دان ظرافت اک مکمل درس عبرت ہے
ظرافت کی ظرافت ہے نصیحت کی نصیحت ہے

از تصنیف

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجدد فیضیہ خیرائی

پر دیکھے متعلق ایک نہایت پر لطف و مفصلہ کن منظوم
مناظرہ

خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب ~~~~~ از جناب شوکت تھانوی رحمہ

تعارف

نہ خان بہادر رنقرات میں نہ گریجواریت، نہ اسپیکر شرف سکون کوئی کہہ سکتا ہے، نہ شاعر صورت دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے اذان دے کر تشریف لایا ہے ہیں۔ بڑی سی ڈاڑھی پنج کلیہ ٹوپی لمبا سا کرا اور کپاسا پاجامہ، تسبیح کرتے کی جیب اور ہاتھ تسبیح کے اوپر خواجہ صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے۔ سود کی ڈگری دینے کے بجائے محکمہ تعلیمات میں منتقل ہونا پسند کیا۔ اب تک اسی محکمہ میں ہیں۔ آج وہ انتقال فرما چکے ہیں۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ ہاشمہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عشق کی حد تک عقیدت رکھتے تھے اور حضرت مولانا کی قیادت میں ڈپٹی کلکٹر کو آدمی ہی نہیں بلکہ سلمان بنا دیا تھا۔ خواجہ بہت ہی عمدہ کہتے تھے۔ مگر کسی غزل میں دھاتی سوا شعار سے کم نہیں کہتے اور ہیرا انتخاب نہیں کر سکتے کہتے پھلے جاتے ہیں اور پھر کہہ چکنے کے بعد سناتے پھلے جاتے تھے۔ اشعار کے ان انباروں میں اچھے بُرے سبھی قسم کے شعر جوتے ہیں! حیرت ہے زیادہ اور معمولی کم (ملخصاً)

• عمدہ قومی مشہور ادیب جناب شوکت تھانوی کا یہ نمونہ "شیش محل" سے مختص کر کے لیا گیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے شعرا کے متعلق مزاج کے طرز پر اپنے تاثرات قلمبند فرمائے ہیں۔ اس تحریر میں بھی ان کا خاص رنگ جھلکتا ہے۔
[ناشر]

عرضِ ناشر

بے پردگی عریانی اور عورتوں کا بازاروں اور گلیوں میں عام پھرناسکول و کالج کی لڑکیوں کا فیشن ذیل لباسوں میں باہر آکر اور غلط تعلیم کے بہانے فحش اور بھیاں کو بڑھانا۔ اس قدر عام ہو گیا ہے کہ اب اگر ان باتوں سے روکا جائے۔ تو نا سمجھ لوگ پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ عورتوں کی تعلیم و ترقی سے مولوی لوگ روکتے ہیں لیکن یہ لوگ ان نتائجِ بد سے بالکل ہی ناواقف ہیں جو کہ مغربی تہذیب و انگریزی تعلیم اپنے ساتھ لارہی ہے۔ آئے دن لڑکیوں کا اغوار و گشتِ گئی صاف بتا رہا ہے کہ یہ تعلیم سراسر دینِ عزت و غیرت کو تباہ کرنے والی ہے اقبال مرحوم نے بھی کہہ دیا ہے۔

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی : ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ

یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین : پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ۔

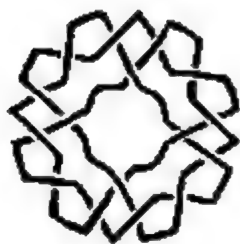
مگر یہ اقبال کے مقدر اقبال کی باتوں کو کب مٹتے ہیں۔ بسد ہی رشت۔ ہر کہ ملا ترقی سے روکتے ہیں۔ اور عورتوں کی آزادی کے مخالف ہیں۔ روز مشاہدہ بھی کرتے ہیں کہ لڑکیاں بھاگ رہی ہیں اور سیکڑوں اغوار کے واقعات دیکھ رہے ہیں مگر عقل پر پردہ پڑ گیا ہے۔ اس لیے نہیں سوچتے۔ اکبر مرحوم نے سچ کہا ہے۔

بے پردہ دیکھی میں نے جو کل چند بیباں : اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا

پوچھا سے یہ بیو! تمہا پردہ گیا کہاں : بولیں کہ عقل پر مردوں کے پڑ گیا

مجددِ بے کے اللہ تعالیٰ درجات بلند فرما دیں۔ جنہوں نے پردہ کی حمایت میں ایسا کلام پیش کیا ہے کہ جس کی تردید انشاء اللہ تعالیٰ کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ کتاب ایک فرضی مسٹر اور فرضی ملا کے درمیان منظوم مناظرہ ہے مسٹر کہتا ہے کہ عورتوں کے لیے پردہ کی ضرورت

نہیں مگر ملا پردہ کو غزوری قرار دیتا ہے۔ دونوں طرف کے والائل پیش ہو تے ہیں۔
 بالآخر ملا جو کہ حق پر ہے سٹر کو شکست فاش دیتا ہے۔ اگر اس کتاب کو غور سے
 پڑھا جائے تو واقعی بے پروگی کے حامی اپنی غلطی کو مان لیں گے۔ بشرطیکہ عقل سلیم و طبع مستقیم
 ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت کو سنواریں۔ اور ہمیں راہ ہدایت پر لکھیں۔ آمین فقط ناشر۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید از مؤلف

حامداً ومصلياً

یہ مجموعہ منظرہ مناظرہ ہے، ایک فرضی مسٹر اور ایک فرضی مولا کے درمیان پرودہ نسواں کے متعلق جس کو ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی مذہبی اصلاح کی فرض سے شائع کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے اسلامی شعائر کو دو دشمنوں کی کورانہ تقلید کر کے پس پشت نہ ڈال دیں جیسا کہ نو تعلیم یافتوں میں بکثرت یہ مرض واقع ہو رہا ہے اور مسلمان اپنی پرانی روش پر قائم ہیں۔ وہ مخالفین پرودہ کے دائم نزویر میں نہ آئیں۔

گو اس کتاب کا غالب رنگ ظرافت ہے لیکن اسکی اندر مذاق کے پردہ میں اس بحث کے متعلق سارے حقائق پیش نظر کر دیے گئے ہیں۔ اور اگر متین طبع ناظرین بھی غذا و صفادع ماکدر سے کام لیں گے تو وہ دیکھیں گے کہ اس گدڑی کے اندر بہت سے لعل بھی چھپے ہوئے ہیں۔ اور اس خارزار میں جا بجا تختہ مانے گل بھی اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ یہ

نمکدان ظرافت اک مکمل درس عبرت ہے

ظرافت کی ظرافت ہے نصیحت کی نصیحت ہے

اب اس مناظرہ کی ردیف وادینے اس میں سب سے پہلے ملا جس کا نام ہی پرودہ کی حمایت کو ظاہر کر رہا ہے۔ اپنی روانی طبع کے جو ہر دکھاتا ہے جن کو دیکھ کر بے پردگی کا طریقہ داری یعنی مسٹر بھی خم ٹھوک کر سامنے آ موجود ہوتا ہے۔ آپس میں چوٹیں چلتی ہیں، جواب اور جواب الجواب شائع ہوتے ہیں۔ پرودہ درمی کاجنوں اور حامیان پرودہ پر غیظ و غضب مسٹر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں۔ ملا کے خطاب عالم کے جواب میں وہ خطاب خاص کرتا ہے اور نہ صرف ملا کی ذات پر۔ بلکہ تمہذیب معاشرت اسلامی پر نہایت رنگیک سے کرتا ہے

ملاؤں مضبوط سے کام لیتا ہے اور خطاب خاص کے جواب میں بھی خطاب عام ہی کرتا ہے اور دوران بحث میں مشرک کو بعنوان "شکایت" تنبیہ بھی کرتا ہے۔ لیکن مشرک کی شان و درجہ بھلا ملا کی بات کی تاب لا سکتی ہے وہ اور بھی آگ بگولا ہو جاتا ہے اور آپسے سے باہر ہو کر خواہ مخواہ کے لیے بیچارے ملا پر برسے لگتا ہے اور اپنی جاہ و ثروت کی اکثر میں اس غریب کو ذلیل و خوار سمجھ کر نہ جانے کیا کیا واپسی تباہی اول فول ڈیم فون بجے لگتا ہے لیکن وہ جتنا جتنا اپنے کلام میں چاسنی دشنام کا اضافہ کرتا جاتا ہے اتنا ہی اتنا اپنے دلائل کو کمزور اور پھر اور اپنے آپ کو ابادی ظلم کا مصدق بنا جاتا ہے۔ آخر میں ملا بھی اپنی شانت کو چھو کر پھر اپنے توسن طبع کو ایک زور کی ایڑ لگاتا ہے اور اسی اجمہ و درشت میں لٹا کر کریشاد بزبان حال پڑھتا ہوا میدان مقابلہ میں آکر اپنے حریف سے کوسوں آگے نکل جاتا ہے یہ

تمہاری زلف کا سر چڑھ کر لیدیا بوسہ نہ کبھی کسی نہ ہم دیکے بالکین میں ہے

بھول ہیں بھول ہیں دل آغائیں غول ہیں بولیاں یاد نہیں ہو عیا ریاض میں بول

لیکن ملا آخر پھر ٹھٹھ ہے وہ اس جوش و غضب میں بھی اپنے ملک حقیقی کو نہیں بھولتا اور بار بار اس کی جناب میں یہ بھی خطاب کرتا جاتا ہے۔

سمجھیں کچھ کی کو ہم ایسے کہاں کے ہیں تیرے ہی بل پہ زور بس ناتواں کے ہیں۔

اور سچ تو یہ ہے کہ اس تفویض اور حق پرستی ہی کی بدولت ہر موقع پر اس کی کھلی سنگری

ہوتی ہے اور ہر بار مقابل پر اس کو غلبہ تاہر عطا فرمادیا جاتا ہے۔ وہ ہون اللہ تعالیٰ و بفضلہ

ایسے ترکی بر ترکی جوابات دیتا ہے کہ مشرک کے دانت کھٹے ہو ہو جاتے ہیں۔ ایسی گبری گبری

چوٹیں کرتا ہے کہ مشرک بغلیں جھانکے لگتا ہے اور ایسی بھگو بھگو کر لگتا ہے کہ مشرک کا دماغ

درست ہو جاتا ہے مگر باوجود اس فطری کمزوری کے جسکی دنیا کی اکثر اہم ترین ہستیاں

بھی خالی نہیں ملا کا توازن دماغی قابل ستائش ہے اس کی زبان کی تیزی اور مقابل پختہ

و غضب اس کی صحت دلائل کے سدا رہ نہیں اس کے سبب آخری جواب کو از اول تا

آخر پڑھنے تو معلوم ہو گا کہ مشرک کا کوئی ایسا اعتراض نہیں جس کا مسکت اور جربہ جواب

اٹل نہ دیا ہو۔ اس کے استادانہ داؤ بیچ اس کی تحریک پر پھرتی اور اس کے بھرپور اور فیصلہ کن باقہ ناظرین کو رام سے خراج تحسین وصولی کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس کی مکمل شخصیت اس کے کلام سے آشکار ہے جس کو دیکھ کر ہر منصف مزاج شخص دم بخود رہ جاتا ہے اور زبان حال سے یوں بول اٹھتا ہے۔

بدن سارا دھلا سا پچھ میں گویا : نہیں اتر ا ہوا ظالم کہیں سے
 باوجود انتہائی تیزی قلم اور شوخی خامہ کے الزامی اور تحقیقی دونوں قسم کے جوابات اور وہ بھی نہایت مدلل اور دندان شکن آپ اس کی تقریر دلیلیں میں موجود پائیں گے
 غرض کہ یہ مجموعہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اور جس کو مختلف اہل قلم حضرات کے مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ ہم مصنفین و ہم طرح اشعار کو بڑی کوششوں کے ساتھ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اور مناسب ترتیب دیکر مرتب کیا گیا ہے بہت ہی دلچسپ ہے اور علاوہ بے انتہا سبق آموز ہونے کے ادب نواز اور بدلہ سنج حضرات کے لیے تفنن طبع کا سامان بھی کافی طور پر رہا کرتا ہے۔

ہم یہ بھی امید کرتے ہیں کہ یہ پختی چوں چوں کا مرتبہ یا یوں کیے کہ نورتن مہنی خوان فصاحت و ظرافت پر ایک قابل قدر اضافہ ہو گا۔ اور اس کے لزاماً لفظی و معنوی اہل ذوق کے لیے بے انتہا ضیافت طبع کا موجب ہونگے۔ اور ہمارے اس مجموعہ کا نام ”مستر اور ملائی نوک جھونک“ بھی لحاظ اپنی موزونیت و حس پائیدگی کے ہمارے ناظرین عالی تبار کو اول اپنی جانب خاص طور سے توجہ اور پھر بعد ملاحظہ محفوظ و مہر کے بغیر نہ رہ سکا آخر میں یہ مطلع کروینا بھی ضروری ہے کہ مسٹر کی جانب جتنے اشعار اس مجموعہ میں منسوب کئے گئے ہیں ان سب پر مسلسل نمبر ڈال دیئے گئے ہیں تاکہ جہاں جہاں مکن ہو سکے اور ضرورت سمجھی جائے ملا کے جوابات میں حاشیہ پران کا حوالہ بھی دیدیا جائے اور اس طرح دونوں کے اشعار کو ناظرین بیک وقت اور سہولت اپنے پیش نظر رکھ سکیں اور اس نوک جھونک کا پورا لطف اٹھا سکیں۔ والسلام : مؤلف۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نعمرة ونعمتی علی رسولہ الکریم

لَا اَہُولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

مِسٹر اور مُلا کی ٹوک چھوٹک

ملقب بہ نمکدان ظرافت

نمک دان ظرافت اک مکمل درسِ خیریت

ظرافت کی ظرافت سے نصیحت کی نصیحت سے

پیر کا غیبت

اور مُلا:

ای فیشن نے سب کو واقف اسرار پہنائی

کہ پیرا میں ہیں بھی آنکھوں نے لوٹا نصیبِ عریانی

ایا حسن بے پردہ ست عالم بچھا بچھا

ابو ہو کس کس کیسی صورتیں دیکھی ہیں فورانی

اُسے جلتے ہیں میرے پوشِ حالے پردہِ واقفیت

اُسے سے عقل ہی میری ہوئی جاتی ہے دیوانی

سہنائوں نے میں کیونکر اس اپنے چیلے دل کو

نہیں پاتا ہوں مت بد کر چکا ہر کسی آسانی

انہی جاتی ہیں جذبِ حسن کے اختیارِ تکمیل

ہوا جانتے سارا احسب ردِ تقویٰ نذر تیرانی

پھر جاتا ہے منہ روئے بہارِ یوں کے نہیں زکمت

مدد کے جذبِ تہائی، کرم کے فضلِ رحمانی

نہ، یہاں سے یہی پروگ کے فائنل میں بیان کرتے ہیں ۱۱

پڑے جاتے ہیں رنخنے دیں ایمان میں اُسے تو یہ
 بتوں کی سہی یہ ہر کام نہ گمراہی شیطانی
 ہوئی جاتی ہے نیت ڈاؤنڈول ہائے میں ڈوبا
 کئے ہیں دل میں اک طوفاں بیجا ہیجان نفسانی
 ہوئے جاتے ہیں غارت دینِ دل اُسے دشمن پردہ
 خدا سے ڈر اُسے خلقِ خدا پر یہ ستم رانی
 خلاف عقل دیں تو پردہ در بے پردگی ہے ہی
 خلافِ رقم بھی ہے یہ نظر بر صفت انسانی
 نکلتی ہیں ہسٹلے عورتیں اُکھیلیاں کرتی
 مدھر جاتے ہیں آنا ہے نظر اک غول شیطانی
 جو ہے پردہ میں خوبی اسکو کیا جانیں یہ آوارہ
 جو ہے عفت میں لذت اسکو کیا سمجھیں یہ غیبانی
 ہنسی ہے دل لگی ہے ات دن چھپڑیں چھپڑیں ہیں
 حیا ملتی ہے مٹ جاتے طلبوت انکو پہلانی
 سبھی عمر نگ ہیں اب سمجھا بھی تو مشکل ہے
 گھر سن ہے کہ کبھی مہترانی ہے کہ مہرانی
 گئے پردے کے دن اب تو ہوا خوری تیر میں ہیں
 غضب ہے گھر کی عورتیں ہو گئیں غول بیابانی
 نکل جاسے زمین ناپید نہیں لے آسمان کو لے
 نہ یوں بیٹھیں گی پردے میں تب غیرت یہ سیلانی
 کبھی سر کا لیاد امن کبھی ڈھنکا دیا آنچل
 خرض ہر طرح چھینب اپنی نہیں مردوں کو دکھلانی
 خدا کو حشر میں اُسے پردہ در کیا منہ دکھائے گا
 تمام اعضائے انسانی کو کر دیا تو نے زانی

لے حسبِ حدیث شریف کہ تمام اعضا زنا کرتے ہیں۔ ۵۰

ہیں جھپٹے، حسینوں نے لڑائی اس طرح آنکھیں
 لگاؤ شوق نے ہی ہار چشم شوق سے مانی
 نئی تعلیم نے کیا لڑکیوں کو فیض بخشا ہے
 بچے دیکھو وہ جن دلربائی کی ہے انسانی
 نبھائیں عشق کی صدا سبیلیں سیکڑوں راہیں
 بہت کام آئی ناول بینی و جفرانیہ رانی
 یہ کس فرقہ کا ان کو چھوڑا کرتے ہو سوچو تو
 سکھائی جا رہی ہے لڑکیوں کی خوش الحانی
 حوالے یوٹروں کے بے تامل لڑکیاں کر دو
 کر سینگے بھیڑیے یہ خوب ان بھیڑوں کی نگرانی
 ترقی کی تمہیں دن رات دھن اور مین کہتا ہوں
 کہ یکدم باغداد بردن بہ از ملک سلیمانی
 ہمیں گنجائش چوں چرخا خود تحسبہ کر لو
 میں سمجھاؤں تمہیں کیونکر یہ ہے اک امر وجدانی
 نصیحت تیری کیسا ہو مشروں پر کار گر ملتا
 مرض ان کا ہے انگریزی ترانہ ہے یونانی

(بصیرت)

(از مشرا بجواب پردہ غیرت)

مری منکر زنا! نادانقہ اوہم انسانی
 خدائے شاہد سہرا دی ہمہ درد نوانی
 سکوت ایراد بیجا پر کہاں تک خامشی ملے
 ضروری ہے کہ اب لڑنے طلسم جہل و نادانی

۱۱ یعنی مرد اُستاد جو گھر پڑھانے آتے ہیں۔ ۱۲

۱۳ یہاں سے مشر پردہ کی برائی اور بے پردگی کی خوبیاں بیان کرتا ہے۔ ۱۴

تعصب بچہ نہ سنگ راہ ہو جائے ترقی کو
 چھپے پھر تیرہ ننداں میں نہ حسنِ نادانی
 تعجب ہے ابھی تک پاک میں ایسے بھی ناداں ہیں
 ترقی عورتوں کی جن کی نفروں میں ہے نادانی
 سحر بھی ان کی نفروں میں ابھی بکشم غفلت ہے
 شہ ار جہں کو سمجھے ہیں وہ قنیل رہبانی
 ترقی کر کے قومیں منزل مقصود تک پہنچیں
 گو یہ لوگ ہیں اب بھی اسیرِ دامِ نادانی
 بزمِ خدمتِ قومی جنابِ شیخِ اُور مُلّا
 کیا کرتے ہیں اکثر درِ غودِ عمتِ قلمِ رانی
 جنوں کو جو وہ تہذیبِ مغرب بتاتے ہیں
 تو یہ ہنکے ہیں لے کر شمشیرِ طبعِ نادانی
 کوئی پوچھے کہ اے بڈیاں سمرائے پردہِ غیرت
 جہاں میں کیا نہیں ہے کوئی شے تہذیبِ انسانی
 یہ بہتر تھا نہ ہوئی نظم یہ شائع کہ اے ناداں
 تم سے جذباتِ پنہاں کی سیبے تصویرِ عریانی
 تری تخیلِ انسانی کی ہے تخلیق وہ عورت
 بنا پا ہے جسے بے غیرتِ شیطانِ سیلائی
 اے اس طرح کا بہ میں ناہین تو بہتر ہے
 جہاں میں حسنِ نمونی سے ہو سکتا ہے عورانی
 مطیعِ نفسِ شیطانی ہے زعمہ و آقا جس کا
 عیبتِ دُنیا میں ہے جیلے فضلِ درِ رحمانی
 نے ایمان سے جکے ساغرِ دل پر میں دُنیا میں
 نظرِ کس حُسن میں آتی ہے ان کو شانِ یزدانی
 کیا ہے خبثِ باطن پریشان جس تصور کو
 رسائی سے جسے کس کی دُور شانِ حُسنِ نمونی

فریب نفس شیطانی کا یہ بھی اک کرشمہ ہے
 جو خوریں تک نظر آنے لگیں غولِ سیلابانی
 اٹھا کر پردہ رنگِ تعصب دیکھ او ناداں
 کہ سبے بے پردگی میں بھی نمایاں شانِ انسانی
 وفا کی ہیں وہ تصویریں حیا کی دیوایں وہ ہیں
 جو عصمت میں ہیں بے ہمتا قصداً میں ہیں لا آسانی
 سدا پیکرِ صبر و رضا، علم و مروت ہیں
 بجا بے گز کہوں میں منظرِ اوصافِ انسانی
 خدائے شمع ایماں آج تک پروانہ دل ہے
 انہی کے دم سے قائم ہے ابھی شانِ مسلمانی
 نہ سمجھے فرق جو سارا قصور اسکی سمجھ کا ہے
 چراغِ غولِ عمرانی ہے یا شمعِ شبستانی
 لکھن فخرِ دونوں کا عصمت ہے تو کیا ڈرتے
 ہے گی اپنی حد میں ہستہ لانی ہو کہ مہرانی
 ہے دعوائے غلط خورشید اک ذرے کا بن جانا
 پر طاؤس کس کوئے کو جسے وجہِ پشیمانی
 نہیں جذباتِ نفسانی کا پردہ جن کی آنکھوں پر
 پرکھ لیتے ہیں مستورات کا رتبہ باسانی
 بہت سے شور و غوغا آج ہند پاک میں جس کا
 حقیقت میں وہ پردہ ہے دلیلِ جہل و نادانی
 ابھی اے مسلم جاہل نہیں معلوم ہے کچھ کو
 کہ یہ پردہ نہیں ہے حاصلِ آیاتِ قرآنی
 اُسے اے طبقہ نسوان کیا کچھ محم ازیت ہے
 گھر دلیں میں بند رکھنا عمر بھر مانستہ زندانی
 رہیں علم و ہنر سے بے خبر دنیا سے ناواقف
 نہ اُن پر پڑنے پانے پر تو شمعِ شبستانی

کبھی قید جہالت میں پیدا ہو گا وہ جو
 اسے دل کا پردہ ہے جو ہے پیغام ربانی
 نئی تہذیب بدل ہو جاتا ہے کیوں ناداں
 یہی دنیا میں ہے لکھنے کے قندیل رہبانی
 اسی نے پھر سکھائی آج انکوشان خودداری
 جہالت مٹ گئی روشن ہوئے اوصاف پہبانی
 غصہ و خفاک نے صورت بدل دی تھی گلستاں کی
 رواج و رسم مشرق میں تھی شانِ مسلمان
 نئی تعلیم سے شرار ہو کر اب دھمی عورت
 چلے گئے زنجیر پائے جہل و نادانی
 تماشا نے جہاں رہو برنوا بد و شباسکے
 اسے معلوم ہے جو کچھ ہوئی اس پرستم رانی
 دھمی عورت ہیں حق تلفیاں جس نے غمش سے
 ہوئی ہے آج اٹھ کر داد خواہ حق نسوان
 نہ رکھا تھا نظر میں جن کی وقتِ طبقہ نسواں
 کوئی دیکھے اب ان کی بے حواسی اور حیرانی
 ہوئی ہے عقل ناکارہ سمجھ میں کچھ نہیں آتا
 جو کچھ تہذیب باقی تھی ہوئی نذر پریشانی
 کوئی الزام دھرتا ہے کوئی بدنام کرتا ہے
 کوئی کہتا ہے یوانی کوئی کہتا ہے سیلانی
 کوئی پوچھے کہ اے تہذیبِ باطل کے پرستار
 رہے گی تاکہ یہ شورشیں اغراض نفسانی
 رہو گے درپے آزادِ غم کب تک ترقی کے
 رہے گی تاکہ قیدِ طلسم جہل و نادانی
 بس اے قلبِ عزیز فاموش حالِ بخت کیا ہے
 بتا دے گی خود اپنا فرق دانا و نادانی

حقیقت

(ازملا)

بجواب بصیرت

خدا شاہد ہے مجھے افسوس سر پہنائی
 کہ میں پردہ اٹھانے میں نہال غرض انسانی
 ادائیں چھلی سج و سج رنگی چال مستانی
 پسند آئیں یہ باہر دانیایا یا گھر کی ملانی
 اُلٹ ہی جب نقب رخ تو پھر کیا پاک دامانی
 یہ چہرہ کھولنا ہے پردہ درمہسید عریانی
 کمریں مشرہ ہرگز نبأت تفسیر قرآنی
 کہ ہے اقرار نادانی یہ دعوائے حمہ دانی
 کہاں تسلیم انگریزی کہاں تفسیر قرآنی
 زباں یار من ترکی تو ترکی نمیدانی
 یہ ہے منشائے فصافی نہیں منشائے قرآنی
 یہ آدمیں ہیں مطلب کی یہ تفسیریں ہیں منانی
 قیامت ہے کہ یوں باتیں ازراہ ہو کس رانی
 نثار مصنف روئے نہاں آیا ست قرآنی
 عبت ترمیم دیں کی فکر ہے عقلیں ہیں دیوانی
 اہل حکم ربانی، اپیل اسکی نہ نگرانی
 یہ قید پردہ ہے میں قضاے طبع انسانی
 جس آزادی کے تم خواہاں تھے وہ ہے حق حیوانی
 نہ کریں طعن اے روشن مارغ تیر دل ہم پر
 ہے ہم پردہ وہ ظلمت جو در پردہ ہے لڑائی

لے یہاں دوبارہ ملامت کو جواب دیتا ہے اور پردہ کے حق میں اپنے لائل بیان کرتا ہے۔

نیالی روشنی روشن خیالی آج کل ہے
 دلوں سے سلب اس نے کر لیا ہے نورِ ایمانی
 ی جو روشنی ہے وہ نئی ہے ہاں بایں معنی
 کہ ظاہر اس کی نورانی ہے باطن اس کا علمانی
 ی تہذیب ہے پردگی کی کیسی نیکی ہے
 خلافت دیں خلافتِ غیرت تہذیب انسانی
 پس غیروں سے سلیم حسا، تو جا کے غلوت میں
 میاں صاحب کب میں بیٹھے ہوئے چوکھٹے و درباری
 لافاقیں کھاتے پھرتے میں خود ہی متنبہ ہوں ہے
 شریک شیش آب میں جو کبھی تھے دشمن جانی
 نمائے ہیں کب نہیں پارک ہیں اور سیر کا ہیں ہیں
 بس اب تو عشق کی سب سے لیس طے ہیں آسانی
 پہلے آتے ہیں صبح و شام دو تفریح کرتے خود
 شہرے قسے راز اب سے نہ روزِ غم ہے بطولانی
 سلامت رہ چکی ابشتی، موسیٰ اے حمد
 جو اخوری ہے بحرِ حُسن میں آئے گی طینانی
 نہیں ہے خیر آبِ شہوارِ حُسن کی بس بارو
 کھلے بندوں سمند بڑ ہے سرگرم جوانی
 غنسیبے اختلاطِ مرد و زن یوں بے تکلف
 حیا رخصت ہوئی دید و منہ کے دھنک لاپانی
 پری نازوں کے جھرمٹ میں نظر بازوں کے جھمٹ ہیں
 یہ حُسن و عشق کی دیکھے کوئی ہر سوسروانی
 عاذا اللہ تو بہ چشمِ غیرت ہو گئی خمیرہ
 کہ برقِ حُسن ہے بے پردہ سرگرم ریشانی
 سارے بوشِ نعلے کر کہاں جائیں کہ ہر گھائیں
 کہ ہر سوسے جوانی سے ہے اک بازارِ حیرانی

مصیبتِ دل کی ہے منہ میں بواہوں تیرے
 نہ اور اک نظر تجھ کو نہ احساس پریشانی
 نظرِ والوں کی مشکل ہے جو اندھا ہو وہ کیا جانے
 کثرہ سنجی و غمزہ شناسی و ادا دانی
 کعبہ دانستہ حال ماہکساراں صاحبہا
 قیاس اپنے پہ کر لیا ہے سب کو سخت نادانی
 اٹھا پردہ چھوٹے آزاد، بن بھن کے حیرت نکلے
 یہ فتنے کیوں ہوں ظاہر قیامت بھی تو ہے آنی
 کرے گا منتشر شہرِ اڑہ عالم کو بھی اک دن
 ہوا خوری میں زُلفوں کا یہ انداز پریشانی
 ”ظہورِ حکمتِ راز والے“ ہوئے والا سنجے
 ترقیِ حد سے گزری اب تیری لے عالم قانی
 اٹھا پردہ تو دنیا سے شرافت بھی اٹھی سمجھو
 نہ پھر ستید، نہ صدیقی، نہ فاروقی، نہ عثمانی
 کھلا یہ راز اپنی عقل کے پردہ اٹھانے سے
 زیادہ حد سے دانائی کا بڑھنا بھی ہے نادانی
 شرافتِ آبرو نہ ہے ترقی پر فدا ہیں سب
 یہ ہے ایثارِ مردانہ اسے کہتے ہیں شہرانی
 بس اب تو ہی مرد میدانِ ترقی ہیں
 کہیں اب مرد گھر میں بیٹھ کر گہوارہ جنبانی
 شریکِ کار کرو۔ نازنیوں کو حسینوں کو
 خلافتِ طبع لوگوں سے جو ہو کچھ با ستِ موانی
 نہ قسیدِ مذہبِ ملتِ رسمِ پردہ غیرت
 یہ، زادی ہے آزاد و سرا سر قسیدِ انسانی
 قسیدِ شرح پر واللہ سو آزادیاں صدقے
 کہاں یہ حظِ نفسانی، کہاں یہ لطفِ روحانی

یہ پابندی شریعت کی ہے گویا حسان آزادی
 سمجھنا قید اسے طعنہ دینی ہے سخت نادانی
 جو ہم پابند مذہب ہیں تو تم پابندیشن ہو
 جو تم آزاد فطری ہو تو ہم آزاد روحانی
 مسلمانوں سے بھی اٹھ جائے پردہ کیا قیامت
 چوکھڑا زکعبہ رخنیز و کجا ماند مسلمان
 پتے کی کتبہ ہے بڑی میں اک مسجد و مسجد دیوانہ
 چیرا کا سے کنبہ عاتل کہ باز اید پشیمانی
 قلندر ہم چہ گوید دیدہ گوید شک نہ کر ہرگز
 پس اسی سال میں معنی محقق شد بخاقانی

شکایت

خطاب عام کے رویں کہے ہیں ذات پر حملے
 مبارک مسطورں ہی کو یہ تہذیب قلم رانی
 بصیرت کیا مٹائے گی فروغ ”پردہ غیرت“
 کہاں اک نقش باطل اور کہاں نقش سلیمانی
 وہ سمجھے ”پردہ غیرت“ کو کیا جو دل کا روگی ہو
 بھلا کیا فائدہ دے اس کو عینک جو ہو یرقانی
 بصیرت تو نے کھنی بے خاک آنکھوں میں جو مکی ہے
 بتایا تو نے کن کو مطلبہ اوصاف انسانی
 جیا کی دیوایں بے پردہ چھنے والیاں بھی ہوں
 مری باتیں ہیں ہنرانی کہ یہ باتیں ہیں ہنرانی
 بہتیاں کا انکار اسٹن و لیری سے
 بتایا رات کو دن واہ کیا سوچھی ہے لاشانی

یہاں علامہ شریک شکیات کرتے ہیں کہ مسٹر ٹھٹھکویں تہذیب کو چھوڑ دیا ہے وغیرہ وغیرہ ۱۱

حیا و عصمت بے پردگی ثابت ہو ناممکن
 ضدوں کو جمع کرنا قتل کے دشمن ہے نادانی
 خدا سے ڈر کرے دھری نہ بن کیسا مسلمان ہے
 کہ سمجھا حُسن بے غیرت کو توستانِ یزدانی
 و فور شوقِ حُسن زن سے ہے حُسنِ ظن تیسرا
 فرد کر کے تو دیکھ اے بواہوس ہیجانِ انسانی
 تقدس کا نہیں میں مدعی بیشک میں ہیں ہوس
 مری فطرت سے انسانی مری خوئوس ہے مردانی
 خراڑوں مجھ سے بدیں ہیں بنا ان سبک نہ بیٹا
 جہاں میں تجھ سے کہتے ہیں نظر جنگی سب سے عرفانی
 نہ مانوں گا نہ مانوں گا یہ ناممکن ہے ناممکن
 ہے تو عورتوں میں اور نہ ہو میلانِ انسانی
 ترقی لاکھ تو کر لے فرشتہ ہو نہیں سکتا
 نہ بدلیں ہیں نہ بدلیں گے خواہ اس طبعِ انسانی
 نہ ڈینگیں نہ تو اتنی نہ بن تو پاہِ ساتا
 نہ کر دعویٰ تقدس کا بعید از حد امکانی
 سمجھ کافی نہ عورت کے لئے تو دل کے پردے کو
 یہ ہے اغوائے شیطانی نہیں پیغامِ ربانی
 اڑا دے گی جوائے کوئے آزادی اُسے دم میں
 نہ رہنا اس عہد سے پردہ در ہوگی پشیمانی
 جہاں مردوں کے کیں باتیں ملیں نہ نکھیں نہیں نظریں
 کہاں پھروں کا پردہ اور کہاں پھر آنکھ کا پانی
 حجابِ نور و سال در بر شوہرِ غمی ماند
 زن بے پردہ ہوگی بیٹھ کر مردوں میں مردانی

ہر اک جانب سے جب اس پر هجوم عاشقان ہوگا
 کہے گی یہ کمر اور کس کس سخت کی نگہبانی
 رہے بھی قہر دریا میں نہ دامن بھی ہو تر ہرگز
 بعید از حد امکانی بعید از عقل انسانی
 گر فائدہ شب سے شب دیگر نمی ماند
 رہے گی تباہی مردوں میں ہر پاک دامانی
 محبت کی نگاہیں خود بلا کا جذب رکھتی ہیں
 پھر اس پر صنعت قلب و الفعال صبح نسوانی
 بہاں دیکھا کسی پر شوق نے ناوید نظروں سے
 دل نازک تو عورت کا وہیں ہو جائے گا پانی
 گریزاں چاہنے والوں سے عورت رہ نہیں سکتی
 کہ قدر قدر الہی بے انتضائی طبع انسانی
 جہاں سے بے خبر ہوتا ہے اے طعنہ زن مہر
 بڑے غافلات المومنانہ کی صف نسوانی
 مہر دنیا کی سب کچھ ایک اک بے خبر بالکل
 جہاں دیدہ مہر اور مہر شوہر دیدہ مہر
 بہت دن تک تو نے آئے مغربی شمع
 علاج آبِ دل کب تک اٹھائے گا پریشانی
 مسلمانوں کے ناوا وقت تاریخ اے نادان
 یہی نافع ہوئے ہیں لشکرِ طیبِ یونانی
 نہ نہیں ان پر نہ ہنس ان پر برت کر دیکھ تو ان کو
 نہ پھر امراضِ جسمانی نہ پھر امراضِ روحانی
 ہوئی ہے اور نہ ہوگی اور نہ ہوکتی ہے اے مہر
 ترقی اس طرح چل کر خلافتِ حکمِ ربانی
 لگو ملا بس اپنے کام میں کیوں قت بھی کھویا
 اچھی ڈالو گے تم چکے گھڑوں پر تباہی پانی

حقیقت حقیقت

(از مٹر)

بجواب حقیقت

مری فکر رسوائے نعمت غنائے یزدانی
جہالت کی شب تاریک میں شمع شبستانی

حقیقت کی حقیقت بھی ذرا دنیا کو دکھلائے
کہ رہے اول سے آخر کثرت جہل نادانی

جواب جاہلاں باشد خموشی جاننا ہوں میں
مگر اس وقت یہ ہو جائے گی تہسید نادانی

جہالت کی نظر آئے جہاں چھائی ہوئی ظلمت
ضرورت ہے کہ روشن ہو اسی جاشمع نورانی

اے ہزیاں سرائے ”پردہ غیرت“ یہ پھر کس نے
رسائی سے ہے تیری دور اورچ پاک دامانی

اگر تصویر غریانی تھی نظم ”پردہ غیرت“
تو یہ نظم ”حقیقت“ بھی ہے اک تشریح نادانی

پریشاں عقل و دانش کو کیا ہے یوں تعصب نے
کہ رخصت ہو گئی ہے تھکتے سببیب انسانی

اے بس یہ انتہائے فکر ہے تیری آنے والی
نقاب رخ سے وابستہ سمجھ لی پاک دامانی

سمجھ کا پھیر ہے اد و دشمن ادراک یہ درد
کھلا رکھنا نہیں چہرے کا کچھ تہسید غریانی

اگر دعوے کیا ہے تو ہم پہنچا ثبوت اس کا
جہاں لکھا ہے یہ بتلا تو وہ آیات قرآنی

۱۳ یہاں سے مٹر پھر تلاقوان کی نظم حقیقت کا جواب دیتا ہے

کہا ہے طنز میں مہر چسے وہ مولوی بھی ہے
 پڑھی ہیں اس نے تفسیر سب آیات قرآنی
 خدا نے ست پر اسلام ہے پیر ہے مذہب کا
 فوڑاں کہہ دل میں ہے اس کے شمع نورانی
 اٹھا کر اپنے دل میں درد جھوتے ہیں والے آنسو
 مسلمانوں کی جب وہ دیکھتا ہے ناموسلانی
 بڑا کہتا ہے کیوں تسلیم انگریزی کو اے ناداں
 اے اس کو بن جاتا ہے ذرہ مہر نورانی
 گھٹا چھائی تھی خلعت کی اندھیرا ہی اندھیرا تھا
 نظر سے چھپ گیا تھا حسن نور شمع ایامی
 چھنی تھی کشتی اسلام انہوں پر تعصب میں
 کہ بچنا ڈوبنے سے تھا بعید از عقل انسانی
 یکایک مغربی تسلیم آئی روشنی لے کر
 فنا ہونے لگا دنیا سے ددرجہ ہل نادانی
 سکھائی طرز نقد تبصرہ اس نے زمانے کو
 کوئی پرکسا جانے لگا ہر قول انسانی
 گئے وہ دن جب تم اپنے کھڑے ہی سمجھتے تھے
 زیادہ تم سے کر سکتے ہیں تم تفسیر قرآنی
 عوام الناس تھے تازی زبان سے بسکہ واقف
 دیتے دھوکے پہ دھوکے ان غریبوں کو آسانی
 بتایا طبقہ نسوان کو پہلے عقل سے خارج
 گھروں میں بند کئے پھر بنایا ان کو زندانی
 ہوا ہوجان پیدا نفس شیطانی سے جب دل میں
 تو اپنے حق میں جائز کی ہر اک شے کی فراوانی
 ہوا اگر معترض کوئی بشر آزارہ محمد ردی
 تو وہ محمد ہے پھر باقی کہاں شانِ مسلمان

مسلمانوں کی حالت کس لئے اتنی ہوئی ابتر
 نظر آتی ہے کیوں افلاس کی ہر طرف فراوانی
 پہنچ کر منزل مقصود پر اغیارِ شادان ہیں
 سہراہ ترقی میں ہیں غم اور رنج و حیرانی
 سب اس کی اگر پوچھو تو ہیں غم ایسے ملا ہی
 جو انگیزی کو کہتے ہیں خلافتِ حکمِ قرآنی
 خلافتِ قتول سرسید نے کالج جیکر کھولا تھا
 بنایا تھا اُسے بے دین محمد اور ہندوستانی
 لکھا ہے حضرت عدنانے بھی کیا خوبتِ مصرع
 "ہو واجب کفر ثابت ہے وہ تمغائے عثمانی"
 چراغِ بوشش لکھا ہے تو اس کُفر کو کرنا داں
 یہ سب منشا ہے قرآنِ تمہا یا منشا ہے نفسانی
 کہاں تک میں تجھ کو بتاؤں ہیں باقی یہ تفسیری
 کہ ہے یہ دوستان پکے مسلمانوں کی ضولانی
 اُسے نادان پھر دنیا میں توڑی ہی کیوں جاتی
 جو قیدِ پردہ ہوتی اقتضائے طبع انسانی
 بہت ہی پست ہے پردہ مرغِ عقل کی تیرے
 تراپائے نظر ہے بستہ زنجیر نادانی
 بہم تیرہ دلی روشن دماغی سے ہونا ممکن
 تراہر قول نادانی تیری ہر باتِ بدیانی
 مگر پکے مسلمان طبع انسانی کے ہیں مظہر
 زمانہ بھر ہوا ہے مبتلائے نوائے حیوانی
 نہیں ہے اصل سے کچھ تعلق تیری باتوں کو
 تری کج میں نظر ہے مرکزِ اوجہ نادانی
 خیالِ روشنی اُسے تیرہ دلی جس کو بتایا ہے
 کیا ہے تاب کے کراسٹے روشن نورِ ایمانی

یہ آخر اختلاط مرد و زن کیوں پریشان ہے
 تری چشم ہوس سے ہے یہ سب جہان نضانی
 زمانہ کر دین لیسما ہے رخصت ہو گئے وہ دن
 جہاں میں جبکہ عورت تھی فقط طرف ہوس رانی
 برابر حیثیت مرد اور عورت کی ہے دنیا میں
 یہی لکھتے تھے اس میں یہی ہے حکم ربانی
 بہم کیا مرد و زن میں پاک اُلفت ہو نہیں سکتی
 وہ بل سکتے ہیں دنیا میں بلا غرض نضانی
 سمجھ میں تیری یہ باریک نقطہ انہیں سکنا
 نہ ادراکِ نظر تجھ کو نہ فہمِ جذبِ نسوانی
 ہے گولر کے بھگنے کی طرح محدود دنیا جب
 تو پھر دُسعستِ نظر میں آئیں سکتی بکسانی
 خلاف عقل مرنا سر ہے یہ مجذوبِ عجب کی بڑ بھی
 ہمیشہ مشورہ جس کا ہوا حیرتِ پشیمانی
 پُرانی یہ دوسیں ہیں نہیں ان میں اثر باقی
 نہ ہونا دیکھ اس راہ میں سرگرم جلائی
 نئی تہذیب نے آکر سکھائے معنی یہاں
 خلاف اسکے جہادِ عقل کے دشمن ہے نادانی
 مرے مردوں کو سونے دے قبریں کھود اب انکی
 ہوئی مدتِ رخصت ہو چکا دنیا سے ناکانی

عرض حالِ بجوابِ شکایت

بصیرت چور کی ڈاڑھی کا تنکا ہو گئی بالکل
 خطابِ عام پر در نہ ہو شکوہ ہے نادانی

مے غلام نے جو مٹر سے شکایت کی تھی اس کا جواب مٹر میں دے رہا ہے ۱۱

نہیں ہے پردہ رنگ تو صتب جن کی آنکھوں
 سمجھ جی کر پڑھا کرتے ہیں وہ کیا ست قرآنی
 جہالت کا نہیں ساء پڑا ہے عقل پر جس کی
 ابھی تک جن کے دل میں ہے عیاں ان مسلمان
 نگاہ حق نگران کی نمایاں کر چکی ہو گی
 بصیرت کی ممانت "پردہ غیرت" کی عرفانی
 چراغ صبح گاہی کی جھلک ہے "پردہ غیرت"
 عبت اس نفس فانی کو کہا نقش سیمانی
 فروغ "پردہ غیرت" بچے گا کیا "بصیرت"
 نہ چھوڑے غس غاشاک کو بہت ابھولانی
 بات ابوں تجھے اک بات موٹی سی جو تو سمجھے
 کہ اپنے من میں مٹا رہا ہے بنا سخت اورانی
 جسے تو خاک سمجھا ہے وہی کھن گواہ رہے
 تری آنکھوں میں یوں جھونکا کہ کم تو تیری حیرانی
 لے لے لاداس ہی تو فرق ہے انسان جہن میں
 کہ وہ آقا ہے اور یہ بندہ احسان نفسانی
 جہازوں تجھ سے پیدا نہیں اگر بد ہیں تو کیا ڈر ہے
 انہیں دنیا میں کچھ حاصل نہ ہوگا خبر پیشینی
 مطیع نفس شیطان کی نظروں کی لے بد ہیں
 ضیائے عصمت عتوت بنا دیتی ہے عرفانی

غیر طرح بہ حمایت ملا

اس آزادی میں کیا پابند شو ہر بیباں ہوں گی
 نصیب دشمن ہوں گی نصیب متاں ہوں گی
 یہی آزادیاں ہوں گی یہی بے باکیاں ہوں گی
 تو بس یہ بیباں پھر بیباں کیا دنیاں ہوں گی
 کریں گی ڈگریاں جس ملازم بیباں ہوں گی
 وہ خود کسپ معاش اپنا کریں گی کہیاں ہوں گی
 حرم دفتر بنے گا بیباں بھی اب میاں ہوں گی
 بجائے تخت اور پیرہنی کے میز اور کرسیاں ہوں گی
 درون خانہ بھی رو کر نہ کچھ پابندیاں ہوں گی
 کریں گی دید بازی گھر میں ہر شو کھڑکیاں ہوں گی
 یہاں تکسٹن کے بازار میں آزادیاں ہوں گی
 میسر نو کروں کوئی گیمیں اور رانیاں ہوں گی
 ہر تھاپر وہ اب بے روک تیر اندازیاں ہوں گی
 جاو عصمت و ناموس کی قربانیاں ہوں گی
 جمال اسبیاں ہوں گی شباب رانیاں ہوں گی
 سر مٹھیں بصد ناز و آواز انجمنیں ہوں گی
 بھلا غیروں سے یوں لوت کتب شوخیاں ہوں گی
 ابھی خوش فہمیاں ہوں گی پھر بد فہمیاں ہوں گی

۱۲ یہاں سے مونا کی حمایت کے اشعار ہیں مگر طرح ان کی اور ہے ۱۳
 ۱۴ حضرت مجددِ وقت صاحب کی یہ پیشگوئیاں سب کے فکیر و فہم صحیح ثابت ہو چکی ہیں ۱۵

ہر اک سے رفتہ رفتہ بے تکلف سبیاں ہونگی
 ابھی رسی طاق تیں ہیں پھر تواریاں ہونگی
 کہاں نہ نشینی؟ آبِ بزمِ ہر آسیاں ہونگی
 جو آبِ نمک جانِ شوہر تھیں وہ آبِ جانِ جاناں ہونگی
 پھروں گی ماری ماری گاہے یہاں گاہے ہاں ہونگی
 وہ جب بے پردہ ہوں گی کشتی بے پادیاں ہونگی
 چراک سے دل لگی ہوگی ہر ایک سے شوخیاں ہونگی
 وہ کیا پردہ نشینوں کی طرح افشردہ جاں ہونگی
 کہاں کی سادگی بڑھیوں میں بھی رنگینیاں ہوں گی
 حیا کس سے؟ کس بازار بھی اٹھکیلیاں ہوں گی
 بلا اندیشہ بارخِ حسن میں گل چینیاں ہوں گی
 بہ عظیم باغِ عباس ہوں گی بہ اذنِ مالکاں ہوں گی
 سینے کا پاک پیرس گر یہی شو قینیاں ہوں گی
 جو کوناری ہیں میں جو یگیں ہیں لڑیاں ہوں گی
 بلا کی مستیاں ہوں گی غضب کی شوخیاں ہوں گی
 گھٹائیں پانی پانی نوسٹ ان پر بھدیاں ہوں گی
 اب الٹی سبیاں ہی شوہروں پر حکمراں ہوں گی
 ترقی کر کے وہ مہینی زمیں سے آسماں ہوں گی
 پسند اب ایہ لگا سایہ پسند اب لڑیاں ہوں گی
 کہ دینی وضع میں ایسی کہاں مڑیاں ہوں گی
 ابھی سے لڑکیوں میں اس قدر رنگینیاں ہوں گی
 تو جب میں گی یہ بالغ تب تو تیغِ خوفشاں ہوں گی
 ذرا خائف نہ وقتِ نصرت اب کھاریاں ہوں گی
 وہ فنِ اں ہوں گی صحبت یافتہ ہوں گی راز ہوں گی
 جب ایسی شوخ دیدِ چھٹ پنہ میں لڑکیاں ہوں گی
 تو آفت ڈھائیں گی جبت بڑی ہوں گی جوانی

اب اسٹیجوں پہ کر جلوہ منبر مایہ دیاں ہونگی
 جواب تک معنی پنہاں تھیں وہ اب سُر خیاں ہونگی
 غلط راہوں سے روکیں گی وہ چیت پڑ پڑ کے مردوں کی
 برائے اوج قومی عورتیں اب شیرھیاں ہونگی
 کہے گا ایک اگر شوہر سنا نہیں گی وہ ہوا سکو
 سراپا کوشش تھیں اب سُر تاپا زباں ہوں گی
 بدل جائیں گی رسمیں اب نیا دور آئے گا ایسا
 کہ پہلے بھینس ہو جائیں گی پھر شادیاں ہوں گی
 پھر سینکے کو کو پرندہ میں خود حسبِ وہ دکھلائے
 نہ پوچھو کیسی کیسی حسن کی اب غباریاں ہوں گی
 مس بن کے ساتھ اب سٹروں کے لڑکیاں ہونگی
 وہ صاحب لوگ ہونگے اور یہ صاحبزادیاں ہونگی
 بڑھیں گے بانی اچھر بگا شباب اکھیاں ہوں گی
 گھٹائیں کسر پہ ہوں گی جامِ تنگے ستیاں ہونگی
 جوانوں کی طرح بڑھوں میں بھی شوقینیاں ہونگی
 کہ زلف پر شکن تو سر پہ منہ پر چھریاں ہونگی
 کسی دن بیویوں کی زنگ لائیں گی یہ تفریحیں
 بڑھے گا جب سرورِ دل تو پھر بد مستیاں ہونگی
 ابھی تک عورتیں کچھ عورتیں تھیں خاک کے تودے
 اب اٹھ کر کوہ اور پھر کوہ بھی آتش فشاں ہونگی
 لڑیں گے مرد آپس میں تو ہوں گی عورتیں باعث
 کریں گی صبحِ جہم تب بھی یہ درمیاں ہوں گی
 گر لیں گی یہ خالی دیکھنا سب کے خزانوں کو
 انہیں کے ہاتھ میں مردوں کی تپ کتیاں ہونگی

یہی بے شرمیاں ہو جی تو لٹیا ڈوب جائے گی
یہی ہیں بارشیں تو غرق سب کی کشتیاں ہو گئی

بصیرت بے بصیرت

جواب الجواب
حقیقت حقیقت

(اُڑاؤ!)

خلافِ پردہ کر لے پردہ در ہر سعی امکانی
وہ ہکائے نہ نہیں گے جن پر فضلِ یزدانی
اے اسے اس یوسفِ قلندش کی کہ نہ زندانی
کے جو گھر کے اندر رو کے عفت کی نگہبانی
اگر پردہ دروں کی لائے تم نے بیبوی مانی
جی بھی کہنا جو عزت پر نہ پڑ جائے گھڑوں پانی
چوڑائیں لاکھ تم کو پردہ در کہ کہہ کے زندانی
کرد پردہ میں شہی اس کو سمجھ نہیں سبجانی
ہوئی بے پردگی سے کسی گڈ بندہ انسان
کہ ماں منہ ہی ہے باپ افغان ہے اور بیٹی ہے منغلانی
لب نگین سب کے دانت ہیں دیکھو تو آرزو زانی
لگا ہے لوڑیوں کے مول آبِ لعلِ خشتانی
پسند اپنے لئے کہیں مرغِ غم خواہ بریانی
کہ خواںِ حسن پر ہے عاشقوں کی عمِ مہمانی
کوئی تھی اسیہ پنے میں کوئی مریم ثانی
بے نیکی اب کوئی شیطان کی خالہ کوئی تانی

لہٰذا یہاں پڑنا اپنا جواب دیتا ہے اور طیفی سے مٹری تردید کرتے ہوئے بے پردگی کی غرایاں بیان کرتا ہے

تھے جلووں کی یہ اے حسن بے پروا فراقی
 ہیں چشم شوق کو بھی شکوہ ہائے سنگ دامانی
 نہ اب نکھیں ہیں شیریں اب لعلیں ہیں طولانی
 کریں ایجاد اب شاعر نیا طرز غزل خوانی
 کبھی سنا بھی یہ مگر ہند نہ نصرائی
 طے غیروں سے کھل کر پھر جی صوٹ کس بھپائی
 مقابل میں ٹہر سکتی بھلا کیا وضع ملائی
 کہ ساری وضع ملکی اور سایہ وضع سلطانی
 ہوا کھا کر دبی آواز سے بولیں یہ شیخانی
 ٹوٹے پردہ پہ اب تو چاہتے اب گبرسانی
 ہوئی نام فخر صنف ضعیف اب ایسی مردانی
 دکھائی ہے یہ مودنا تو اس زور سیلانی
 ہیں کسی پیش کئی عورتیں اب جو کے مردانی
 لگے تہمت تھے ورنہ آئے دن امرض نسوانی
 کہاں تک اے ترقی عیش و عشرت کی فراقی
 قیامت ڈھلے گی ابدن تیرے ہی فتنہ سامانی
 ہوا ہے اب تو کچھ آزاد ایسا نفس انسانی
 نہیں بہر گنہ شرمندہ اغوائے شیطان
 کسی کو بھلائی صورت کسی کو بال ستانی
 دم لیا ہے کوئی چڑتا ہے کوئی پریشانی
 کوئی داس پیش کرتا ہے کوئی آنکھیں کھپاتا ہے
 کوئی کرتا ہے جاں صدقے کوئی ایمان کی قربانی
 کوئی ہے رُخ کا شیدائی کوئی زلفوں کا سودانی
 کوئی سہے مجھ حیرانی، کوئی دقت پریشانی
 گھری ہے چار سو اب ناز بزاروں سے ہر عورت
 بھلا یہ چار دیواری میں کب تھی شان نسوانی

چلو میں شکر عشاق ہے چپ چپ سے پردے کا
 ہوا ہے اب تو شاہ حسن کو شوق جہاں بانی
 پڑا ہوا بھلا وہ چہار دیواری کے اندر کیوں
 ترقی کے زمانے میں ردا کیسے تن آسانی
 یہ کب تھی شان پردے میں کوئی دست ہے
 کوئی ہے خیمہ مراں سے مشغول مگرسانی
 دھڑکے ہے گی قوم میدان ترقی میں
 کہ ستورات ہوں جس قوم کی جتنی بھی سیلانی
 بڑی ہی کشمکش تھی جان چھوٹی ابد مدت سے
 کھلی زمینت ہوئی عفت بکدوش جس گہبانی
 جہاں چاہا گذار دن جہاں چاہا گذاری شب
 کہیں نو مہر نورانی، کہیں شمع شبستانی
 سر بازار اب حسن کی دولت لٹائینگے
 علی الاعلان اڑایا جانے گا اب گنج پہنانی
 اس آزادی کی ہے کیسی ہوا معجز نما دیکھو
 نظر آتے ہیں صحراؤں میں پھرتے سر دیوانی
 مضر ہے پردہ صحت کو اٹھانا اس کا واجب ہے
 مرض ہوں روج کے لیکن نہ ہوں امراض جہانی
 وہاں بے پردگی کی کیسی عالمگیر ہے یا رب
 بچا اس سے نہ ہند ہی نہ شتر کی ہی نہ افسانی
 لیے پھرنا شریک زندگی کو ساتھ لازم ہے
 دلیل ترک پردہ واہ کیا سوچیں ہے لاثانی
 غلات عقل ملی ٹھہرا جو مستورات کا پردہ
 سر بازار رکھ دو گناں پھینک کو بھی جمیٹانی

نہ پاکستانی نہ پانے زمانے میں اس کو پسے رکھنے کی جگہ کہتے تھے اب بڑا کہتے ہیں۔

اگر بچ بھی رہا دن میں عقب لگ جائیگی شب میں
 دکھاتا پھر نہ ہسٹرسب کو مال اپنا نہ نادانی
 یہ مصداق حدیث آنکھوں سے دیکھا کہس نے میں
 کہ ہر عورت کے پیچھے پیچھے ہے اک غول شیطانی
 بتاں شعلہ رو کھول چار دیواری سے نکلے جس
 انھیں کیا چار شواب عشق کی ہے آگ پھیلانی
 نکالے بیویوں باہر آ کے کیسے پر پڑے
 یہی پردہ میں تھیں حران غیبی آب میں غیبانی
 دکھائیں بیبیاں دھوکہ پھر خوش خوش شہ ہے پردہ
 یہ سائے لطف ہیں آتی یہ سائے عیش ہیں لانی
 نتیجہ سوچ لیں غیب بہن پردہ درمی کا خود
 لئے پھرتی ہے بازاروں میں گل کو چاک امانی
 گماں ہے شیخ علی کے ابتلا کا پردہ اٹھنے پر
 کہ جیسے خود تو رکھتے ہی نہیں ہیں طبع انسانی
 مہذب بنے دینگی مسروں کو ہم بھی دیکھیں گے
 ادائیں دلربا، ہم نکمیں نشیلی، چال مستانی
 دکھانا پردہ در سے بھولی بھولی دھوکہ
 کہ باتیں کو مہذب ہیں مگر نفوس ہیں شہوانی
 عبث ہے قیل و قال اے مسلوب بحث پردہ میں
 کہ بس فرما چکا "قول شواب" اک مردِ خستانی
 کہاں تک نہیں رونا چاہیے بس اب دُعا کرنا
 عبث ہے مرثیہ خوانی کریں اب فاکھ خوانی

نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی ایک تصنیف جس میں قرآن شریف
 حدیث شریف سے پردہ شرعی کا ثبوت دیا گیا ہے ۱۱

ابھی سہ گستر رکھ مسلمانوں پر پردے کو
 سمجھ لے ان کو جو اسکے مخالف ہیں یہ نادانی
 دکھا باطل کو باطل ہی کو حق اور حق پر رکھ حسم کو
 بحق قطب الجیری بحق غوث جیلانی
 (آمین)

صدائے بازگشت

یعنی

”اظہارِ مذل“ جواب ”عرضِ حال“

جو کتنا ہے کروں کس راہ میں اب میں نہ جولاں
 تو کس برتے پہ منہ آیا تھا تو اب ہار کیوں مانی
 جلائی کیوں تھا تو اس راہ میں ازراہ نادانی
 ”چرا کا ہے کندہ حاصل کہ باز آید پشیمانی
 کے چھڑا بس اب چھپا چھڑا نہ سختی کی ہے
 ابھی دیکھیں کیا مسکے قلم کی تو نے جولاں
 چھڑا کر جان اب جھاگانی پیہے ہی سے کیوں جاگا
 یہ رستی ہے نہیں ناگاہ نہ ٹوٹے گی باسانی
 نہ چھوڑوں گا نہ چھوڑوں گا تیرا توڑوں گا
 جیسی کہنا نہ کروں آج اگر پستہ ترا پانی
 کہاں جلنے کا تو اودھم دبا کر بھل گئے دالے
 بھل آیا ہے اب میدان میں شیرِ نیمانی
 کہیں چھپ لکے کروڑوں سے اب جان بچتی ہے
 نہیں یہ جنگ کو ہستیاں لڑاتی ہے یہ میدانی

۱۔ یہاں سے قلم کے عرض حال کا جواب دے رہے ہیں اور مٹر کی تردید کرتے ہیں کہ
 اب مٹر کو چھپا چھڑا نہ شکل ہو گیا ہے۔

زانما سمجھ رکھا ہے تو نے مجھ کو اے مرثیہ
 جی تیری یہ جرات ہے یہ بیباکی یہ تسانی
 میں چکڑ نہوں اگر چکڑ پنا کوئی کرے مجھ سے
 مہذب ہوں اگر بننے کوئی تہذیب انسانی
 صفائی جانتا ہوں پالیسی مجھ کو نہیں آتی
 درکھوں گا لگی لپی کہوں گا بات حقانی
 مہذب گالیاں تیری طرح دیتا نہیں آتا
 سنا ما کوری کوری جانتا ہوں میں ہوتا
 مقابل میرے وہ آئے بڑے آئے ہوں ان چکے
 لڑائے وہ زبان مجھ سے کہ جس کو منہ کی ہو کھانی
 نہ چھینے گا کسی نلا کو تو اب عسکر بھر گز
 مجھے تو آج مرثیہ فہم تجھ سے ہے کھلوانی
 جویوں حر بات پر تو ڈانٹ لیتا ہے سبب یہ ہے
 کہ میں بے زہنوں تیرے پاس زر کی فراوانی
 میں ہو کہ سنات میں کم بس ہی تو بات سے مرثیہ
 کہ گیل میرا پیشیں ہے دوشالہ تیرا الوانی
 گدا مجھ کو سمجھ کر تو نہ ڈانٹ لے بد زباں بد خو
 شہانہ رکھتا ہے خود تو یہ میرا فقر ساسانی
 مقابل حق کے جب آیا اگر تو مسکے بل اوڑھا
 نہ بھڑ مجھ سے کہ میرے ساتھ ہے تائید بانی
 میں حق پر تو ہے طہل پر نہ بس دراز مانی کو
 مرا ہے آج ہی خیرہ اچھ ہے حرسانی
 الہ مجھ سے نہ ہرگز تار مار اک دم میں کر دوں گا
 یہ سب مرثیہ راز بخیرۃ صد تار شہزادی

نہیں کرتا ہے واروں کے الجھتا ہی ہے یاروں کے
 تو لے پھر دیکھ تیں لے رستم دستاں کی دستانی
 مجھے "ہڈیاں سرز" اور جانے کیا کیا جب کہا تو نے
 تو سسکے وہ بھی جو میں نے حقیقت تیری پہچانی
 خط پر نام پر اس پر غصہ ہے جو مسٹر کو
 مگر کچھ دال میں کالا بنے مرنے ہے کہیں پانی
 کسی نے سچ کہا ہے یہ کہ تنگ آمد بچک آئے
 کرے تو اور کیا کر چکا جب ہر سہی ہکانی
 تیرے غصہ میں خود تیری شہرت فاش مضمحل ہے
 ہولی برق خرمن کا ہے خون گرم دھت نی
 کہا مسلم کو جانیں دھپ لگے کامنہ سنبھال اپنا
 اب جہل زمانہ بس گجھار اپنی نہ لغتانی
 جہاں میں اور چلتے مرد و عورت ہیں سب اجمن
 "مسٹر" اور "مسٹر" دوہی تو میں نہ نرانا، فرزانی
 خلاصہ ہاں تیری تعلیم انگریزی کا نہیں سمجھا
 یہی دو لفظ تجھ کو یاد ہیں بس جہل نادانی
 بدنی بدنام تجھ جیسوں ہی سے تسلیم انگریزی
 زباں ہونے کی حیثیت سے کس نے وہ ہری جانی
 جو تھے اسکے مخالف تھے ہی ان کی نظروں میں
 کہ مذہب آج ہے منجمنہ اوہم انسانانی
 بڑا تو بے تعصب بن رہا ہے کہ قسم کھا کر کہہ
 کہ کالج کے ہیں کتنے تابع احکام شرآنی

میں ایسے خطابات کی بھر مار ہے جس میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

نہیں کچھ دین سے مطلب مگر بخشش میں دے کی
 وہ تقریریں ہیں جیسے آپ ہی میں ہیں کہ بنی
 جواز بے حجابی کی ہے دھن در نہ اچی توبہ
 کہاں بستر کہاں دینی کتب کی صفحہ گردانی
 جیسے دیکھو وحی کوشش میں ہے پردہ اٹھانے کی
 اسی پر ان دنوں سب سے زور مسلمان
 اے اوبے جانیرت آئی تجھ کو یہ کہتے
 کہ مغرب کی ضیاء سے بے منور شمع ایسا
 مسلمان تھے سوچیں بھی تو بس اب مغرب میں
 مسلمان مسلمانوں کی ٹھیریں نامسلمان
 اسی بار کی سنی پر لکھا ہے تو نے یہ نکتہ
 نئی تہذیب نے سکھائے ہیں معنی پنہانی
 تجھے مغرب کی برقی روشنی نے کر دیا اندھا
 نہ جھٹلا "بُخْطَطُ ابْصَارِہُمْ" ہے نص قرآنی
 اے اعلیٰ انہیں آنکھوں پہ بے غوی بصیرت کا
 جھلا اے بے بصیر مغرب ہے یا مشرق ہے نورانی
 نئی جو روشنی ہے ناپے اس کے نہ ایمان کو
 اڑے ٹھس جائے گا جو ہر کہ یہ صیقل ہے سوانی
 تعصب جس کو تو سمجھا ہے وہ ہے قوت ایمان
 رفا داری جسے کہتا ہے وہ ہے ضعف ایمانی
 ترقی کی بوس میں تیرے ایمان کی ہے حالت
 کہ جیسے کوئی ڈانوا ڈول ہو کشتی طوفانی
 ترقی دیکھنے غائب ہیں سب ہلام کے ارکان
 ہوا پر آب معلق ہے یہ قصر سینچ ارکانی

میں بستہ ہوں اگر زنجیریں جل تو صبح کے
 ترے ہیں منتشر دھل اہل یقین اجڑائے ایمانی
 اے پکے مسلمان ہیں وہی جو حق پہ قائم ہیں
 انہیں چاہے کوئی خطی کہے یا کوئی بھڑیانی
 رسول اللہ کو بھی ناسمجھ مجنوں ہی کہتے تھے
 کہ جن پر خستم تھی مثل نبوت عقل انسانی
 دیتے ہیں تو نے جتنے بھی لعبے برباں ہم کو
 وہ ہیں مستبک خیر الوری اور فضل یردانی
 اے سن تو کڑوٹوں سے تو پھر اچھے ہیں کھٹھنٹے
 خدا نے بخش تو رکھا ہے ان کو نور ایمانی
 جو ہیں گور کے بھگے مجھڑوں سے پھر عنایت ہیں
 وہ بالکل بے ضرر یہ دشمن خو خوار انسانی
 یہ مجھڑی تو اڑا کر دبا پھیلاتے پھرتے ہیں
 فساد دیں کے تجھ جیسے ہی تو آزاد ہیں بانی
 اگر تمہیں مجھڑ کی خلافت شان مر سٹر ہو
 تو اک تشبیہ ثانی بھی مجھے سوچھی ہے لاثانی
 کہوں مجھڑ نہ چھوٹا سا کہوں اک سانڈ موٹا سا
 مگر اس کی سی آزادی بھی ہے اک خرمے حیوانی
 اے لڑکھائی مثال اک اور اچھی سی
 جسے اہل ہوس دنیا کے مانیں گے باسانی
 کہا کرتے ہیں وہ خود ہی کہ ہم دنیا کے کہتے ہیں
 بہت مر سٹر کو ہے کتوں کا شوق اس نے بھی مانی
 چلا آتا تھا کرتا اسپ تازی کی سوتیلی فتن
 قریب آیا تو کیا دیکھا کہ اک خچر ہے پالانی

چلا آتا ہے لوہے اس شان سے پہنچے ہوئے مسٹر
 چلا آتا ہو جیسے منہ اٹھائے اُونٹ کو ہانی
 ترقی کے پتھر سے کہاں پہنچا ہے مسٹر بھی
 یونہی ذوق میں ہو روز افزوں نادانی ؟
 جو کی ہیں اپنی تعریفیں ترا ہی قول دہراؤں
 کہ اپنے منہ میاں مٹھو ہے بنا سخت نادانی
 دشنام ہے فکر تیری ہاں ہی ہے بات چھوٹا منہ
 ذرا سا قدر کر رکھتا ہے تو بستہ ذوق طولانی
 اُڑے او قطرہ ناپاک او کم ظرف ادب لے باک
 یہ کیا میں تو خس و خاشاک تو بہتا ہوا پانی
 کہاں کیچڑ، کہاں سنبل کہاں مینہ کی کہاں نبل
 کہاں مہر کی ٹڑ اور کہاں میری خوش البانی
 کہاں تیری حق پوشی کہاں میری یہ حق کو شنی
 کہاں تیری شر و ریزی کہاں میری گل افشانی
 کہاں حق اد کہاں باطل تری کوشش ہے لاف
 کہاں میرا یہ جذبہ دل کہاں تیری یہ ستانی
 میں حق پر اور ضد پر تو نہیں تجھ میں سمجھ کی بو
 کیا باطل نے بھی آنکھ تھو مگر بھر بھی نہ سمجھ مانی
 چراغ صبح گاہی پردہ غیرت کو تو سمجھ
 بچے ہاں دیدہ خاشاک میں کیا مہر و زانی
 یہ شب ہے تصویر عذابی مگر کس کی اسے تیری
 جی بھی تو دیکھ کر اس کو ہے تو اک نقش حیرانی

اُسے ادبے بصیرت اس میں ہیں ضاعیاں وہ
 کہ اک تصویر حیرت بن گئے بہ سزا اور مانی
 نہ ہو جس آنکھ میں اُسے کو رہا ظن پر وہ عنبرت
 بصیرت اور حقیقت اسکی ہے اک دام شہنائی
 بصیرت میں جو نادانی حق تیری اسکو کھولا تھا
 حقیقت کو بجائے تو نے کہا تشریح نادانی
 ترا تھو کا ہوا تیے ہی منہ پر آپڑا دلکھ
 فلک پر تھوک کر تجھ کو ملا کیا جز پشیمانی
 بصیرت کو نہ کہہ کل الجوا ہر اہل بینش سے
 پکھ لیتے ہیں وہ گنم مذاں کو بآسانی
 ہنستا ہوا دامن کہ مرغ عقل نے میسے
 نہ پایا ہاں نہ پایا تیرا اور چ پاک دامانی
 پہنچتی ہے تری فکر رسا ہی اس بلندی پر
 مثال تیر جہستہ بعد سرعت بآسانی
 ذرا تو دیکھ تو منہ ڈال کر اپنے گریباں میں
 نقاب رخ سے ہی البستہ ہے ہاں پاکہ لمانی
 اُسے چہرہ ملی تو سارے بدن کی ناک سے گویا
 بلا کا جذب لکھتا ہے یہ قنطاریس سودانی
 بجائے دکشی نفرت تو ہوائے پرہ در پیدا؟
 یہی ضد ہے تو بہتر ہے نقابی کہے عریانی
 جو کہتا ہے کہ مرد و زن میں جو سکتی ہے پاک لفت
 وہ مل سکتے ہیں دنیا میں بلا غرض نفسانی

تو سن لے پناہی، اک شمر منجھے سے سنس غزن کا جو
 تھے جذبات پہاں کی ہے اک تصویر عریانی
 نظر آتی تھے زیرِ سرخی "جذباتِ عالیہ"
 برہمنوں نے "بصیرت" جلوہ گر ہندو دھرمانی
 لگاوٹ کی نصرت نے ہائے ظلم ذبح کر ڈالا
 اسی میٹھی ٹھہری نے نگوئے کر ڈالے مرے دن کے
 انہیں جذباتِ عالیہ پہ مجھ پر تیری چوٹیں ہیں
 بنایا ہے مجھے بد میں مری فطرت کو حیوانی
 متعس مولوی پکا مسلمان اور عارف تو
 میں کچھ ہیں جاہل نادان، مطیعِ نفسِ شیطانی
 نہ جھٹو مرد و عورت میں یہم میلانِ فصری ہے
 یہی انسان کی فصریت ہے، یہی فطرت ہے انسانی
 مری حند میں بہ بیت کا توکر نہ تو انکار
 نہ تجھ کو شرمِ دنیا کی نہ تجھ کو خوفِ رہائی
 مکر زیادہ کر میٹھی چھری کے زخیم کا ری کو
 ارے اپنی کہی تو مان اگر میری نہ کچھ مانی
 نہیں "شیر و شکر" تیرا ب اور سوڈا، ہیں مردوزن
 یہ میں سکتے نہیں ہرگز بلا میحب بن نفسانی
 قیامت ہے غضبِ آگ کا اور چھوس کا ملنا
 یہ باہم اختلاہ مردوزن ہے سخت نادانی
 جو کچھ کثرتِ نظارہ کر دیتی ہے کم جس کو
 تو کیا بالکل مٹی پھر جاتی ہے گی خوئے مردانی
 پڑیں گے نیل و تکلیف میں زخموں سے بھی ہدر
 ہدف پر پڑتے پڑتے کُنہ ہو گو لوک پیکانی

جو تھا روئے سخن تیرا سوئے بے پردگانِ سرسبز
 تو کی ہے ادنیٰ سے قلم نے گوہراشتانی
 حقیقت پھر بھی کچھ بوسیدہ لڑنے کو لدی ساری
 ہوا جاسے باہر اُف ترا جو شس ثنا خوانی
 بڑا عارف بڑا تو محرم اسرار ہے اُن کا
 کہنے میں واہ واکیا کیا بیاں اوصافِ تنہائی
 سراپا پیکرِ صبرِ رضا ہیں بامروت ہیں
 بالفاظِ دگر بے عذر ہیں تاحسبہ امکانی
 یہ باور آ گیا مسم کو یہ ہلک سچ کہا تو نے
 انہیں کے دم سے قائم ہے ہی شانِ سلطانی
 بڑی گہری یہ کب دی بات تو نے کیوں ہو سرسبز
 رسا ہے فکر تیری تو نظر رکھتا ہے معافی
 یہ الفاظِ معافی خمیز یہ طرزِ بسیار تیرا
 سخن گوئی پہ تیری محو حیرت ہے سخنِ دانی
 سلیقہ نظم کے لکھنے کا ہو ایسا تو شاعر میں
 تجھی سے چاہیے اہلِ قلم سیکھیں سلطانی
 عجب الفاظِ ذو معنی میں کی ہیں تو نے تعریفیں
 کہ تیرا خضم بھی تو ہو گیا قابلِ بآسانی
 عجب رکھتا ہے توحید سرائی میں یہ بطلوئے
 نہ ذوقِ اشعار ایسے لکھ سکا ہرگز نہ فنا فی
 ترے الفاظ بھی شستہ معافی بھی ہیں ناگفتہ
 فصاحت تیری فردوسی بلاغت تیری سبحانی
 ترے اس پیکرِ صبرِ رضا علم و مروت کی
 کہے ترکیب کویں کر دنگ ہے بخوبی جڑ جانی

"چہ نسبت خاک را با عالم" اسکو کہتے ہیں
 کہ مسٹر کر رہا ہے حیاتِ تقسیم کرانی
 لگا رکھا ہے ٹوپ اتنا بڑا لیکن سے سر چھوٹا
 نہیں کچھ علم سے نسبت مگر شملہ ہے طولانی
 برابر مرد و عورت کو بتایا اور یہ کہہ کہہ کر
 یہی لکھا ہے قرآن میں یہی ہے حکم ربانی
 ہے "وامون" بھی قرآن میں اُجھا بل اُس کہنا
 پڑا ہے علم نے با تفسیر سب آیات قرآنی
 نیا ہے مولوی مسٹر نئی تفسیر کی شاید
 کھڑا ہے ہاتھ جوڑے جو پیش صنفِ سنوانی
 ابا ہا یہ ترا علم و تجرید مولوی مسٹر
 ابو ہو یہ ترمی تفسیر دانی یہ ادب دانی
 نہ سمجھا کوئی تیرہ سو برس تک وہ کیا کہنا
 اگر سمجھا تو مسٹر معنی آیا سب قرآنی
 زمیں بدلی فلک گھوما کہ اب عورت ہے مقدّمہ
 فلک کو تو زمیں سمجھا زمیں تو نے فلک جانی
 برابر مرد و عورت کو تو سمجھا ہے تو نے مسٹر
 بتا پھر کون سی اس یا مسٹر تو نے نبی مانی
 نہ کہ کتبے و فتی پیچھے نہ رکھ آگے بڑھا اپنے
 امامت بھی تجھے اب چاہیے عورسک کردانی
 یہ کیا انصاف کیوں یہ فقط مردوں کی حق حاصل
 طلاق اب رتوں سے چاہیے مردوں کو دلائی

اب مسٹر ایسے قانون کے حق میں ہیں کہ طلاق کا حق عورت کو دینا چاہیے۔

جو ہیں آیات میراث و شہادت وہ نہیں ہیں کیا
 ارے اوبے خبر منجملہ آیات قرآنی
 جو یکساں عقل میں ہیں مرد اور عورت تو اے ناداں
 خدا نے صرف عورتوں کی گواہی کیوں نہیں مانی
 وراثت میں شہادت میں امامت میں نبوت میں
 کسی میں بھی ہے مردوں کے برابر حق نسوانی
 مگر ہاں مردوں نے دلوں میں حسبِ تعابیشک
 بلا تفریق ہو گا آخرت میں فضلِ یزدانی
 ارے دیکھا بھی کیسی منہ کی کھائی میں نہ کہتا تھا
 کہ ”بے اقرار نادانی یہ دعوائے ہمدانی“
 اسی جتے پہ کچھ قول سے یہ پرزور دعوے تھا
 زیادہ تم سے کر سکتے ہیں علم تفسیرِ قرآنی
 بڑا تو مولوی بننا ہے اپنی حد میں رہ مہٹر
 کسی مکتب میں جا کر بیٹھ پڑھ دستورِ صیافی
 بس اُبے غر بھر کو بانڈھ لے پتے مرا مصرعہ
 کریں مہٹر نہ ہرگز خبر است تفسیرِ قرآنی
 جو میں بے ستر مستوراتِ مشکوفات کہہ انکو
 نہ اب عورت کو عورت کہہ کہ اب عورت ہے مردانی
 بنا عورت کو اب آکر کسبِ معاش اپنا
 بہت دن تک بھی یہ نقطہ طرف ہو س رانی
 ارے باہر کے کاموں کے لئے ہیں یہ ہی مومنوں
 امورِ خانہ دار کے لئے ہے صنفِ نسوانی
 یہ تقسیمِ عمل اک سلسلہ ہے خود متدین کا
 اسی میں مصلحت دونوں کی ہے دونوں کو آسانی

برابر مرد و زن کو تو سمجھ بیٹھا ہے اے مٹر
 کرے گا ایسی نادانی نہ ایک طفل و بستانی
 نہ تھا معلوم فرق غالب و مغلوب اگر تجھ کو
 تو بحث فاعل و مفعول تو نے کیوں نہ گردانی
 بڑا تو مدعی انصاف کا ہے ہم تو جب جانیں
 مثلاً دے گی مرد و زن کے فرق فوقانی و تحتانی
 نہ کر عورت کی حق تعالیٰ برابر کی رہیں چو نہیں
 بہت دن تو نے چاہیئے اب اس سے
 ہمیشہ تو اسی کو اپنے زیر مشق رکھتا ہے
 نہیں کیا ظلم یہ تیرا نہیں کیا یہ ستم رانی
 روئے گا کس طرح فطرت کے تو اے سمجھ مٹر
 خلاف اسکے جہاد اے عقل کے دشمن ہے نادانی
 خلاف وضع فطرت ہیں نیری گوششیں باز آ
 نہ یکساں ہوگی حیثیت زناتی اور مردانی
 ہر اک مخلوق کو اپنی بنایا جیسا جی چاہا
 چلا نا عقل کا خالق کی حکمت میں ہے نادانی
 نہ دے تو دخل قدرت میں دے اصلاح خلقت میں
 غنیمت جان پیکر تجھ کو دے رکھا ہے انسانی
 دلیل اسی تو ہو سکتا ہے پھر تھوڑی سی کیوں جاتی
 جو قید پردہ ہوتی اقصائے طبع انسانی
 کبھی دے دیا مٹر ترا اے یا کر کیا کہتا
 یہ تیرا علم منطق اور تری یہ فلسفہ دانی
 رہا بارہ برس دلی میں لیکن بھاڑ ہی جھونکا
 پڑھا کالج میں اتنے دن مگر سیکھی تو نادانی

یہی منطق ہے تو "پھر قید میں لائی ہی کہوں جاتی
 جو ہوئی بے حجابی اقصائے طبع انسانی
 پُرانی جو دلیلیں تھیں سمجھ تھا اثر جن میں
 نئی تیری دلیلوں پر انہیں سے پھر گیا پانی
 گڑھے مرنے تو دونوں اکھاڑے فرق ہے اتنا
 تجھے سودا پسند آیا ہے مجھ کو میر خاقانی
 اسی پر فیصلہ جانو، ہمیں کہدو مسلمانو!
 "ہو واجب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
 تجھے سودا سے ہے فخر تلمذ ہزل گوئی میں
 جیھی تو بد نظر آئی مری تقریرِ حقانی
 پُرانوں کی ذرا تو سوچ کر تحقیر کو مِسٹر
 پرانے تو بہت کچھ ہیں صرف ایک خاقانی
 پُرانا تیرا پردادا، پرانی تیری پردادی
 پُرانا تیرا پرانا، پُرانی تیری پرانی
 پرانے چادلوں کو پا نہیں سکتے نئے چادریں
 پکالے ان سے خنکہ یک نہیں سکتی ہے برائی
 شراب کہنے کی تیزی کو پا سکتا نہیں سرگرم
 اکراؤں گو دکھاتا ہے بہت سوئے کا بھی پانی
 جو ہے ایسی ہی نفرتِ حمر پرانی چیز سے تجھ کو
 نہ اس دنیا میں بھی تو رہ بنا اک عالمِ ثانی
 ہری باتیں پُرانی تھیں پُرانوں کو پسند آئیں
 جیھی ہر شعر پر میسے تری مرمر گئی نانی

نکالا ہے نیا مذہب پرانی رو میں باتیں سب
 یہی ضد ہے تو بس پھر اب بنا ایک مصحف ثانی
 عبت کوشش ہے باطل حق و احقاقِ باطل کی
 کہ فرق حق و باطل کر چکی ہے تیغِ فرقانی
 کچھ منہ پھاڑ کر تہذیبِ اسلامی کو تو باطل
 اسی منہ سے کہے پھر ناز و دعوائے مُسلمانی
 پُرانوں پر جو بے پر کی اڑائی ہیں تو دیکھ اب تو
 نئی تہذیب کے بھی مرغِ زریں کی پُر افشانی
 نئی تہذیبِ لعنت تجھ پہ اور تیرے تصنع پر
 کہ ہیں شمعِ رنگِ یار جاں نثار و دشمنِ جانی
 وہ مادرِ استیں نکلا سراپا بغض و کین نکلا
 جو ہر دم خندہ لب تھا خندہ رو تھا خندہ پیشانی
 بھرے ہیں غارِ کینہ بغض و حسد دل میں
 بنار کھتی ہے ظاہر میں مگر صُوتِ گلستانی
 زباں پر لمبے چوڑے عہدِ پیمائیں ہیں مگر مٹ
 ذرا کسو تو جھکا کر دیکھ دل کی سُست پیمانی
 نئی تعلیم نے مانا بس یا مہرِ ذرے کو
 مگر اب آگ پر سائے گایا مہرِ توفانی
 نئی تعلیم نے بس نئی باتیں سکھائی ہیں
 کہ نادانی تو نادانی ہے دانائی ہے نادانی
 نئی تہذیب ٹولڈن سے حاصل کیے کیا آیا
 نظر آنے لگے سب اہل مشرقِ تجھ کو دہمائی
 کوئی فوراً خبر لے سخت نازک تیری حالت ہے
 تیرے اخلاط میں پیدا ہیں کیفیاتِ مہجانی

نئی سلیم نوجوان تازہ ولایت پلٹ تو
 مزاج عارِ سہمی بخار آیا ہم بھڑانی
 نہیں پوش براز و بول اس نوحوں پلا حول
 نکالا منہ جو بھی قول دے ہو وہ ہڈیاں
 زمانہ جب گھبرا مری ڈاڑھی پہ ہاتھ آیا
 صفا چہ تھا ہی کھجھٹ چیت میں دھڑانی
 بُرا عقل ہے تو مٹر مٹی کی بوجھ اک میری
 بناوہ کون ہے جس میں میں آدھا منہ لٹانی
 نہ ڈاڑھی ہے نہ ٹھیں میں عورت نہ ام ہے
 نہ زخم ہے نہ خشت ہے نہ عینی ہے نہ جاپانی
 مرا ڈاڑھی بڑھا لیسنا تو فعل و حشیانہ ہو
 جو موتے تو کھڑا ہو کر نہ ہو وہ خولے جوانی
 نہ ہو پر قینچ پہنے کوٹ اور پتلون اگر مٹر
 بنوں بغول اگر پہنوں میں شلوار اور شیر دانی
 یہ تیرا پھینٹنا ماشوں کا تو کار آمد اے مٹر
 گواک مغل ذالعیسیٰ مری تسبیح گردانی
 ڈانکری پہ خود اور ٹوپ رکھا پاس تجھ توں کے
 یہ اپنے سر کی مٹر خوب تو زنت بھجانی
 چھوٹے کھوٹے سید نہ جو عورت نہ ہڈی
 جو برف میں ڈھکی ہو وہ سدا چیل دانی
 کراؤں پردہ عورت سے تو میں بیڈا و ظم
 دکھائے تھیں اور سینا تو تو ہم دہلوانی

سکھائے لڑکیوں کو فن موسیقی تو نوحہ قلم
 میں دُور تعلیم دیں ان کو تو ٹھیرے چلے نادانی
 بٹے عورت مردوں کو وہ بد حسن اور وحشی
 جو ناپے ساتھ غیروں کے تو یہ تہذیب انسانی
 جو سب کے سامنے لے نکھتی ہوئے وہ شائستہ
 چھپائے جو نظر بھی پیار کی سب سے وہ دہائی
 ستر بازار ٹہلیں مرد و عورت علم بغل ہو سکر
 بریں اخلاق نفیر نف پر تہذیب شیطانی
 نئی تہذیب نے شائستگی کو وہ ترقی دی
 کہ پہنچے درجہ تکمیل کو اخلاق انسانی
 اگر ہماں کوئی آیا تو اپنے اپنے ذمہ کی
 مہاں نے دن کی بیگم صاحب نے شہ کی ہماں
 مسز کو چھوڑ کر مسز سفر میں جائیں بے کھٹکے
 کہ خر خدمت کچھ ہے موجود خدمت گار رمضان
 کہاں پیر مٹھاں ملا کہاں مسز بس اک لوٹا
 اب الوقت ان میں نقل ہے تو اب الوقت ہے ثانی
 مسز کس ناویں ہے اس کو ملائی ہے کیا نسبت
 وہ اک قاصد لہندی اور یہ اک سنجیدہ پیرانی
 سر باز و سماق و سیرہ زانو سبھی کھولے
 ترقی آو ہاں تھوڑی سی اے تہذیب نسوانی
 باتن سمیت سیروں کھولے تن کے بیٹھے ہیں
 کلب ٹھہرنا ہے اک کو ہستانی و برقانی
 ہے و قہب عام گلستانِ خن اے عاشق و لولو
 اندام مرد و آٹو، ناشپاتی سیبِ خوبانی

جھکتا ہے بدن کندہ سب ریختوں میں
 مسوں کا رقص ہے یا پار کا اک اور خبانی
 میں سمجھا کچلی میں سانپ ہے ناگاہ جب دکھا
 مسز کا کالا کارنگ اور پیروں کی تابانی
 نظر آتا ہے یوں گورا بدن شفاف کپڑوں میں
 مہرا تو جیسے شیشی میں کسی کا بون حبیبانی
 کہاں غریبیاں وہ گلرخوں کی گرمیوں جیسی
 نظر بازوں کی ہے فضل غزال فضل زمستانی
 تماشا ناچ گھر میں دوستو آج اک نیا ہوگا
 لگا کر مود کے پڑنا چنے نکلی ہے کونانی
 اگر سچ دج ہے میوں کی تو ہو صورت بھی میوں کی
 نہیں پوڑ تو لے منہ پر ہٹتی ہی ملتانی
 کوئی برق تپاں ہے اور کوئی ہے شعلہ لڑاں
 دلوں کو چھو بکے گی ناچ گھر کی آتش فشاں
 پٹاں ہے کوئی چرخ کوئی اور کوئی گھن چکر
 ہر اک رقصاں ہے اور چشم تماشا جو حیرانی
 مرے ہیں لطف میں عرش ہے گویا سب اس جا
 یہاں پہلے ہمیشہ چڑھیں تاریخ شعبانی
 وہی عورت ہے بونے بونی بونی جکی شوخی سے
 وہ عورت کیا نہ آتی ہو کمر بھی کمر کا
 خفا ہونے لگیں جب لڑکیوں کی بے جانی پر
 تو مٹھنے کہا سٹھیا گئی ہو تم نوشیخانی
 بلکہ تو لے بھڑا نکھیں کوئی ان شوخ چشموں سے
 پے باندھے ہوئے چاروں طرف ہے فوج مرگانی

خود ہی تو اسے خود اری تو وضع اب نہ تھے
 نئی تہذیب ہے اب اور نئے اخلاق انسانی
 نہ جب تک دل طیس جائز نہیں جسموں کا ملنا بھی
 بس اب اسٹنا ہیں پارے ساز و چین ہیں ثانی
 کہاں اب ست بازی ریل ہے حیلہ سازی ہے
 کہاں اب حق نوازی ہے گیادہ دور ہستی
 کبھی ایران کی ہانکی، کبھی توران کی ہانکی
 مگر جب غور سے دیکھا تو ایرانی نہ تورانی
 خود اپنے جرم کا بھی اب قسبے لازم اوڑھ لے
 پرانی اب کہاں ہے جسم ناکردہ پیشانی
 پہن کر بوستین شیر کوئی شیر ہوتا ہے؟
 پہن کر متوسط مشر تیر الزمانا ہے نادانی
 مثال آتی ہے اصل وضع پر بس تیے صادق
 کہ مضمون سب تو اڑو ہے مگر تحریر رومانی
 گر چھپنے پھر پ کیں مچھلیاں یا میں جتنی بھٹیں
 کوئی ٹوپی نہ چھوڑی تو سپنے ترک ایرانی
 کرے اب کوئی کیونکر استیلا ذاتی و اعلیٰ میں
 کہ عہد تو پیادے کا ہے اور وردی ہے کپتانی
 نئی تہذیب کو اسلام سے کیا واسطہ مشر
 دکھ دے دے کے دھوکے تو مسلمانوں کو نصرا فی
 غضب ہے عورتوں سے چھین کر اسلام کی شعل
 بنائی تو نے ان کی حسنما خذیل رہبانی
 بحمد اللہ خود اسلام ہے اک ہر سبر کمال
 مسلمانوں کو ہے غیبار کی تقلید نادانی

میں کیوں احسان لیں عزیزوں کی تیری طرح اے مرہٹ
 کوہرا بھی ہے اُچھی شے کی ہے گھر میں فروانی
 علامت ایک ہے اور وہ بھی ہاں اور پتھر مردوں میں
 مٹا ڈالے گئے ورنہ سب آثارِ مسلمان
 مے مرہٹ جو غربت میں توبے نہ لگائے کیونکر
 یہ ہو معلوم ہندو ہے مسلمان ہے کہ نصرانی
 مسلمانوں میں بھی اب کس کی صورت ہے مسلمان
 کسی کی ہندوانی ہے کسی کی ہے کرشنانی
 عجیب رنگ نہا ہے جسے دیکھو زمانہ ہے
 نظر آتی نہیں دنیا میں اب صورتِ حلی مردوانی
 ذرا دیکھو تو نیرنگی پھریں اب عورتیں تنگی
 کوئی ترکی ہو یا زنگی، کبھی سے ان کی بن جانی
 بڑی عاشق نوازی ہے ہر ایک کے دید بازی ہے
 یہ رسم خن نازی ہے گیا دورِ رستم رانی
 یہ بد اخلاقی تھی بے رحمی یہ بھی تھی ادا کوئی
 ادھر مٹہ پھیر لیں اور ادھر جانوٹ بن جانی
 نمازوں سے غرض کیا مرہٹوں کو اور اگر لگا ہے
 گلے پڑ ہی گئی توبے، صنوی ان کو رخصانی
 ہر اک راضی ہے لے جائیں جسے چاہیں زبور
 نہ کوئی فوجداری کر سکے ان پر نہ دیوانی
 نہ شاہد ہو نہ قاضی ہو منہ مرہٹ سے راضی ہو
 یہ رسم عقد ہے اک رسم دورِ جہل و نادانی
 جو تھی ہر طرح سے جانچی ہوئی لی ہے مرہٹ نے
 پڑی مٹا کے وہ ماتھے جو تھی حسانی نہ پہچانی
 نہ شوقی ہے نہ مہیا کی، نہ شوقِ مہینی نہ ریشمی
 پسند آنے لگی پھر کیوں بھلا مرہٹ کو ملائی

پسند کی وہ اسبیلی جو باتوں میں کھلی کھپی
 میں جب بیکٹ اور سیلی تو پھر کوئی کھائی نہ دینی
 بھایا اول، تول تو مسز نے خوب مسٹر کو
 ستایا ایسا ایسا بھوسہ کہ یاد آگئی نانی
 جو اسبیلی بھارت پر ملتا ہے شوہر کو
 جو منہ پہلے تھا کوزہ قند کا اب ہے ٹکڑا
 ہزاروں میں سے تو مسٹر مسز کو چن کے لایا ہے
 دکھائے پھر نہ کیوں دنیہ کو اس کا حسن لاثانی
 مسزین بٹن کے نکلے ہوئے، اور اسکی غرض کیا ہے
 بچہ اس کے کمرہ میں کھپے شہنشاہی کھلائی
 کلب میں سیر میں ٹینس میں سب میں ساتھ تھے ہے
 مسز کے بھیس میں اب ہے تراجم زاد شہنشاہی
 پڑنی تو نے باتیں ذکر کیں کس کس بُرائی سے
 نئی باتوں کی بھی اب مجھے کس سن فہرست طوفانی
 پڑنی اب کہاں باتیں سنئے دن میں نئی رائیں
 یہ دنیہ دوسری دُنیا، یہ عالم، علمِ ثانی
 نئی دُنیا، نئی بستی، نیا عالم، نئی ہستی
 نیا سکے، نیا ٹھپہ، نیا راجہ، نئی رانی
 نئی اُلفت، نئی چہرے، نئے ارمان، نئے دُعاں
 نیا جوڑ، نیا گھوڑ، نیا دانہ، نیا پانی
 نیا رہنا، نیا رہنا، نئی سچ، نیا گھٹ
 نئی بیوی، نئی بیٹی، یہاں سنی، وہاں عانی
 نیا عاشق، نیا دلبر، نیا ساقی، نیا ساغر
 نیا کبوتر، نیا بادل، نئی کھیتی، نیا پانی
 نئی انگلی، نیا جوہن، نئی چولی، نیا دامن
 نیا دولہا، نئی دلہن، نیا دھسکرا، نئی جانی

نیا کو چسپ نیا گھسپ نئی چو کھٹ نیا سر ہے
 بڑا چھوٹا برابر ہے ہر اک غرضتہ پیشانی
 وہ اہل زور ہو یا بے زور کھلے سر یا کھد برسہ
 لٹا ہے کھڑا گوسہ نئی ہے گوہر افشانی
 نیا مہمان نیا مسکن نئی تھالی، نیا بیگن
 نیا سالن، نیا برتن نئی مہماں کی مہمانی
 نئی ڈبیسہ نیا گریٹ، نئی پینل، نئی پاکٹ
 نیا صاحب نئی جاگٹ، نئی شانِ مسلمان
 نیا کاغذ، نیا خامہ نیا مضمون، نیا نامہ
 نئے اہلِ تسلیم ہیں اور نئی ان کی تسلیمانی
 نئی کل اور نیا آلہ، نئی گنجی، نیا آلہ
 نیاز جسم اور نیا بھالہ، نئی صورتِ موت سانی
 نئی لکھی، نئی چوٹی، نئی ہر چیز زینت کی
 نواب شرم، نواب می، نواب گھر میں تلے دانی
 نئے ہر روز کے عاشق، نئی ہر روز کی کوشش
 کبھی پوئی، کبھی سیلی، کبھی کاہی، کبھی دہانی
 کوئی گوری، کوئی کالی، کوئی ہنگی، کوئی کستی
 نئی گائیں نئی بھینسیں نیا چارہ نئی سانی
 مصیبتِ رات بھر جھپٹی لی کیا صرف اک دھیلی
 نئی سرسوں، نیا سیلی، نیا کوہو، نئی گھسانی
 نیا بوڑھا، نیا لک، نیا سودا، نیا گاہک
 غضب ہے سولہواں تو پاؤں اور جوتی ہے بگڑانی
 نیا دورِ مصافحت اور نئی ہیں اسکی ایجادات
 قلم تو لائے لائے اور چھوٹی سی مسلمان
 نیا منہ ہے نئی کپڑے، نیا مطرب نئی لے ہے
 نئی مستی، نئی مے ہے بڑی مستوں مے ستانی

نیا ہے اب تو پہنا وا قحط کھترس ہے اور گاڑھا
 نہ ڈھاکہ کی چکن اسبے نہ آب نخل ہے کاشانی
 یہ ہے گوجر ہم زرماتی تاتل تو نہ کرساتی
 اُسے جلد کی بھر ساتی تو ہو ٹھہرا کسبے چھانی
 اُسے کہ غصہ سباتی نہ ہٹ پلو ہے سباتی
 ملا ہے تابل ساتی بلا سے ہو بو پانی
 نئی اینٹ اور نیا روڑا کہاں کا بھر کہاں جوڑا
 جوشیر خشک انگریزی تو اوجوان خراسانی
 کسی کی نسل گویا ہے کسی کی نسل کاہی ہے
 کوئی تیرٹ سفید اور کوئی کالا غاص کرمانی
 کسی کا حسن اصل ہے کسی کا حسن نقلی ہے
 کوئی مٹی تو چینی ہے کوئی مٹی ہے مٹیانی
 نیا مذرب نیا مشرب بنے ملانے مکتب
 بدل ڈالے سریعتے سب پڑھوں کی بھی کچھ مانی
 بس اب نیسی ہے اور دفتر نئی مسجد نیا منبر
 یہ گٹ پٹ سی ہے کیا لب نئی تسبیح گردانی
 کبھی چسند کی لی جھولی کبھی گاندھی کی ہے زلی
 جو کچھ کرنی نئی کرنی نئی ہر باست فرمانی
 نئی انشاء نیا منشی نیا حاکم نئی پیشی
 نیا جھنڈا نیا فوجی نئی سلطان کی سلطانی
 خود اپنے ہوئے دشمن بنے اعدا نئی آل بن
 جو کچھ سوچنی نئی سوچیں جو کچھ ٹھانی نئی ٹھانی
 نئی انیتیں اب بین نئی شخصیتیں اب ہیں
 کوئی آبادی کا کوئی حق کوئی مہمتانی
 کوئی ناکام قسمت فتح کا خود باپ بن بیٹھا
 کسی علم آشنہ نے سرچ میٹ اپنی گردانی

ہر اک سنت نبویؐ کو گراپنے کو کہتا ہے

کوئی آزاد و سبجانی، کوئی آزاد و غمزدنی

نہیں ہے کوئی مسلم پاک میں ہندی نژاد آب کیا

کوئی غوری ہے کوئی غزنوی ہے کوئی بھجوانی

بھجوانی ہے کوئی قرنی کوئی اور شہدی کوئی

سمرتندی کوئی ہے کوئی بھجوانی

کوئی نامی ہے اور کوئی گرامی ہے کوئی علی

بھجوانی ہے کوئی اور کوئی ذوقی و یزدانی

کوئی رضوی ہے کوئی زبیدی ہے کوئی عباسی

کوئی زبیدی ہے کوئی ادھی ہے کوئی ہمدانی

کوئی ہاشمی کوئی قسری کوئی ادھیسی

کوئی حسینی و فاطمی و علوی و عثمانی

خطابوں پر نہ دو جان مفت کے القاب بہتیرے

رضا خانی و خجستانی و انصاری و نعمانی

کہاں تک میں گناہوں نسبتیں مجھ کو ہے یہ کہنا

کرم و کبر و کھج و کھج آدمی نہ انسانی

کرے منسوب یا نہ نسبتی کس کس کس کو

ایک یہ غریب اور نسبتوں کی وہ مندرجاتی

بہیں ان نسبتوں پر سطروں کی ضد میں جھلا کر

کوئی منہ پھٹ حقیقت میں کہہ رہا ہے کج شیطانی

نئے مذہب تھے مسک عجیب اٹھیں عجیب کج

کچھ کیا جتنے شک بھلا تصدیق ایمانی

کوئی ہے وارتی کوئی رضائی کوئی مرزائی

کوئی ہندی کوئی اہل حدیث اور کوئی قرآنی

نئے ہادی سے دھرتی سے نکلے ہیں پیغمبر

کوئی مہدی ہندی ہے کوئی مہدی سوڈانی

بنا ہے بے نیازِ حُر و حُرّت کوئی بے ہودہ
 خدا کی شان میں باتیں بکا کر رہے ہدائی
 بدل ڈالے نسب بھی اہ جدّت ہو تو ایسی ہو
 ہر اک بننے لگا سید شریف اور وہ بھی گنگائی
 نئی تعلیم نے اب اجتہاد ایسا کیا سستا
 ہر اک ہے فقہ میں ابواللیث اور شیروائی
 کسی کو کیا کوئی سمجھے عجب کچھ غلط بحث ہے
 کہ سیدانی تو شیخانی ہے شیخانی ہے سیدانی
 نہ اب سید ہے سید نہ اب مرزا ہے مرزا
 نہ شیخوں کی علمی شیخی نہ خالوں کی رہی غائی
 نئی تعلیم پائی ہے 'نئی اردو' میں اسٹر
 پرانی ہی روش پر بس چلے جاتا ہے نادانی
 مکمل کردہ اردو نامکمل ہے کہیں جس میں
 نہ چھوٹے پان کر پانی، نہ چھوٹے نان کو نانی
 صفائی جیب کی جس سے ہو جیسی انگو کہتے ہیں
 تو پھر مسواک کی اُردو بنالے کھوٹ دندانی
 دہی کو کہہ دیا ہاتھی کو ہاتھا، منکر کو فکر
 مذکر اور مؤنث کا مٹے جھگڑا باہمی
 کہا مٹر نے جب دل مانگتا ہے بولست علم کیا
 تو منہ نہ کئے لگا اس کا میں ہر کر محو حیرانی
 کبھی دل میں کہا یہ کون سی بولی زباں اسٹل
 نہ اردو ہے نہ انگریزی نہ پشتو ہے نہ ایرانی
 نہ جھگڑ ہے نہ پنجابی نہ سندھی ہے نہ گجراتی
 کہیں یہ سیکھ تو آیا نہیں لندن سے عبرانی
 کبھی سمجھا کہ یہ نقال ہے بھیس اسٹل بلہے
 زباں بولی ہے ایسی جو سمجھ لی جائے مریانی

کبھی سوچا زباں ایسی ہی ہوئی ہے کیوں تلفظ میں
 ٹھماں لٹوے کا ہو کر ہو گئی لاحق پریشانی
 عجب الٹی ہیں عقین اور عجب الٹا زمانہ ہے
 کہ فوقانی تو تحتانی ہے، تحتانی ہے فوقانی
 سفید اب کر لیا ہے عورتوں نے بھی لباس اپنا
 سراپا اب خرمبرہ جو تھی باقوت رتانی
 یہی آخر میں بس طے ہے نئی دنیا کی ہر شے ہے
 تو بن کیوں اس کے درپے ہے یہ قصہ ہے طلانی
 اگلے ثابت کر بے پردگی میں دل کے پردے کو
 چھپے گا چادر بہت سب میں کیا ماہ نورانی
 جو ہوتا دل کا پردہ کیوں ہوتا تھا ہری پردہ
 کہ بے ظاہر ہوئے ہستے نہیں جذبات انسانی
 لگی ہوتی جو آگ اندر دھوئیں سے گھرنے جانا گھر
 ہنسنے بے رقعہ کیوں تھی جو ہوتی شرم لسانی
 اکڑتی پھرتی ہے سایہ بہن کر ہر چڑیل ایسی
 کہ جیسے کوئی ہستی جھومتی ہو مستانی
 چڑیلیں بھی تو باہر بن کے پریاں اب نکلتی ہیں
 چھپر کھٹ کی جگہ اب ہو نہیں تخت سلیمانی
 مزہ دیتا ہے دن کو وصل کی شب کے عینے کا
 چلانا ان کاروانوں کا بوقت سائیکل رانی
 خدا جانے کہاں سے گئے دل پہنچے کہاں میرا
 کہ موڑ میں تو بھرتی ہے طرے زلف جو گانی
 جو آدھی میاں نے پاؤں بھی خاوم سے دلوئے
 تو کیسی آج بگیم صاحبہ جیٹی میں کھیانی

بلی بے پردگی سے بیویوں کی خاک میں عزت
 لقب تھا جن کا بیگم اب انہیں کہتے ہیں سب بانی
 ہوئیں محسوس نہیں ہوٹ گیا جو ہر شرافت کا
 نیام تیغ ہندی میں ہے اب تیغ صف بانی
 بتوں کی بن پڑی ہے کچھ ہے میں ان دنوں کیسے
 کسی مذہب کا ہو کر چڑھا جانا اُسے پانی
 ہے اب تو سبزہ زار جن کا کچھ اور علی عالم
 جواب تک کشت چاہی تھی وہ اب کشت بانی
 خفیف اکثر کیا مسٹر کو ان شوقین بڑھویں نے
 کہنے کے مس سمجھ کر بارہا نکلی مگر نانی
 جوں ہی سمجھ جاتے تھے ابھی تک مستحق تہنا
 مگر بڑھوں کو بھی ملنے لگا اب گوشت ملوانی
 نہ کھانا پردہ دل سے بھولی بھالی بیوی دھوکہ
 کہ باتیں تو جندب میں مگر نظریں میں شہوانی
 نہ جانا مسٹروں کی فامیری تہذیب پر ہرگز
 بڑے موقعہ تو پھر دیکھیں یہ اندھی نہ یہ کافی
 حسینوں سے کب میں کھیلے شطرنج روزانہ
 عجب تاثیر جب کھاتا ہے یہ نقش سلیمانی
 جو تھا باہر اڑائے مسٹر سے کیا پائے
 بھلا بھنی میں خاک آئے نہ ہو جب حوصل میں پانی
 مسٹر کے ہو چڑے کچھ تو بتنا ہی پڑے زنجیر
 مگر لینڈ کی گھٹی ہو، براہنڈی کی ہوا چھانی
 یہ سب نورا ہے جو یہی ہے پردہ درلوگو
 اسی کولو، اسی کولو، یہی بانی، یہی بانی
 یہ ایک دنیا کا ہے قاتل کتے ہیں سیکڑوں میل
 نہیں یہ رحم کے قابل کہ یہ مجرم ہے چنانہ

نہیں یہ اہل باتوں کا کہ ہے یہ مجھوت لا توں کا
 منانت کی کوئی بھی بات مٹنے مری مانی
 یہی ہے صورتِ تقیم ایسے کوڑھ مغزوں کی
 نہ ہو جب کچھ نتیجہ خیز مٹیل قال بدنی
 پڑھا جن ہے بھلاست ابویں آتا ہے نہیں مٹ
 غلام نے کے سوا کوئی نہیں تدبیر مکانی
 اشاروں میں سمجھ جاتا ہے اک حیران لایعقل
 مگر مشکل ہے کوئی بات مٹ تھو کو سبجھانی
 شکاری بھی تو دانا ہو گئے تسلیم پایا کو
 مگر تقیم نے تجھ میں بڑھتی اور نادانی
 ہوا پہلے تو خود گمراہ اب اوڑن کے دیے ہے
 بن یا نعم کو ایک آلہ مشق ستم رانی
 بجائے دلدن تیغ ست دست بہزن گہنٹ
 سکھانا بد گہر کو عسلم و فن ہے سخت نادانی
 نہیں یہ قول میرا جس کو رد کرے حمار سے
 اے یہ غارت رومی کا ہے ارشاد حقانی
 تجھے جائز نہیں قرآن بھی پڑھنا تجھ میں جب تک ہے
 یہ خود بینی یہ خود زانی، یہ کج فہمی، غنسلہ خوانی
 نہیں ہے کچھ تعلق تجھ کو عقل و دُور سے مٹ
 تیرا ہر قول نادانی، تیرا ہر فعل نفسانی
 کسی عقل سے اپنی عقل کے ناخن لوجا مل
 کسی عارف کو تو جا کے حاصل نیصن روحانی

نہ بقول حضرت مولانا رومی سے بد گہر عالم و فنِ آموختن • دلدن تیغ است دست بہزن

یہاں کیا؟ قدر قیمت دیکھنا بازار محشر میں
 پڑا ہے چارہ کنعان میں ابھی گواہ کھنسانی
 یہ سارے کشتی ہیں شائقینِ حسن بے پردہ
 علاج ایسے زئیوں کا ہے نادر شاہِ ذرائی
 پے ہیں عاشقوں کے فوج ہے ہر رُوحینوں کی
 لڑائی حُسن کی اور عشق کی کیسی ہے گھمسانی
 اُسے تو بہ وہ جھلوتہ حُسن بے غیرت میں تو دیکھے
 ترے ہی رہے جس کے لئے موتیِ عمرانی
 یہ حُسن بے حجاب اک آتشِ شیشہ کی جلیکے
 تم سے سب جلی چکے ہیں پردہ ہائے چشمِ فانی
 حُسنوں کو بٹھا پردے میں یا نگلوں سے چھوڑا کہیں
 جنہیں سمجھا ہے عرفانی، نگاہیں ہیں کشمہرانی
 نہ بن جسدِ سنوئی، نہ بن اے پردہ درہاں
 سمجھا ہوں سمجھا ہوں تری شاہستہ عنوانی
 نہ دھوکے دے نہ ظاہر کر دھی ہیں خود تری نظریں
 تری خوش نیستی، پاکیزہ قلبی، پاک دامانی
 چھپا سودائے اُلفت کو نہ تو لٹکا کے نکلتی
 مجھے معلوم ہے مضر تری ثابت گریبانی
 دوا سمجھ نہ مردوں کے لئے بے موزہ رہنا بھی
 مگر غرور کا فرضِ منہ نہیں ٹھیرائے عزرائی
 بنا ہے اک اپنا آلہ تفریحِ عورت کو
 غرض اپنی ہے اور کہنے کو ہے جسدِ سنوئی
 ہوئے سب متحد لڑنا زکا باہم عزیز دلی
 کئے وہ دن ہوا نہ مست وہ دُورِ جہلِ نادانی

سبھی شوہر ہیں سمدھی جیٹھ دیور کوئی ہو گھر میں
 سبھی بیوی ہیں سمدھیں ہو جھٹانی ہو کہ دیورانی
 نہ ہو رنجیدہ گز دیکھ کر اے نیار کو شاداں
 ہو انکم ان کی منزل منزل مقصود اگر عانی
 بہت ہی پستے پرواز مرغ فکر کی تیرے
 رسائی سے ہے تیری دُور اوج لطف رعانی
 ابھی ادوری کشن بدست کیا تو کیف مے سمجھے
 کبھی کر سیر بزم سر خوشاں راج ریکانی
 یہ بلغ سبز ہے دنیا، یہ اک نہ ہو کہ کئی ٹٹی ہے
 یہ اے کج جس ارم ہے تو نے فردوسِ یں عانی
 ابھی تصویر کا بس ایک حلیٰ نر تو نے دیکھا ہے
 وہ ہے اک دیو خانہ جس کا منظر ہے پرستانی
 یہ دنیائے علاؤن دیکھ فارستان ہے خارستان
 پھنسا اس میں تو بس پھر باج کا تو باغِ عنوانی
 اسے یہ چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیرا ہے
 یہ سارے عیش میں فانی یہ سارے لطف میں آسانی
 نہ لگی تھمے اڑا کھایا پیا نہ کھے گا سب تیرا
 خبر بھی ہے کہ چڑھا جا رہا ہے سودا وانی
 یہ ہے جینے میں جینا یہ ہے مینے سے تو موتِ اچھی
 وہ کوئی زندگی میں نہ لگی ہے جو جو عسیانی
 نہ عیشِ جاوہاں کی فکر عیشِ روزہ میں
 بھلا اس میں بھی بڑھ کر کوئی ہو سکتی ہے نادانی
 پڑتی ہیں خاک پھر پڑھ کے کہ درابِ حقیقہ
 کہ دنیا کی نہ تست ہے میں پر آہستہ قرانی

نظر میں بیچتے ہیں موٹے ہی موٹے لوگ دنیا کے
 تنول کی ہے جن کے پاس ناجائز فلوانی
 ترقی کی ہو کس چھانگی آنکھوں میں جست جہنی
 دَرم کو تو نے سمجھا سر بھی از راہ نادانی
 ترقی دَرم سمجھی بہر ضرورت اگر نافع
 ترقی دَرم بھی کیوں تو نے بے ضرر جانی
 ترقی ہمیشہ اسکو دین کا جس میں تنزل ہو
 وہ ہے مولیٰ پہ چڑھنا روح کی کرنا ہے قربانی
 اُسے چھو لانا مردہ کو زندہ نا تو اں اچھت
 مرا افلاس بہتر یا تری فرعون سامانی
 مرض افلاس کا مانا ترقی نے کیا زائل
 مگر صدمہ جو پیدا کر دینے امراض روحانی
 جہاں میں ہر طرف سے دور دورہ کبر و نخوت کا
 دکھایا چرخ نے پھر دور فرعون و دھامانی
 کہاں اب حق پرستی نہ چھریا لگئی سب میں
 خسی کا کفر مخفی ہے کوئی کافر ہے اسلامی
 کوئی قائل نہیں نازل ہوں رحمت کے فرشتے کیوں
 جہاں پر آب مستط ہیں شیاطین انسی دجانی
 تری دکان اُدھکی ہے مگر پچان پھیکا ہے
 مرا سودا کھرا ہے گو نہیں ہے ادج دکانی
 مرا مذہب ہے قرآن حدیث اور تیرا خود رانی
 تری ہے ناپ انگل کی مری ہے تول میزانی
 ترا مذہب ہے دنیا تو مقلد اہل یورپ کا
 مرا مذہب ہے تقلید رسول پاک عنانی

نظر برعاقبت سے سب میرے سامانِ احت ہیں
 شکستہ خاطر پی مُردہ دلی، افسردہ ارمائی
 وہاں اپنی حقیقت تجھ کو دکھلاؤں گا اے میرے
 یہاں رکھتی ہے میری کامرانی شکلِ حسرتِ مانی
 بصیرت تجھ کو حاصل ہو تو اُسے کج میں نظر آئے
 گرا بجائی، سبکدوشی، سبکدوشی، گرا بجائی
 تری سطحی نظر ہے صرف مجھ کو حُبالوں پر
 مری گہری نظر غواصِ قعرِ بحرِ عسانی
 یہیں سب چھوٹ جائیگی یہ روزِ بد دکھائیں گی
 تری خوش عیشیاں خوش باشیاں فرعونِ سامانی
 نہ چھول ان اپنی رنگارنگ بزمِ آرائیوں پر تو
 یہ سب ہو جائیں گی نقش و نگارِ طاقِ نسیانی
 نہ کچھ کام آئے گا اس دن کہ تو زیرِ زمیں ہو گا
 یہ اے بالانشیں عالی مقامی عرشِ ایوانی
 بھلا خالصی تو کیا ہے گی خانِ صاحب کی
 رہا جب خلیں خانان اور نہ اُس کی خانِ غامانی
 قاصدِ بجے اسودہ سب کی بخش کھی ہے
 تجھی کو ہوا ہو کس تیری مبارک حشرِ ارمائی
 یہی دُھن ہے ترقی کی تو پھر کیا ہے ڈکیتی کر
 نہیں جب خوفِ بانی تو کیوں خوفِ سلطانِ
 ترقی کی کلیں راہیں ہو پھر بھرا چپنوں کی
 چھڑے سڑکی قیسے کوئی پھر جنگِ بلقانی
 ترقی کر، ترقی کر مگر حد سے نہ بڑھ میرے
 نظر ہے صرف دنیا پر تری اک آنکھ ہے کافی

اُسے دیکھا بھی اُسے کچھ نہیں ہوا ثابت مراب آخر
 سمجھتا تھا پیسے دھوکہ سے تو بہتا ہوا پانی
 انہیں تنگوں نے دیکھا بھی لگا دی آگ پانی میں
 غصہ دغا شک لڑنے جن کو سمجھتا تھا یہ نادانی
 ترے سارے دلائل قطع کر کے رکھ دیئے دم میں
 مری تیغ زباں کی دیکھ بھی لی تو نے بڑانی
 بصیرت کی "حقیقت" دیکھ بھی لی ناز ہے جس پر
 یہ نہیں اُسے جوئے چاول نہیں خشک یہ گیلانی
 رسا کہہ کہہ کے فکروں کو تو نے لاکھ لاکھ کیا
 مگر ہرگز نہ مٹے مٹے ہوئی تھی محسبانی
 پیلاہی تو تو حق نا آشنا اس راہ میں ناحق
 ہوئی بس کر کر ہی خاک گو تو نے بہت چھانی
 جو غیرت دار ہوتا ڈوب مرتا ایک جھلو میں
 نہیں تجھ پر اثر گو سر سے اُوخپا ہو گیا پانی
 اگر اب بھی نہ تو سمجھے تو اب تجھے خدا سمجھے
 کہ میں سمجھا چکا ہوں تجھے آحسہ مکانی
 محقق بھی نہیں تھنسیک بھی عار مان ہے
 ہے گامِ سر بھر تو مبتلا نے جہل و نادانی
 بمثلہ میں سختی سے ہوں قائم مرکز حق پر
 مرے دیپے ہیں حق ہستوں کی سہتہ نادانی
 لگا لے زور جتنا جس میں ہوا اور جس کا جی چاہے
 "زجائلا نمی جذبہ چہ سودا ز شہ جنہانی"
 ذرا میں بھی تو دیکھوں پہلوانی پہلوانوں کی
 مجھے بھی دیکھنا ہے آج بلوانوں کی بلوانی

مثل مشہور ہے مٹر "نہ ہر گز چپ شود ملا"
 مجھے تو بسند کر سکتا نہیں کر لاکھ لستانی
 مری نظمِ نظرِ افست سے نہ تو لوگوں کو بدظن کر
 ممانست پر نہ اپنی ناز بے جا کر بہ نادانی
 مری اس نورِ قن چٹنی کے آگے کون بچھے گا
 مریضوں کو کھلا جا کر ادوق اپنا سپستانی
 نصیحت میں بھی کچھ لازم ہے چخار و نظرافت کا
 مزہ وہ چسند کر دیتی ہے برائی کا بورانی
 شکر لپٹی ہوئی کونین کی گولی کھلاتا ہوں
 مری کڑوی سے کڑوی بات بھی کس بُری جانی
 کر بلا میں کھلاتا ہوں مگر خوش فائدہ کر کے
 ہر اک نے شوق سے منظور کر لی میری مہمانی
 نصیحت بھی فضیحت بھی کبھی کچھ میں نے کی لیکن
 شنی مٹر نے باصد خوش دلی دھندہ پیشانی
 خودی ہے تیری خود داری ممانست کبرِ نخوت سے
 ترابہ نفسِ زندہ مردہ ہے احساسِ روحانی
 مری زندہ دلی کا راز تو بہ ذوق کیا جانے
 مری ہے روحِ زندہ مردہ ہیں جذباتِ نفسانی
 اگلے پتا ہے مٹر سب یوں اٹھتا ہوا جیسے
 جدا کر دے کسی جُسلہ کو تو بس خط و حدانی
 جوابِ جلالاں باشد نموشی "سچ کہا تو نے
 ہوا جاتا ہوں لے خاموش تیری بات ہی مانی
 اڑا دیتی ہے دم میں کوہ کو بارود کی پڑیا
 مے اس شعر نے رد کی ہر نظمِ طولانی
 کوئی مضمون نہ کوئی قافیہ تیرے لیے چھوڑا
 بنایا میں نے تجھ کو سرِ بسرک نقشِ حیرانی

کیا ہے بند کیا ناقصہ لکھی سخی کوئی
 کیا ہے تنگ کیا قافیہ دیکھی قمرانی
 قیامت نام کو فارغ ہو گیا مگر مجھ سے
 ہمیشہ کے لئے اب تم سے یہ بحث طعنانی
 انہیں اشعار میں پالے گا ہر طرح جواب اپنا
 کچھ کوئی بھی کتنی بھی مرے دوست سمرانی
 ہے گا وہ جیسے جیسے گا اس کو وہ دیا
 مری یہ قسم بل حق نے منہ کی صدا جانی
 سزا بھگتی نہ آخر کون کمر بند ہی مرے در پر
 مراد زور سخن دیکھا نہ میری شان بتیانی
 وہ دم ختم کیا ہوئے بیٹھا مثل پیر الہ کیوں
 کہ جس سے اب شان رستی زور زبانی
 بعون اللہ باطل کے اڑنے پھٹنے میں نے
 بحث حق نے پایا غلبہ ہسانی
 میں ہوں اب ذرۂ ناچسبہ میں کیا میری ہستی کیا
 یہ ہے سب شیر مردِ تمنا حق سے کا فتنہ روحانی
 حکیم الہیہ ایسا ہے مریض جان بلب وہ ہے
 پکڑ لے اس کا دامن دیکھ پھر اعوجہ درانی
 مطلب میں اس کس تجھ جیسے موت صد باطن اپنے
 بلا منت بلا رحمت بھد بخلت ہسانی
 ادھر تھیں بھی کامل، ادھر تجویز بھی نادر
 ملا ہے پھر اسے دستِ شفا بھی حق لاثانی
 بے سمجھانے بیٹھا ہے یہ طرے یہ ہے جس ہے
 خلعتِ عقل ہے ملا یہ تیسری مُردہ درانی

”صلح“

بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے صلح ہو جائے جنگ ہو کر

بڑا جھگڑا اسی جند پر کہ تیرے سخت تھے تیور

بس اب ہل لیں گے مشریم لڑنا ہے نادانی

بس اب ملک چائیں دونوں مل کے ذکر و شکر طاعت میں

کہ دونوں ایک جی مالک کے توبندے ہیں احسانی

نہ تھی اپنی برارت تھی حمایت حق کی تھی دہن

تری شخصیت سب سچ مجھ میں سب امراض نفسانی

میں بد خو اور بد طینت سراپا حرص اور شہوت

میں بد میں اور بد نیت مری تجل شیطانی

میں بد اخلاق بد احوال بد کردار، بد اعمال

سراپا میں گنہ ہوں زندگی میری ہے عصیانی

خدا تو مسیق دے مجھ کو خدا تو فقیق دے تجھ کو

خدا تو فقیق دے سب کو کہ مانیں حکم ربانی

ابھی اپنے کو کیا سمجھے کسی کو کیا کہے کوئی

کہ سبھے خاستہ پر مختصر انجیم افسانی

کسی کو کیا خبر ہے کوئی قبل از وقت کیا جانے

کہ ہو کس پر گماں ہو جائے کس پر فضل یزدانی

خدا ہی شرم رکھے میری تیری سب کی لے سڑ

چلیں سب کے اس ظلمت کے سے نور ایمانی

یہ ہمارا صلح کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پردہ جو کہ شرعاً ضروری ہے اس کی حمایت مقصود

تھی نہ کہ اپنی بڑائی بیان کرنا مقصود ہے۔

مکافات خرافات

مناجا بد رگہ قاضی الحاجا

گو کرتا ہوں میں جرات نظر بر فضل ربانی
کہ ہے لائق تلو خود ہی ترارش دہقانی
مری ناپاکت بسی اور مری آلودہ دہانی
میں پھر کھتا ہوں مولائے پر پر اپنی پیشانی
ادھر رسول نمائی، ادھر اغولے شیطانی
بہت کتاہ ہمت ہوں بہت ہے ضعف ایمانی
بہت محتاج رحمت ہوں دکھائے شانِ پانی
مے دیں کی حفاظت کر مے ایمانِ نگرانی
دہوں عسمر تیری اہ میں سرگرمِ عملانی
مزارج ہائے ایمانی و عسقلانی و ایقانی
مدد کرنا دمِ آخر، مروں بانور ایمانی

نہیں تو بہ کائیں بدیں گنت اعیانی
بڑی حسرت یازت کفر ہے یوں جو مانا
ترے دریائے رحمت کے مقابل چیز ہی کیا
بہت دن سرکشی کی میں لیکن اب نہ سخت
مذارت مذارت کو میں غم میں آئے دھب
میں مغلوبِ طبیعت ہوں میں محتاجِ لعنت ہوں
غریبی پر غفلت ہوں، اسیرِ حرصِ شہوت ہوں
عنایتِ عنایت کو عطا اب کس تھامت کر
بس آتِ خوابِ غفلت سے، الہی مجھ کو چوکا
خدا اپنی قدرت سے کر دے طے کر دے طے
مے مولا مے تقدیر مے مانک سرِ ناہر

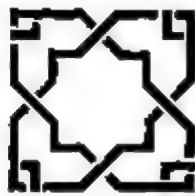
مے خالقِ مے رہبرِ مرکرِ خاتمہ حق پر
بحق شافعِ محشر عطا کر باغِ رضوانی

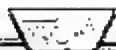
محاکمہ

از محقر خواجہ غلام شیرازی علیہ الرحمہ
یا بخت من ”ظریقی محبت“ فرو گذاشت
یا اوہ ”سٹاپر حقیقت“ گذر نہ کرو۔

نوٹ از مؤلف: احقر ناظرین باتمکین سے اپنی محنت اور تلاش کی داد چاہتا ہے کہ اول قافیوں کو بہت استیعاب کے ساتھ فراہم کیا گیا پھر نہایت اہتمام کے ساتھ بر قافیہ پر اپنے موضوع کے مناسب اشعار تصنیف کرائے گئے اور پھر سب اشعار کو اس حسن ترتیب سے مرتب کر دیا گیا کہ جس مقام پر مدح فرمایا جائے گا انشاء اللہ مضامین میں دریا کی سی روانی نظر آئے گی اور کہیں ربط و تسلسل کا فقدان موجب خلمان یا مانہ دلچسپی نہ ہوگا۔

فقط والسلام





مُسلم کی بیداری

مسلم کی بیداری

اوست خوابہ عزیز الحسن مجذوب انس پکڑات سکونہ (یو پی ا)

خلیفہ حکیم الامت حضرت مولانا شریف علی تھانویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخبرہ و نصیحتی علی رسولہ اکرمیم،

معرکہ ہوا جہاں رائے کا سارا آج ہے
موج غفلت کون کم بختی کا مارا آج ہے
دہریہں کسی قوم کو پستی گوارا آج ہے
کوئی تو ہے چاند اور کوئی ستارا آج ہے

مسلم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب ہوں مہربن کراشکارا تو بھی ہو

یہ جو قوموں کی ترقی ہے یہ کروڑوں ہے
جو ہے جتنے آج پرانادہ حق سے دور ہے
تیرگی ماہ و انیس کی چمک محصور ہے
جس کو گھیرے ہو اندھیرا وہ بھی کوئی نور ہے

مسلم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب ہوں مہربن کراشکارا تو بھی ہو

اجکل ظلم و ستم اور شور و شر ہیں جزو دیا
داخل تہذیب میں کرد فریب اور انقض و کیں
آسمان پر اڑ رہے ہیں تو اب اہل زیں
دو گراں ظلموں کو دور کر سکتے نہیں

مسلم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب ہوں مہربن کراشکارا تو بھی ہو

جس طرف دیکھو چھڑی ہے جنگ قبل عام ہے
ہر جگہ نشر پامے شو ہے کھرم ہے
کیوں ہونا حق شناسی کا بھی انعام ہے
ان عالم کا جو ضامن ہے تو اس اسلام ہے

مسلم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب ہوں مہربن کراشکارا تو بھی ہو

پیسہ کی غلطی ہے جو رہبر پرکار ہے لغو تر کے لئے بس ہاتھ میں تلوار ہے
اہل باطل سب ہیں تو حق کا ہمدار ہے تو ہی عالم کی خلافت کا پس ایک حقدار ہے

مسلم خواہید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب ہیں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

جس کو دیکھو لڑ رہا ہے باطن کے واسطے کر پا ہے جان کو قربان تو کئے واسطے
سب تو ہیں شمشیر زن قوم وطن کے واسطے تو اٹھا تلوار رست ذوالسن کے واسطے

مسلم خواہید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب ہیں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

مال و زجاجہ و چشم قوم وطن رنگ و نسب آئے دن دنیا میں جھگڑے ہیں انہیں کسے سبب
یست و بنیت سے ناشی ہیں نصیب العین اوج اسلامی پہ لامیاد انسانی کو آب

مسلم خواہید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب ہیں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

اہل دنیا ہو ہے ہیں سخت بیزاریات اک نمونہ حشر کا ہے ان کا بازار حیات
ان کے آگے پیش کر تو اہل عیاریات بہر خوشنودی رست جو تیل سرکار حیات

مسلم خواہید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب ہیں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

اب تو ضرورت قیام امن کی ناکام ہے آگ دنیا میں لگی ہے فتنہ و شر عام ہے
چپہ چپہ پر زمیں کے جنگ خون آشام ہے گوشہ گوشہ آب جہاں کا تشہہ اسلام ہے

مسلم خواہید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب ہیں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

پھیندا ہے چاروں اکنامہ ضرور سلام کو سچ سمجھ پیو رخت کے اس پیغام کو
تو کہے اپنے یقین کے ساتھ کہ اس کام کو ہندی دھنی بھی پیچیں نصرت امت کو

مسلم خواہید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب ہیں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

ساز و سامان دشمنوں کا ساتھ کو موقوف ہے
تیسرے پاس ایمان ہی انمول شے موجود ہے
پیش اعدا پھر جو ہر گوشہ کی سب سے سود ہے
بے عمل یہ تیغ جو ہر دار و زنگ آلود ہے

مسلم خوابیدہ اٹھ جنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب سے ہوں بہرین کراشکارا تو بھی ہو

دستِ غلبہ سے مومن کے لئے قرآن میں
پھر جو تو غالب نہیں کچھ ہے کس ایمان میں
ہر جو ایمان کا اثر اعضا میں دل میں جان میں
حسبِ قرآن سب سے اعلیٰ تو ہی پھر شران میں

مسلم خوابیدہ اٹھ جنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب سے ہوں بہرین کراشکارا تو بھی ہو

کراؤ امر پر عمل مایوس تو پاں پاں نہ ہو
کب سے ممکن غیب سے پھر فسح کا سامان ہو
کیا ہو تجھ پر فضل جب تو تابع فرماں ہو
بن کے مومن بڑھ جو ہر شکل ہی آساں نہ ہو

مسلم خوابیدہ اٹھ جنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب سے ہوں بہرین کراشکارا تو بھی ہو

مثل سابق مومن کامل اگر جو حبسے پھر
مثل سابق کی جو خدمت پر نظر ہو جائے پھر
تو جو آب و صفت سے شیر ذر ہو جائے پھر
تو جو آب و صفت سے شیر ذر ہو جائے پھر

مسلم خوابیدہ اٹھ جنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب سے ہوں بہرین کراشکارا تو بھی ہو

پھر دمی اخلاق اسلامی جو علم میں عام ہوں
چھٹے نامکس علم اپنے کام میں ناکام ہوں
جو حق آگے خوشب داخل اسلام ہوں
اور جو مفسد ہیں وہ زیر تیغ خون آشام ہوں

مسلم خوابیدہ اٹھ جنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب سے ہوں بہرین کراشکارا تو بھی ہو

اب وہ صورت و امیر شدہ اخلاق ہیں
شوقِ دنیا بھر کے ہیں احکامِ دین بر شاق ہیں
تیسرے اگلے کا رنگ شہرہ آفاق ہیں
اب سید کیوں تیری تائید کے لادلاق ہیں

مسلم خوابیدہ اٹھ جنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب سے ہوں بہرین کراشکارا تو بھی ہو

زسبم خفسے تو کس بل نہیں ہے کم تیرا
جائے کی ڈیرے پھر ہے وحی دم خم تیرا
یہ اگر ہو جائے زائل نیستہ کا عالم تو
چار سوڈنیا میں اپر لے لگے پرچم تو

مسلم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب میں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

تیری بہنوی کی اک شمشیر ہی تیر ہے
دولت دارین لوائے یہ وہ اکیر ہے
خود حضورِ غیر صادق کی یہ تبشیر ہے
جنت انور دوس لپکسایہ تبشیر ہے

مسلم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب میں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

نفع دینی دیکھ تو دنیا کی ہوسبجی نہ دیکھ
مرضی رب دیکھ اپنی مصنوعت کوئی نہ دیکھ
نوا کیلا تیرے دشمن سیکڑوں بھی نہ دیکھ
قدرت حق پر نظر رکھ اپنی کمزوری نہ دیکھ

مسلم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب میں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

دُشمنان دیں ہیں گواہ اور اہل دیں حق
تغلبوا الفین کے کرتے جھٹکے بے محل
ہو اگر کچھ جی اُچھڑا ہم ماستغفرتم پر عمل
پھر تو کافی ہو کچھ تیرا خدا کے عز و جلال

مسلم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب میں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

اعتقادِ غیب کی تظہیر کا دل سے نکال
اسک پہناں کر دیئے ہیں تیرے صلی خدا خدائے
کوئی نسبت ہی نہیں رکھتے تیرے مافیٰ حال
سادگی میں رونما ہو پھر بھدہ حبا و جلال

مسلم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب میں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

آبِ دہری کوئی کرتا ہے ہوا بازی کوئی
اسک سازی کوئی کرتا ہے ہم سازی کوئی
باشیرک ہے کوئی فاشی کوئی بازی کوئی
اور سب کچھ نہیں ہیں شمسِ دہری کوئی

مسلم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ماند سب میں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

ہر طرف کے آبِ جہاں میں بجھتا رہے لئے دوست جو تھا وہ بھی دشمن بن گیا تیرے لئے
کوئی دنیا میں نہیں اب اس تیرے لئے تو خدا کا ہو کہ ہو جائے خدا تیرے لئے

مسلم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہربان کر آشکارا تو بھی ہو

حکس و ناکس و فکر عزت و توقیر ہے بہر تخیر جہاں ہر کوشش فائدہ سیر ہے
ان جلوں سوا جہاں گیری کا عالم کھر ہے تیرے سرگرم عمل ہونے میں کون تاخیر ہے

مسلم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہربان کر آشکارا تو بھی ہو

یہ نظام دھر آب تبدیل ہونا چاہیے اس کی آبِ حید پر تشکیل ہونا چاہیے
تیرے ناقص اس کی آب تکمیل ہونا چاہیے تجاھد فی اللہ کی تعمیل ہونا چاہیے

مسلم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہربان کر آشکارا تو بھی ہو

امن عالم کا بس آبِ سامان ہونا چاہیے سب کا دستور العمل قرآن ہونا چاہیے
بس یہی دھن تجھ کو اب ہر آن ہونا چاہیے حق کا جاری ہر جگہ فرمان ہونا چاہیے

مسلم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہربان کر آشکارا تو بھی ہو

مشرک قانونِ اسلامی بدل سکتا نہیں یہ اگر ہو کوئی میٹر ہی چال سکتا نہیں
پھر خدا اللہ سے کوئی نکل سکتا نہیں دھربے بنیاد بے اس کے سنبھل سکتا نہیں

مسلم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہربان کر آشکارا تو بھی ہو

ایک قانونِ خداوندِ علم کے سوا اور سب قانون ہیں مبنی براغراض و جفا
سب کو تو پابند قانونِ خداوندی بنا بندگانِ حق کو بندوں کی غلامی سے بھڑا

مسلم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہربان کر آشکارا تو بھی ہو

امن کا ہے جو علم بردار وہ تو ہی تو ہے کج رویوں کو جو کرے ہموار وہ تو ہی تو ہے

سب کا ہے جس پر مار کا رو تو ہی تو ہے فیصلہ کن سپہ جس کی تلوار تو ہی تو ہے
مسلّم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہربان کرا شکارا تو بھی ہو

اپنی اپنی سی میں ہو ہو کے اب نا کام سب غصہ خفیہ آسے ہے جس پر سب سلام سب
تو جو رہبر ہو تو پھر گل کر کریں اقدام سب رہبری کر چھوڑ اپنے عیش اور آرام سب
مسلّم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہربان کرا شکارا تو بھی ہو

خمسہ رنگیں بنا ہنگامہ خونیں کو تو پارہ پارہ کر کے ہاں کے بہت سنگین کو تو
چار سو دنیا میں پھیلا اپنے رقی دیں کو تو ہاتھ سے جلنے نہ سے ہاں موق زریں کو تو
مسلّم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہربان کرا شکارا تو بھی ہو

تیسے ہوتے بھی جہاں میں غصہ کفار ہو سرنگوں شیش تباہ حق کا مسمب نار ہو
تاکے غفلت بس اب بیدار ہو بیدار ہو لبت ہو اللہ اکبر ہاتھ میں تلوار ہو
مسلّم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہربان کرا شکارا تو بھی ہو

کو دمیدان عمل میں ہو کر ان کے غمزدان از سر نو زندگی کر اپنی روایات حسن
پھر دکھ اپنا وہ زور بازو سے خیر شکن اور وہ پہلے خالہ کی زور حسین باکین
مسلّم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہربان کرا شکارا تو بھی ہو

رہ کے دنیا میں بلند اپنے خدا کا نام کر جس سے بچھو گیا ہے قریب ماہ کام کر
سب جو مسلم کام بھی تو درخور اسلام کر پار سو تو حید پھیلا لور حق کو عم کر
مسلّم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہربان کرا شکارا تو بھی ہو

شرک سوزا سی ہو تو حید خدا دانی تری چھو بکٹانے اسوا کو شمس سامانی تری
کر کے تابستہ جہاں کو روح نورانی تری سرسیر چھا جلنے سب ذات لٹانی تری

مسلّم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

معرکوں میں جاہ ہو پیش عدو سرگرم ناز
مجدوں میں آہ ہو پیش خدا جو نیب از
اپنی اپنی جگہ پر ہوں رزم و زور و نوداز
ساری دنیا کو دکھا سہ اپنی شان استیاز
مسلّم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

سخت دنیاء پر کرو اور کس شان سے
ہو عیاں شانِ خلافت تیری ہر ہر آن سے
ہو سیاست بھی تری مانو سب قرآن سے
رہا ادھر مخلوق ہے اور ادھر رحمان سے
مسلّم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

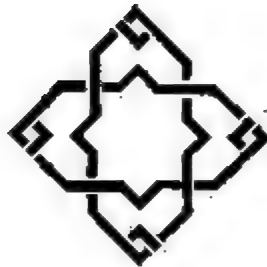
صدقِ جنتی دکھا تو عدلِ نافرمانی دکھا
حسبِ کراڑ کی شیریں دشتِ زورنی دکھا
مسلّم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

ایک مٹی پھر گل چہاں کا ہو امیر المومنین
طرزِ اسلامی پر ہو جائے جو نظمِ مشکین
جس کے سر ہوئی ہو بدستہ رہتا ہو ہمیں
کارگر پھر کچھ نہ ہو یہ کثرتِ عدائے دین
مسلّم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

تو سمجھ ان میری باتوں کو نہ باتیں خواب کی
کسے کے ہیں یہ خلافت کسی آب و تاب کی
یہ نہیں کشیں نظریے مثالِ صاحب کی
جس کے آگے آب تاروں کی نہ کچھ مناب کی
مسلّم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

ہے زمانہ بھر یہ حال حق و قیامت تھے
نشر حق کی چاہیے رکھنی مگر نیت تھے
ہے خلیفہ حق کا تو شایاں یہ عزت تھے
مالکِ ارض و سماں کی دے جنت تھے
مسلّم خوابید اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہرین کر آشکارا تو بھی ہو

تجہ کوئی تو فی حق نہ مست اسلام دے صدق دے ایمان کامل دے خلوص نام دے
 ملدی اونہ کی طاقت بھی بھدا کر ہم دے تجہ کو دے دہنیز جو دہنوں تہاں میر کام دے
 مسلم خواہید اٹھ جہنگامہ آرا تو بھی ہو
 ماند سب ہوں بہرین کر آشکارا تو بھی ہو
 حسین مظلوم کا محب بھی تو ہے اور محبوب بھی اُسکے رستہ کا ہو تو سالک بھی اور مجذوب بھی
 دوست گردید رہی اعداء رہیں مرعوب بھی ہو میرے رُفے پر ہیبت بھی رُفے خوب بھی
 مسلم خواہید اٹھ جہنگامہ آرا تو بھی ہو
 ماند سب ہوں بہرین کر آشکارا تو بھی ہو



ہمارا جھنڈا

دہلی جہاں میں ہیں جتنے بھی پرپسم
ہمارے ہونے پر مسلم ہمارا مسلم
ہمارے پھر یہ کے آگے جوں سب غم
نظر آئیں چاروں طرف بس ہمیں ہم

یہ ہو سرخ رُو سبز جھنڈا ہمارا
اٹے چار رُو سبز جھنڈا ہمارا

فلک کی بندی پہ پہنچے دوبارہ
رکھی سے ہیں ہونہ دست گوارا
ہمارا ہول اور ہمارا سارا
وہ کوئی سکندر آویا کوئی دارا

یہ ہو سرخ رُو سبز جھنڈا ہمارا
اٹے چار رُو سبز جھنڈا ہمارا

پھر اسلام کا ہم وہ جہاد دکھا دیں
دلوں پر وہ ہمیت کا سکہ بٹھا دیں
کہ اطرافِ عالم میں ڈنکا بجا دیں
کہ جتنے بھی سرکش ہیں سب ٹھکادیں

یہ ہو سرخ رُو سبز جھنڈا ہمارا
اٹے چار رُو سبز جھنڈا ہمارا

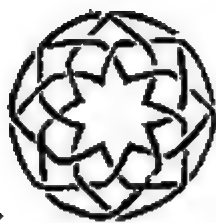
کچھ اس رنگ سے نفسِ حق نہیں
کچھ اس کیفیت سے گیتِ وحدت کے گائیں
کہ سب رنگ توحید میں رنگ جاویں
کہ کھنچ کھنچ کے سب ایک مرکز پہ آئیں

یہ ہو سرخ رُو سبز جھنڈا ہمارا
اٹے چار رُو سبز جھنڈا ہمارا

ہے مسلم کی ہستی برائے عبادت
بدل دیں جو ہم سرکشی کی یہ عادت
ہے سلام گردن نہادِ بظاعت
تو ساری زمین پر ہو اپنی خلافت

یہ ہو سرخ رُو سبز جھنڈا ہمارا
اٹے چار رُو سبز جھنڈا ہمارا

برائے فخر کو نین و شاہِ دو عالم برائے خیر خواہ و پستہٴ دو عالم
 برائے حضرتِ مقبلہ گاہِ دو عالم عظم کو جو عسکرِ جبّاد عالم
 یہ جو سرِ خرد و سبز جھنڈا ہمارا اڑے چار نو سبز جھنڈا ہمارا
 ان آہوں میں مفلح کی وہ اڑے جو اک جوش کی آگِ نینوں میں بھر دے
 جو مسلم کو اس درجہِ برست کر دے کہ وہ دین پر بے جھجک اپنا سر دے
 یہ جو سرِ خرد و سبز جھنڈا ہمارا اڑے چار نو سبز جھنڈا ہمارا



ترانہ مسلم

آثار سے ہے ماضی ہر سو عیاں ہمارا
 ہر خطہ سے زمیں ہے افشاء خواں ہمارا
 گزرا ہے ایسا زریں عہد گذشتہ کس کا
 ثانی کوئی ہستانے تاریخ وال ہمارا
 پرداز کی حدیں تھیں گھیرے ہوئے جہاں کو
 چھوٹا سا تھا عرب میں گو آشیاں ہمارا
 کس ملک و مملکت نے اس صفحہ زمیں پر
 گونج نہ زیر گروں شور اڈاں ہمارا
 ایمان کی تھی قوت اخلاص کی تھی برکت
 راک راک ہزار کا تھا اک راک جواں ہمارا
 آتے تھے آسمان سے بہرہ دہنہ شستہ
 اللہ میاں کے علم تھے اللہ میاں ہمارا
 سالار کارواں کے نقش قدم کو چھوڑا
 علم ہے جو داریوں میں اب کارواں ہمارا
 قلم ہے جس حق پر ہم سر کٹا کٹا کر
 چپے زبان خنجر لچ ہے بیاں ہمارا
 مسلم ہیں علم غلامی کرتے نہیں کسی کی
 بس یک خدا کے برتر ہے حکمران ہمارا
 کمزور علم کو ہرگز نہ سمجھیں اسل باطل
 اٹھے نہیں کہ پھر ہے سارا جہاں ہمارا
 ہو پھر نصیب یارت علم کو عروج سابق
 چھا جائے کل جہاں پر قومی نشان ہمارا

نقصیر غنیمت

عرض ناشر

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الطَّاهِرِينَ آمَنًا

حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب کسٹومی مدظلہ العالی کی فرمائش پر حضرت خواجہ
عزیز الحسن صاحب غوری مجدد رب رحمۃ اللہ علیہ نے دوازدہ (بارہ) تبیع کے ہر
چہار اذکار کے متعلق دس دس بند تصنیف فرمائے تھے۔ چنانچہ یہ چالیس
بند کا مجموعہ بہ عنوان ”پہل بند اذکار چشتیاں ملقب بہ تفریق بہشتیاں مصداق
شعر“

یہ کیسے مزے کا پہل بند ہے ؟ کہ ہر بندگان کو ذہن منور ہے
بدیہ ذاکرین و طالبین کرتا ہوں اور اس تسنیم دوازدہ اذکار کا تاریخی نام
”الغیر غیب“ ہے

حق تعالیٰ شانہ اس کو مقبول و نافع فرمائے اور حضرت عفت اور مولانا
ظہور الحسن صاحب اور اراکین ادا و کا تالیفات اشرفیہ کے
لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

فقط

محمد اسحاق عفی عنہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

آیاتِ درہن ذکر فی اثبات

یار ہے یارب تیرا اور میں تیرا یار رہوں مجھ کو فدا تجھ سے جو محبت غلّی سے میں بیزار ہوں
ہر دم ذکر و فکر میں تیرے مست ہوں شہساز ہوں ہوش ہے مجھ کو کبھی کا تیرا اگر ہوشیار رہوں
اب رہے ہیں تمام آخر و دریاں کے لیے الہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

تیرے سوا موجود حق کوئی نہیں ہے کوئی نہیں تیرے سوا معبود حق کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا موجود حق کوئی نہیں ہے کوئی نہیں تیرے سوا معبود حق کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
اب رہے ہیں تمام آخر و دریاں کے لیے الہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

دلوں جہاں میں کچھ بھی ہے سب تیرے زیر نگیں جن اہل خود ملائک شکر و سحر و جادو میں
کوئی مکاں میں لائی تجھ تیرے سوا اے نور میں کوئی نہیں ہے کوئی نہیں ہے کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
اب رہے ہیں تمام آخر و دریاں کے لیے الہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

سب بندے ہیں کوئی نبی ہو یا ہودلی یا شہنشاہ اے دو عالم بھی ستر ہی قدرت کے حضور اکبر گاہ
یکوئی میں قائل ہوں کہ ہزاروں سے بھی اتنی کے میں گواہ غاروں افکار کو اکاب کوہ و دریا بہر و منہ
اب رہے ہیں تمام آخر و دریاں کے لیے الہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

تیرا گدا بن کر میں کسی کا دست نگر اے شاہ نہ ہوں بندہ مال و زر نہ ہوں میں طالبِ عز و جاہ نہ ہوں
راہ پر تیری پڑ کے میں قیامت میں کبھی بے راہ نہ ہوں چین لوں میں جو تک راز و حدیث آگاہ نہ ہوں

ن ، جان بٹوئی جاتی ہے شیریں کیسے منے کا ذکر ہے واہ

اُب رہے بس نامِ آخر و دریاں لے میرے الہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

یاد میں تیری سب کو بھلاؤں کوئی نہ کچھ کو یاد ہے
تجھ پر سب گھریاں دلوں غائب دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگاؤں غم سے تے دلشاد ہے
سب کو غم سے اپنی گراؤں تجھ سے فقط خراب رہے

اُب رہے بس نامِ آخر و دریاں لے میرے الہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

سب سے میں ہو جاؤں مستفی فضل ہو پیش نظر تیرا
اُب رہوں میں لے میرے داناں اُس اک مست مگر تیرا
توڑ کے پاؤں پڑ جاؤں چھوڑوں نہ کبھی اُب در تیرا
عشق سما جائے رگ رگ میں دل میں میرے گھر تیرا

اُب رہے بس نامِ آخر و دریاں لے میرے الہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

نفس و شیطان دونے نے کھڑائے کیا ہے مجھ کو تباہ -
اُسے ملامت میری مڑ کر چاہتا ہوں میں تیرے ہی پناہ
بھوسا خلق میں کوئی نہیں گویا کہ نامہ سیاہ
تو بھی مگر غدار ہے یا رکت بخش نے میرے سامنے گناہ

اُب رہے بس نامِ آخر و دریاں لے میرے الہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

مجھ کو سہاوا ذکر بندے ذکر ترالے میرے خدا
نکلے میرے ہر بندے سے ذکر ترالے میرے خدا
اُسے تو کبھی چھوڑے بھی چھوٹے ذکر ترالے میرے خدا
علی سے نکلے اس کے بدلے ذکر ترالے میرے خدا

اُب رہے بس نامِ آخر و دریاں لے میرے الہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

جسک قلب سے پہلو میں جسک تن میں جان ہے
اُسے تیرا نام ہے اور دل میں تیرا ایمان ہے
جذب میں پڑاں کشش میں اور عقل مری حیران ہے
لیکن تجھ سے غافل حرم گز دل مرا اک آن رہے

اُب رہے بس نامِ آخر و دریاں لے میرے الہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

آیات درین ذکر معجز و اثبات

اے میرے ملامیری نظریں تو ہی تو ہو تو ہی تو
سب ہوں باہر لکھ کے اندر تو ہی تو ہو تو ہی تو
قلب پتاں میں یہ تو میں تو ہی تو ہو تو ہی تو
میرے لئے تو مجھ و بریں تو ہی تو ہو تو ہی تو
کچھ سمجھائی ہے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ

إِلَّا اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ

نوجے مجھ کو دلوں جہاں میں تو ہی تو بس تو ہی تو
نوجے مجھ کو کون مکاں میں ہی تو بس تو ہی تو
نوجے مجھ کو قالب جاں میں تو ہی تو بس تو ہی تو
نوجے مجھ کو سوز و زیاں میں تو ہی تو بس تو ہی تو
کچھ سمجھائی ہے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ

إِلَّا اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ

جہاں بھی جو مجھ کو ہے پیارا تو ہی تو ہاں ہی تو
جس کے لئے سب کچھ ہے گوارا تو ہی تو ہاں ہی تو
دونوں جہاں میں میرا سہارا تو ہی تو ہاں ہی تو
میری نافرمانیوں ہاں تو ہی تو ہاں تو ہی تو
کچھ سمجھائی ہے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ

إِلَّا اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ

جود و کرم کی شان گدا کو کھل کر اب اے شاہ دکھا
قریب خاص عطا فرما ایوان کی لپٹے راہ دکھا
جلوہ آب تو کھلے بند ہی لہلہ بسمیرا دکھا
پردہ اٹھا دے نور اپنا ہر وقت دکھا ہر گاہ دکھا
کچھ سمجھائی ہے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ

إِلَّا اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ

اے لطف و ذہن صاف تری قدرت مجھ کو
علم کثرت بھی ہو جائے آئینہ وحدت مجھ کو
بارج جہاں میں تو محسوس ابجے مثل کجست مجھ کو
مشق تصور اتنی برحمت میں بھی غلوت مجھ کو
کچھ سمجھائی ہے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ

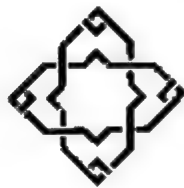
إِلَّا اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ

ایسا جا میری نظر جلوہ ترا دیکھوں سر سو
غیبت دم بھر کو بھی نہ جو ہر وقت ہوں میں درو
کیسے لئے بازار جہاں سر لہر اک میدان ہو
تو ہی تو ہو تو ہی تو، تو ہی تو ہو تو ہی تو
کچھ نہ سمجانی ہے مجھے ہرگز لاکھ ہوں نظر پیش نگاہ
إِلَّا اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ، إِلَّا اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ

ذو ذہ قطرہ قطرہ رطب یا بس بحر و بر
تو رو نار و داغ و پستی کھنڈ و ایماں خیر و شر
ایک نے اِن فکر یہ سب کے سب دیتے ہیں تیری غیر
تیسے آگے بیچ ہے جسے تو ہی ہے سب بزر
کچھ نہ سمجانی ہے مجھے ہرگز لاکھ ہوں نظر پیش نگاہ
إِلَّا اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ، إِلَّا اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ

میری نظر میں سب کے مان میں کوئی گدا ہوا ہوا شاہ
ہوں ذرا مرعوب کسی سے کوئی ہو کتنا ہی ذمی جاہ
راز و حدیث تو کرے دل کو مے یا رب آگاہ
میسے لئے ہو جائیں برابر باغ و صحرا کوہ و کاہ
کچھ نہ سمجانی ہے مجھے ہرگز لاکھ ہوں نظر پیش نگاہ
إِلَّا اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ، إِلَّا اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ

بندہ مقبول اپنا بنا اور کرنے کبھی مرود نہ مجھے
بخش خدا یا حسن ختام و عاقبت محمود مجھے
جلوہ ترا کس طوف سے ہر لحظہ آب مشہود مجھے
تیسے سوا عالم میں نظر آئے نہ کوئی موجود مجھے
کچھ نہ سمجانی ہے مجھے ہرگز لاکھ ہوں نظر پیش نگاہ
إِلَّا اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ، إِلَّا اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ



گھڑی گناہوں میں عمر ساری اکمیر مولائے میر باری کیا حشر ہو گا کہ شہتے طاری اکمیر مولائے میر باری
کس کو چکے تیرا بھکاری لے میر مولائے میر باری ہو جائے ناچی مجھ سا بھی ناری اکمیر مولائے میر باری

ہر دم کروں میں لے میرے باری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

جب سانس لوں ہو جائے جاری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

ذکر تیری مخلوق ساری لے میر مولائے میر باری آجائے اُسے میری باری لے میر مولائے میر باری
کسب رہے گی غفلت طاری لے میر مولائے میر باری دل نہ لگے ہاں اک چوٹ طاری لے میر مولائے میر باری

ہر دم کروں میں لے میر باری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

جب سانس لوں ہو جائے جاری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

اُتے دل بدحوال میرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ یہ حال میرا یہ قال میرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ
یال کیسے سال میرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ بس کچھ ہاں بال میرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ

ہر دم کروں میں لے میرے باری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

جب سانس لوں ہو جائے جاری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

ہر جاوے مل شکل میرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ کا کہنے پر یہ مال میرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ
مے نفع کچھ یہ حال میرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ کیا ہو حشر میں مال میرا اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ

ہر دم کروں میں لے میر باری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

جب سانس لوں ہو جائے جاری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

دنیا میں دل جہم سے یارب میرا کر دے بیزا کر دے کٹی بھڑ میں ڈھس بھڑی چوہاں پا کر دے ہاں پار کر دے
بے طرح ہو جو خواب غفلت بیدار کر دے بیدار کر دے بیکارہوں میں بیکار ہو میں باکار کر دے باکار کر دے

ہر دم کروں میں لے میرے باری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

جب سانس لوں ہو جائے جاری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

دنیا کی الفت دل سے مناکر دیندار کر دے دیندار کر دے ہر کار دنیا مجھے چھوڑ کر بیکار کر دے بیکار کر دے
ہم محنت اپنا پلا کر سرشار کر دے سرشار کر دے بھڑو بھڑ اپنا بھگ کو بنا کر شہیار کر دے شہیار کر دے

ہر دم کروں میں لے میر باری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

جب سانس لوں ہو جائے جاری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

اللہ سے دل میں نے لگا یا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مقصود میرا آضر بر آیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ
یا وفدا میں سب کچھ بھلایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ دل سے نکالا اپنا پر آیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

حرم کون میں میرے باری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ
 جب اللہ لوں میں میرے جاری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ
 یائیں مشد کے زیر سایہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
 رہی ہی تھیں جس نے لگایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
 حرم کون میں میرے باری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ
 جب اللہ لوں میں میرے جاری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

آیات شوقیہ

بناؤں اپنے نفس پر کشش کے آتے یارب غلام تیرا
 کیا کروں گھٹا بس اس الہی ذکر ہی صبح و شام تیرا
 میں چھو کر کار و بار سارے کروں گناہ پرقت کام تیرا
 جلاؤں گدل میں یاد تیری رٹوں گن ات نام تیرا
 حرم کون گلے میرے باری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ
 مثل نفس ابے کھوں گا جاری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ
 میں اے خدام بھروں گا تیرا بدن میں جبکہ حال ہی
 کوئی ہے گاندہ ذکر لب تری ہی بس اسان رہی
 پڑھوں گناہ پرقت تیرا کہو میں میں جبکہ زبان ہے گی
 نہ شوقہ دواں ہے گاندہ غیبت دشمنان ہے گی
 ہر دم کروں گے میرے باری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ
 مثل نفس ابے کھوں گا جاری اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

دو سال چار ماہ کی طویل رخصت لے کر حاضر خانقاہ ہوا ہوں۔ نمکتہ
 اس بحر میں محض بطور مثال چند بندہ کچھ کا قصد تھا لیکن حرر روایت اور قافیہ میں دو دہند ہو کر بجائے
 چند کے چند در چند یعنی بارہ ہو گئے۔ خیر اس میں یہ نمکتہ نکل آیا کہ دوازہ تسبیح میں دراصل تیرہ
 تسبیح ہوتی ہیں۔ یہ تیرہ کا عدد تو تیرہویں صدی کو یاد دلانے کا اور چیل کے چالیس بند
 اور یہ نمونہ کے بارہ بند کل ریل کر باون بند بن گئے۔ دونوں عددوں کا مجموعہ مل کر ۲۵۱۲ کو ظاہر
 کرنے کا جو اس قصیدین دوازہ تسبیح کا سہ تصنیف ہے۔ اللہ تعالیٰ مقبول و نافع
 فرمائے (آمین) ۱۲- منہ ۷

رہا میں رات غفلتوں میں عبث یونہی زندگی گزاری
 کیا نہ کچھ کام آخرت کا کٹی گنا ہوں میں عشرِ ساری
 بہت دنوں میں نے سرکشی کی مگر ہے اب سخت شرِ ساری
 میں سر کھجاتا ہوں میرے مولا میں توبہ کرتا ہوں میرے باری
 ہَشْدِ دَمِ کَرُوں گالے میرے باری اللہ اللہ اللہ
 مِثْلِ نَفْسِ ابْ رِکھتوں گا جاری اللہ اللہ اللہ

میں دینوں گا، میں دینوں گا، نہ لوں گا زینبِ اُردیٰ
 دکھا کے نقش و نگار اپنے بُھائے مجھ کو ہَشْدِ اُردیٰ
 اسے میں خوب آزا چکا ہوں بہت ہے بے اعتبارِ دُنیا
 لگاؤں گا اَش سے دل نہ برگزید چار دن کی ہے یادِ دُنیا
 ہَشْدِ دَمِ کَرُوں گالے میرے باری اللہ اللہ اللہ
 مِثْلِ نَفْسِ ابْ رِکھتوں گا جاری اللہ اللہ اللہ

بتان دہر تو سینکڑوں ہیں مگر کوئی باؤم نہیں ہے
 وُود اور لائقِ محبت فقط ہے تو دُشمن نہیں ہے
 کوئی ترے ذکر کے برابر منزے کی شے لے خدائیں ہے
 منزے کی پیریزیں ہیں گو ہزاروں کسی میں ایسا منزہ نہیں ہے
 ہَشْدِ دَمِ کَرُوں گالے میرے باری اللہ اللہ اللہ
 مِثْلِ نَفْسِ ابْ رِکھتوں گا جاری اللہ اللہ اللہ

ابیاتِ مناجاتیہ

مُحال ہے کچھ بھی کر سکوں میں جو تو نہ تو نسیق لے خدا لے
تری مشیت ہے سب پر غالب بیچ ہیں میرے رُسب ارادے

بہت دنوں رہ چکا نکماباں اب مجھے کام کا بسا لے
میں کب سے ہوں جو خواب غفلت بس اب جگا لے بس اب جگا لے

ہشدرم کروں میں لے میرے باری اللہ اللہ اللہ
جَب رُس توں میں ہو جائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

رہ طلب میں سوار سب میں پیادہ بشت غمبار میں ہوں !
ترے گلستان میں سب گل ہیں بس ک اگر ہوں تو خار میں ہوں

مجھے بھی کچھ فکر آخرت ہو بہت ہی غفلت شمار ہوں میں
رہا میں بیکار زندگی بھر بس اب تو مشغول کار میں ہوں

ہشدرم کروں میں لے میرے باری اللہ اللہ اللہ
جَب رُس توں میں ہو جائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

تجھے تو معلوم ہے ابھی بہت ہی گندہ ہے خان میثرا
گناہ میں آلودہ ہو رہا ہے رُواں رُواں بال بال میثرا

یہ آخری دن ہے زندگی کے درست کر دے آل میرا
تری محنت میں اب جیوں میں اسی میں ہوا اتفاق میرا

ہشدرم کروں میں لے میرے باری اللہ اللہ اللہ
جَب رُس توں میں ہو جائے جاری اللہ اللہ اللہ اللہ

کرم سے تیرے بعید کیا ہے جو فضل مجھ پر بھی میرے رب ہو
تری مدد ہو مری ہو کوشش تری کشش ہو مری طلب ہو

بدی میں گزری ہے عمر ساری نصیب تو فیق نیک اسب ہو
رہوں میں مشغول ذکر و طاعت بس اسب یہی شغل روز و شب ہو

ہم دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ

جب سانس ٹوں میں ہو جائے جاری اللہ اللہ اللہ

عنایت خاص کو الہی میں تیرے قربان عام کر دے

اس اپنے ادنی غلام کو بھی نصیب اسب قربت نام کر دے

میں ہائے کب تک ہوں ادھورا بس اسب تو پر میرا جام کر دے

فنا کا وہ درجہ اسب عطا ہو جو کام میرا تمام کر دے

ہم دم کروں میں اے میرے باری اللہ اللہ اللہ

جب سانس ٹوں میں ہو جائے جاری اللہ اللہ اللہ

ابیات در تضحین ذکر یک ضربی اسیم ذات

اے میرے آئے میرے مالک اے میرے مولا اے میرے والی

شہنشاہِ دو عالم تو بے سبب سے تری شکر کا رہے غالی

شان تری ہر آن نئی ہے، گاؤ جی شالی، گاؤ جی شالی

وہ بھی عجب خوش بخت ہے جس نے قلب میں تیری یاد بسالی

عہ ہر لمحہ کو رشک لے میرا نام، الگ الگ اور غیر پھر کر چڑھا جائے تاکہ ذکر اسیم ذات کے
محوئے اللہ اللہ کے ذہن پر آجائیں۔ ۲

شغلِ میرا بس اب تو الہی شام و سحر ہو اللہ اللہ

لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے اٹھ پھر ہو اللہ اللہ

کسب میں دنیا کے ہی رہا میں دین کی دولت کچھ نہ کمائی

وقت یوں ہی بیکار گزارا عسر و یسر غفلت میں گنوائی

خلق میں میں ہی سب بُرا ہوں کوئی نہیں ہے مجھ میں بدائی

مجھ سا کوئی بدکار نہ ہو گا کون سی میں نے کی نہ بُرائی

شغلِ میرا بس اب تو الہی شام و سحر ہو اللہ اللہ

لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے اٹھ پھر ہو اللہ اللہ

ذکر کی اب توفیق ہو یا رب کام کا یہ اکام ہو تیرا

قلب میں ہر دم یاد ہو تیری لب پہ ہمیشہ نام ہو تیرا

تجھ سے بہت رہتا ہے گریزاں لبِ دل وحشی رام ہو تیرا

مجھ کو اب استغلا عطا کر پختہ بس اب خام ہو تیرا

شغلِ میرا بس اب تو الہی شام و سحر ہو اللہ اللہ

لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے اٹھ پھر ہو اللہ اللہ

ذکر تیرا کر کے الہی میں دُور کردوں دل کی سیاہی!

چھوڑ کے حُبِ ثانی و جاہی اب تو کروں بس فقر میں شاہی

شام و سحر ہے شغلِ منا ہی میرے گنہ میں لا تنہا ہی

کس سے کہوں میں اپنی تباہی تو ہی مری کر لپشتِ پناہی

شغلِ میرا بس اب تو الہی شام و سحر ہو اللہ اللہ

لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے اٹھ پھر ہو اللہ اللہ

نفس کے شر سے مجھ کو پہچانے میرے اللہ! اے میرے اللہ
 بنو غم سے مجھ کو چھڑانے اے میرے اللہ! اے میرے اللہ
 سُن مرے نامے سُن مرے نامے اے میرے اللہ! اے میرے اللہ
 اپنا بنانے اپنا بنانے اے میرے اللہ! اے میرے اللہ
 شغلِ میثاقِ اَبس اب تو الہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
 لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے اُٹھ پھر ہو اللہ اللہ
 اپنی رضا میں مجھ کو مٹانے اے میرے اللہ! اے میرے اللہ
 کر دے فاسق میرے ارادے اے میرے اللہ! اے میرے اللہ
 جامِ محبت اپنا پلانے اے میرے اللہ! اے میرے اللہ
 دل میں مرے یاد اپنی رچانے اے میرے اللہ! اے میرے اللہ
 شغلِ میثاقِ اَبس اب تو الہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
 لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے اُٹھ پھر ہو اللہ اللہ
 دیدہ دل میں تجھ کو لبالوں سے بٹانوں اپنی نظر میں
 تیرا ہی جلوہ پیش نظر ہو جاؤں کہیں میں دیکھوں بدھرم میں
 تیرا تصور ایسا جمائوں قلب میں مثلِ نقشِ حشر میں!
 بھول سکوں تا عمر نہ تجھ کو چاہوں بھٹکانا خود بھی اگر میں
 شغلِ میثاقِ اَبس اب تو الہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
 لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے اُٹھ پھر ہو اللہ اللہ

ذات ہے تیری سب سے بڑی شان ہے تیری فہم سے عالی
اسکو تری وحدت سے، مشاہد جس کا ہے دل اغیثائے سے عالی

تیرے شواہد بجز و بر، گردون وز میں ایام و لسیالی
ذره، ذره، قطرہ، قطرہ، پستہ، پستہ، ڈالی، ڈالی

شغل میثرائے اب تو الہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے اٹھ پہر ہو اللہ اللہ

گنہ تری ہے فہم سے عالی وصف ہے تیرا عقل سے بالا
تیرے ہیں لاکھوں ماننے والے کوئی نہیں ہے جاننے والا

تیری محبت روح کی لذت تیرا تصور دل کا اُجڑا لا
نطق نے میثکے چوم لئے کب نام تیرا جب منہ سے نکالا

شغل میثرائے اب تو الہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے اٹھ پہر ہو اللہ اللہ

اپنا مجھے مجذوب بنا لے تیرا ہی سودا ہو میرے سر میں
تیری محبت ہو رگ و پے میں جان میں تن میں دلیں بگر میں

شاردہوں میں بچ و خوشی میں سودا بازی میں نفع و ضرر میں
فرق نہ دیکھوں شاہ و گدا میں در و صدف میں نسل و گہر میں

شغل میثرائے اب تو الہی شام و سحر ہو اللہ اللہ
لیٹے، بیٹھے، چلتے، پھرتے اٹھ پہر ہو اللہ اللہ

رَبَّنَا قَتِّلْ مَنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَ أَخْرِدْ عَوْنًا إِنَّ الْحَمْدَ
لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ط

انتخاب از فریادِ مجذوب دریا و محبوب

اے خدا اے میرے ستارے اے یوں
 مجھ پہ روشن ہے میرا حال زبوں
 سچ ہے مجھ سا کوئی ناکارہ نہیں
 سخت بدکردار و بداطوار ہوں
 سرسبز عیشاں سراپا عیش ہوں
 مجھ سا کوئی نفس کا بندہ نہیں
 میں بدی میں آپ ہوں اپنی مثال
 رات دن ہوں فتنہ غفلت میں چور
 ہوں تیرا بندہ مگر لبش نام کا!
 زیر ہوتا ہی نہیں نفسِ شریر
 تھک چکا اصلاح سے میں ناتواں
 میری ہر کوشش ہوئی ناکامیاب
 حال بہتر ہے دلِ برباد کا
 غلبے کے دے نفس اور شیطان پر
 سُن مرے مولا میٹھی فدا کو
 اب تو ہو جائے کرم مجھ پر شتاب
 سخت طیفانی پہ ہے بحثِ ذنوب
 بے ترے دل کینا ہے بس اک خول ہے
 میرے مولا میرے غفار الذنوب
 پارِ سائیں لاکھ ظاہر میں بنوں
 جز بہ افسارِ خطا چسارہ نہیں
 سخت الا لاقِ ناہنجوار ہوں
 بدترین خلق میں لاریب ہوں
 مجھ سا کوئی قلب کا گندہ نہیں
 بدعس، بد نفس، بد خو، بد خصاں
 شغش ہے ہو دلِ بے نق و جور
 بندہ ہوں میں نفسِ نافر بام کا
 دست گیری کر میری اے دستگیر
 کا دے کیا ہٹ سکے کوہِ گراں
 اے بچکی ہے میری اب پمتِ حجاب
 ہاں مدد کرو وقت ہے امداد کا
 آہنی ہے اب تو لبسِ ایمان پر
 آ مرے مالک میری امداد کو
 اس سے بھی اب حالِ نیا ہوگا خراب
 اے خبر کشتی بری بجائے نہ ڈوب
 جلد آ، یہ ناؤ ڈالو ڈول ہے۔

یاس نے بس اب تو ہمت توڑ دی
 لاکھ ٹوٹی ناو ہے منہ خدا میں
 غرق بحیرہ حیات ہوں سدا
 تابہ کے بھٹکا پھروں میں اے خدا
 تو جو چاہے پاک ہو مجھ سا پلید
 قلب سے دھو دے مرے گہرندگی
 روک لالہ یعنی سے اب میری نہاں
 چھوڑ دوں میں اب سخن آریاں
 اب نہ نا جنسوں سے میں یاری کروں
 دل میں تیری یاد لب پہ نام ہو
 مجھ گدا کو بھی بکشی شاہ دین
 بہرینش شیر مرد تھا نوی نہ
 تجھ پہ روشن ہیں مرے سارے عیوب
 گو ترے آگے ذلیل و خوار ہوں
 عبد ہوں میں کنش عبدیت مجھے
 ہوں تو میں مجذوب لیکن نام کا !
 یاد میں رکھ اپنی مستغرق مجھے
 دل میرا ہو جسے اک میدان ہو

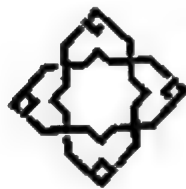
اب تو یہ کشتی تجھی یہ چھوڑ دی
 نا خدا تو ہے تو بیڑا پار ہے
 رحم کر مجھ پر اللہ رحم کر !
 اب تو دکھا دے مجھے راہ خدا
 فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید
 ہو عطا پاکیزہ اب تو زندگی !
 ذکر میں تیسرے رہوں رطب اللسان
 اب کروں دل کی چمن آریاں
 تیرے پاس آنے کی تیاری کروں
 عمر بھر اب تو یہی بس کام ہو
 بخشش یا رب دولت صدق یقین
 کر مرے ایمان کو یا ربست قوی
 جانتا ہے تو میری حالت کو خوب
 حشر میں رسوا نہ اے ستار ہوں
 وجہ صد عزت ہے یہ ذلت مجھے
 کر مجھے مجذوب یا رب کام کا
 ہونہ ہو شش ما سوا مطلق مجھے
 تو ہی تو ہو ، تو ہی تو ہو ، تو ہی تو !

اور ہرے تن میں سجے آب و گل درِ دل ہو درِ دل ہو درِ دل
 غیرے بالکل ہی اٹھ جسے نظر تو ہی تو آنے نظر دیکھوں جس دھر
 کچھ نہ سوچے تیشری ہستی کے ہوا تیرے اوج اور اپنی پستی کے ہوا
 تجھ سے دم بھر بھی مجھے غفلت نہ ہو تیرے ذکر و فکر سے فرحت نہ ہو
 آخری عرض گدا ہے شام سے تادمِ آخر نہ بھگوں راہ سے
 بہر حق سیدِ خیر البشر خاتمہ کر دے برا ایمان پر
 جس گھڑی نکلے بدن سے میری جاں کلمہ توحید ہو وردِ زباں !

سینکڑوں کو تو کرے گا جنتی

ایک یہ نا اہل بھی اُن میں سہی

اٰمِيْنَ مُشْرَ اٰمِيْنَ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ
 وَشَفِيعِ الْمَذْنِبِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَاتَّبَعَهُ اٰمِيْنَ
 اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ



قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر واذکروا لعلکم تالکون الموت

مکاتیب مجنزوب و جمیل

منتظم
الامام محمد ولی و محترمی جناب ابوسعید عزیر الحسین مجنزون و جمیل

عالم باعمل حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب

منظفہ السالے

مکتوباتِ اول از بسیل

دین کی ملکیت میں رشکِ ملوک
 اسلام علیکم اے سلام
 ایک عرصہ ہوا عنایت کو
 ملنے والے سکون پاتے تھے
 نہ مجلس نہ برسرِ راستہ
 جگہ پہلی سی کوئی بات نہیں
 اور بس ایک سرِ زور ہوتی
 تو طبیعت بھی اپنی حباتی سنبھل
 اور اسبابِ سرِ سرِ معدوم
 اس طرف آرد سدا کی مثل
 کیا کہوں کس قدر ہے حالِ خراب
 آپ کی بے رخی کو کس سے کہوں
 نظر آتا ہے خطہء استقبال
 حل کئے کون مہدی مشکل کو
 ہوں سب اسباب اور کالمِ معدوم
 اپنا مقوم پاتے رہتے ہیں
 اس نے آتے ہی جامے پایا
 خالی آتا ہو خالی حباتا ہو
 اور طراک وہاں قریب رہا
 ایک میں ہوں کہ رہ گیا معدوم
 مجھ کو تھا نہ بھون ہے جانا شاق
 اور میں ہوں کہ تشنہ برباب

خواجہ صاحبِ ترس اہل سلوک
 پیش ہے یہ حدیثِ اسلام
 بدتیں ہو گئیں زیارت کو
 آپ جب گاہ گاہ آتے تھے
 نہیں معلوم اب ہوا کیسا ہے
 اب وہ پہلا سا التفات نہیں
 دل کے کچھ دل گشتگو ہوتی
 کچھ جو جاتی بھڑاس دل کی رکھ
 الامانے نا امید یوں کا هجوم
 اس طرف زندگی حجاب کی مثل
 دل میں رہتے ہی کیسا ہیچ و تاب
 قلب کی بے کلی کو کس سے کہوں
 سامنے آتے ہیں جو مہنی و محال
 فکر رہتی ہے رات دن دل کو
 ہاتے ایسا بھی ہے کوئی محسوس
 لوگ آتے اور آتے رہتے ہیں
 جو تہی دستِ میکہ آ یا
 مجھ سا شاید ہی کوئی آتا ہو
 میں تو کم بخت بے نصیب رہا
 اور سب محرم و محسوس
 ہوں میں محسوس اور پھر مشتاق
 لوگ آتے ہیں ہوتے ہیں سیراب

پاؤ ہر طرح سے قرا بست کو
 تو نے گاہیں ہاں پر اس کا کال
 نہیں پایا ہوں اپنے جیسا اور
 کوئی مشرک ہو کوئی کافر ہو
 ہے نکتہ اگر تو یہ احسب
 ننگ عالم ہوا ہے میدانِ وجود
 مجھ کو ایمان تک کا کھٹکا ہے
 اور نہ کچھ دین میں لائقِ اجر
 پھر بھی خوشیوں کہ میں بھی تو کچھ ہوں
 ایک الجھن ہے بیچ و تاب سانسے
 کہوں کس سے جو پیش ہے مشکل
 اس کی خالی قدر پر ملا
 میں کے سب حال راہِ ستارے
 تا یہ کنجِ حسد ہے گاہِ حال
 اور محسوس ہوں پر غم
 کامیابی پر شاد اور مغرور
 رنج سے جان سی بھلتی ہے
 ہند سے یا کہیں چلا جاؤں
 نہ ملے پھر کسی کو میری خبر
 درد اک بے کلی سی ہوتی ہے
 ایسے جینے سے ہے نہ جینا خوب
 ہلتے یوں زندگی کو کھوتا ہوں

یوں اگر دیکھو میری نسبت کو
 اور جو پوچھو مناسب کا حال
 سوچتا ہوں جو دل میں کو کے غور
 کوئی فاسق ہو کوئی فاجر ہو
 کچھ نہ کچھ اس میں بھی تو ہے جو ہر
 نہ ملا دست نہ ہے رکوع و سجود
 راہ سے قلب ایسا بھٹکا ہے
 نہ تو دنیا کا جسز و کار آمد
 میری بستی ہے بستی سے خروں
 دل میں ہر وقت اضطراب سانسے
 کہوں کس سے یہ ماجرا ہے دل
 ایک لے دے کے تھا شیرِ ملا
 کاش کچھ اس کو جسم آجائے
 ورنہ پھر میں ہوں اور رنج و ملال
 دل پر فتنی ہے طرح جس دم
 دیکھ پاؤں کسی کو چھب میرے
 بس چھری سی چمک رہی چلتی ہے
 جی میں آتا ہے خود کشی کر لوں
 پھر کسی غبار میں رہوں جب کہ
 زندگی زندہ دل کی ہوتی ہے
 جب انور کی سی زندگی میوہ
 خون کے آنسوؤں سے روتا ہوں

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
 عمر یوں ٹھٹھام ہوتی ہے

جواب از مجذوب

اسلام علیکم اے محترم
فرصت فکر شعر ہے محترم

پہنچاپڑ سوز نامہ منظوم
مختصر سی یہ عرض ہے مرقوم

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

آرزو بے عمل ہے لا حاصل
طلب اس کو سمجھنا ہے باطل

اس تمنا کا میں نہیں قائل
کیا میں سمجھاؤں تم ہو خود عاقل

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

اس کو شکوہ کسی سے ہے بیکار
اسکی اصلاح سنتے تھے دلوں

اپنے ہاتھوں میں لے کھار ہی مار
نفس پر جو ذرا دھاسے لے بار

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

تم کو داشت جو کچھ بھی نہیں
عاشقی کا یہ طور کچھ بھی نہیں

تم نے غم غم بجائی کچھ بھی نہیں
شاعر کا ہے بس اد کچھ بھی نہیں

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

کیا قدر اس کی کوئی پیر کے
مشورہ دے کے کیا شیر کے

جو ہر اک بات پر کبیر کے
پیسوی جب متشیر کے

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

غائبشما مشیر حاضر ہے گولاق سے قاصر ہے
نفس لیکن تمہارا شاہ ہے خطا کا کھنایا بھی بار خاطر ہے

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

فیض پر مفاصل ہے سب کے عام ہوش و شکر دل سے کرتی غلام
جو ہے محروم خود کو دے انعام کردہ بیشک آٹھ اٹھ لب عام

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

در میخشاں او ہے سب کے لئے باپ رحمت کھلا ہے سب کے لئے
خوان نعمت بچا ہے سب کے لئے شرط لیکن فاسد ہے سب کے لئے

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

خود کشی کے لئے تو ہوتا ہے نفس کا مارنا ہے کیوں شواہ
پیر کے اطباع میں بھی ہے عار تعن بریں خود سہری داستانکار

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

تم کرو مہر پیش بھائی ہزار لاکھ لکھ کے بھجوتے اشعار
چاہے جتنے ہو مجھ سے تم ہزار میں کہوں گا مگر یہی ہر بار

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

پیش رہبر ذلیل ہو جاؤ مبتدی دلیل ہو جاؤ
پھر توجہ مچ جائے ہو جاؤ یعنی حق کے خلیل ہو جاؤ

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

مکتوب دوم از جمیل

بعد از سلام مستنون یہ حال ہمارا
اللہ کے کرم کا بس اتنے ہے ہمارا
یورش سے حسرتوں کی ہے قلب پناہ
اور ضبط و صبر کی ہے طاقت کوئی چاہ

دل میری درد ستم صاحبِ دلانِ خدا را
درد اکہ رازِ پنہاں خواہ شد آشکارا

ناصح ہو کیا نصیحت جیتنے لے کلی ہو
دنیائے دل میں ہر دم بچل ہو کلی ہو
کیا لطف زندگی کا جب اس بیانی ہو
بس تخمِ زندگی ہو یا روحِ مخملی ہو

دل میری درد ستم صاحبِ دلانِ خدا را
درد اکہ رازِ پنہاں خواہ شد آشکارا

اے کامیاب متبہ خود غرضیاں نہیں ٹھیک
خود میرے تھے بے پروائیاں نہیں ٹھیک
یہ طرزِ سرگودہ عرفانیاں نہیں ٹھیک
محرمِ فضل کی دل آزاریاں نہیں ٹھیک

دل میری درد ستم صاحبِ دلانِ خدا را

ایثار کیا یہی ہے پنی گئے ایکلے
اور نہ سے یہ نکلا اک جام تو بھی لے لے
خود تو منائیں فرخندہ سے روزِ میلے
اور دردِ مرثیہ کو کہیں جس پر پڑے ہچیلے

دل میری درد ستم صاحبِ دلانِ خدا را
درد اکہ رازِ پنہاں خواہ شد آشکارا

اے چاہہ کر نصیحت بازمِ مگو کہ منعم
دلِ دارم و جگر ہم نازک ز رنجِ پیہم
گر نگہاری من غمِ ابی رہا غمِ از غنم
چوں دعوئے محبت گراں چیں بستم

دل میری درد ستم صاحبِ دلانِ خدا را
درد اکہ رازِ پنہاں خواہ شد آشکارا

تاکہ جفا تے لومت روزِ گر چیں کج
تسکینِ قلیہ را وقتے بدلِ قریں کن
اے کردی سا باساں ہم گاہ گاہ کن
اے خواجہ یارِ روزے دلدارِ فائز کن

دل میری درد ستم صاحبِ دلانِ خدا را
درد اکہ رازِ پنہاں خواہ شد آشکارا

جواب از مجذوب

استدراک علیکم اے مجھائی
کی عبثت پھر یہ خامیہ فرسائی
کام آگئے گی اور نہ کام آئی
شاعری و عبارت آرائی
کار کن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار
نہ کہ سخن کلام سے ہوگی
منکر اور آہستہ سے ہوگی
ذکر کے التزام سے ہوگی
کار کن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار
ایوں بنیوں کو تم سناتے ہو
راہ پر کیوں نہیں آتے ہو
شیخ سے حال دل چھپاتے ہو
کار کن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار
نفس کو اپنے پائمال کرد
ذوقوں کا نہ کچھ تمہیال کرد
شیخ سے کسل کر عرض حال کرد
کار کن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار
بیچ تو یہ ہے طلب جو کاف ہو
رازداروں میں تم بھی داخل ہو
طقت جو نہیں وہ مائل ہو
کار کن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

رات دن اس کی چمکنا رہی ہے چشمہ فیض جس سے جاری ہے
تم پر خاص فتنیل باری ہے نہ پیو کو تہی بہت باری ہے

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

الغش الطش ہے بر لب آب اور زباں پر ہے رشک و اجباب
جبک بیٹھے دھوبنے نواب کیسے ہو جاوے بے پتے میراب

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

نہ تو تھ اپنا خود بڑھاتے ہو نہ بلائے سے پاس آتے ہو
کھانے والوں پر خار کھاتے ہو دُور بیٹھے نظر لگاتے ہو

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

گزار اگر جو مانگتا ہے جام اس کو دیتا ہے ساقی کُھام
ناز و نخرے کئے جوئے آشام رکھا جاتا ہے اُس کو شہ کام

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

ذکر منزل ہی بس ہے شام و بگاہ یکجہی بیٹھے بیٹھے کھینچ لی آہ
یہ تمہاری طلب بھی خوش ہے داہ بے چلے بھی بھرتی چلے کوئی راہ

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

چھوڑ کر یہ فضول متیل و قال چھوڑ کر یہ فضول بحث و جدال
چھوڑ کر یہ فضول دہم و خیال کرد اعمال ہاں کرو اعمال

کارکن کار بگذر از گفتار

اندریں راہ کار باید کار

نہیں اچھا یہ وقت کا کھونا سر نہ کر پڑے نہ پھر رہنا
نیمہ غفلت کی اس طرح سونا کانٹے رستے میں اپنے ہے بونا
کار کن کار بگڈرا از گفتار

اندیں راہ کار باید کار
پہنچ گردن ہے گرم جولانی ہے یہاں فرصت عمل آنی
وقت قافی ہے زندگانی قافی دیر کرنا ہے سخت نادانی
کار کن کار بگڈرا از گفتار

اندیں راہ کار باید کار
ابر رحمت ہے فیض پیر مہناس رہے تہمید ذات پیر مہناس
چاہیے تم کو بھائی قدر زماں پھر یہ موقع کہاں وقت کہاں
کار کن کار بگڈرا از گفتار

اندیں راہ کار باید کار
ظہل ساقی ہے فیض بار اہی پاتے ہیں جام بادہ خوار اہی
دور کر سکتے ہو خسار اہی کہ زمانہ ہے سازگار اہی
کار کن کار بگڈرا از گفتار

اندیں راہ کار باید کار
فیض پیر مہناس ہے مہنوز ہے بدستور دور حبم مہنوز
تم جو ہو پھر بھی تشنہ کام مہنوز یہ تمہاری طلب ہے عام مہنوز
کار کن کار بگڈرا از گفتار

اندیں راہ کار باید کار
رات دن تو ہے گردش دواں کیا ہے گی یہ فضل گل یکساں
تا بیک آئے گانہ دور خسراں پھول چن لو کہ پھر ہمار کہاں
کار کن کار بگڈرا از گفتار

اندیں راہ کار باید کار

غمر و نہی گزار دی ساری کی نہ کچھ آخرت کی تیاری
خوابِ غفلت بلا کہ ہے طاری اٹھو اٹھو ہے وقت بیداری

کار کن کار بگذر از گشتار

اندریں راہ کار باید کار

ذکر اور فکر میں رہو پوران رات دن بس یہی دھن یہی کام
طاقت ذکر حق میں نکالے جان سچے مومن کی بس یہی ہے شان

کار کن کار بگذر از گشتار

اندریں راہ کار باید کار

ہر نفس گھٹ رہی ہے عمر وں چاہیے قدر وقت و قدرِ زمان
چشمِ فانی ہے جب نکل گئی جاں پھرتے دارِ عمل سے گاہِ سال

کار کن کار بگذر از گشتار

اندریں راہ کار باید کار

جس کو سمجھ ہو تم دلِ آزاری در حقیقت وہی ہے دلِ داری
ہو نصیحت سے جس کو بیزاری وہ طلب ہے سرِ بے غاری

کار کن کار بگذر از گشتار

اندریں راہ کار باید کار

خوب جب تم کو بے گل ہوگی خوب جب دل میں کھلی ہوگی
خوب جب شمع سے جلی ہوگی جب کہیں روحِ مبتلی ہوگی

کار کن کار بگذر از گشتار

اندریں راہ کار باید کار

قلب جب اور پارہ پارہ ہو خوب جب نفس یہ تمہارا ہو
راز کھلنا بھی جب گوارا ہو توڑ جب دل میں آشکارا ہو

کار کن کار بگذر از گشتار

اندریں راہ کار باید کار

مار و اثر ہیں نفس اور شیطاں دفع کرنا ہے ان کا کیا آساں
صرف باتوں سے پاؤں گئے نہ میاں دولت ہائی کا گنج نہ ہاں
کارکن کار بگذرا ز گفتار

اندریں راہ کار باید کار
کام دے گی نہ محفل آرائی چھوڑو سب دوستوں کو لے بھائی
یاد و لبس ہو اور تنہائی گرم و زاری و حبیب سائی
کارکن کار بگذرا ز گفتار

اندریں راہ کار باید کار
رکھو دنیا میں دین سے بس کام دور نہ سمجھو بس اپنا کام تمام
یہ ہے دارالمسل نہ جائے کلام چپکے چپکے چر بھائے جاؤ جام
کارکن کار بگذرا ز گفتار

اندریں راہ کار باید کار
جوئے سمجھاتے تم کو کتنے برس پھر مٹی لیکن جوئے نہ ٹس سے ٹس
بے غل یہ طلب ہو کس سے ہوس برد سولاں بلاغ باشد و بس
کارکن کار بگذرا ز گفتار

اندریں راہ کار باید کار
اب تو اصلاح اپنی کر ڈالو نفس کو اپنے اب تو سمجھاؤ
صاف کہتا ہوں اب میں اچھا لو نہیں سننے تو اپنا راستہ لو
کارکن کار بگذرا ز گفتار

اندریں راہ کار باید کار



اسلامی سہرا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مرزئی مولانا قاری مولوی حافظ قاضی سید شمس الحسن تھانوی صاحب مدظلہ
 باؤنٹر نیکی اختر مگر می شفیعی عالجانب مولانا مولوی شبیر علی تھانوی صاحب
 نوزائشہ مرقہ

بمقام تھانہ بھون محمد روزہ ۲ شبان ۱۳۵۲ھ و یکم نومبر ۱۹۳۵ء بمقام

اشعار متعلقہ حسن معنوی

تجھے ہرگز نہیں درکار اے شمس الحسن بہرا
تجھے ہے خود تیرا فضل و ہنر اور علم و فن بہرا
یہ وہ سہرا نہیں جو بعد شادی کے اتر جائے
بے گاہ پسند تا عمر مثل جان و تن بہرا
وہ ہے تو مخزن حسن و جمال ظاہر و باطن
کس ہے اے نور کے پتلے ترا ہر محو تن بہرا
اوجہ ہے جائز تقویٰ ترا بلو کس شایانہ
اوجہ ہے تیرا پاس مستحبات و سن بہرا
یہ اک انوار عرفاں گاہے سہرا تیری پیشانی
دلوں پر دیکھنے والوں کس ہے یہ ضو فگن بہرا
فضیلت کا عمارہ تجھ سے کرتا ہے یہ سرگوشی
کہیں ہوں آج سر میں میں تیرے طبع میں بہرا
لکھم اللہ جب پڑھتا ہے سب سے بھول بھرتے ہیں
خوش الحالی کہتے سر سے اے شیریں بہرا
جھکتا ہے تیرے خط سے نور ایسا فی
تجھے گویا ہے خود تیری یہ شیریں ضو فگن بہرا
تجھے اے پاک باطن ظاہری ہے کی کیا صفت
تجھے ہے تیری خود تیری روش تیرا جن بہرا
تیری پنچھی لگا ہیں کیا ہیں یہ ہے کی لڑاں میں
مجھے تو زیب دیتا ہے یہی اکجاں میں بہرا
یہ زیر لب تبسم کی کوئی گلریزاں دیکھے
لب خاموش بھی تیرا ہے اے غنچہ دہن بہرا
دکھاتی ہے غضب کا بانگین یہ سادگی تیری
بھلا کوئی دکھا سکتا تھا ایسا بانگین بہرا

برست سکتا ہے رسم کفر کو نکر مولوی ہو کر
 مراد شاہ کیوں بانٹے ترانے برجن بہرا
 یہ کیا بہرا ہے بہرا وہ سرا یا دیں ہے آپ اپنا
 کہاں سر و سمن بہرا کہاں دار و دسمن بہرا
 رسوم شرک و بدعت کیوں بود و بمانیری شادی
 نہیں دُنیا پر کستوں کا ستیرا پرستن بہرا
 غلو و شرع کوئی بات اس شادی میں کھین مٹی
 تیرا ہے مولوی سہرا دہن کا مولون بہرا
 تیرا جامہ شاہانہ تیری مورت بھی شاہانہ
 تیرا سہرا بھی مروانہ کہ ہے یہ بُست کن بہرا
 تیرا ہے سید عالی نسب دھن بہرا ہے
 مگر ہے سب بڑھ کر انساب پیغمبر بہرا
 مبارک ہو تجھے لوشاہ سہرا علم و تقوے کا
 سر مجھ کو دے دیوانہ کو ہے دیوانہ پن بہرا

اشعار متعلقہ حسن ظاہری

تجھے ہرگز نہیں درکاراے رشک جن بہرا
 کہ تو وہ گل بدن ہے جس کا ہے سارا بدن بہرا
 نیسے رونے و رخسار کی شعاعیں تازہ ہیں
 تجھے تیرا رخ روشن ہے خود ہے سیم تن بہرا
 یہ اُن تیری جوانی یہ رُخِ رنگیں کی شادابی
 غضب کا ہے یہ تیرے پاس شکستہ جن بہرا
 یہ رخسارِ گلابی ہائے کیا جون برست ہے
 دکھا سکتا تھا چھوٹوں کا بھلا اسی چھین بہرا
 سمایا جاتا ہے دل میں کُٹھا جاتا ہے نظروں میں
 یہ لطف آتا کہاں رخ پر جو ہوتا جانِ من بہرا

بہت اچھا کیا سہرا نہ باندھا تو نے لے نوشہ
 تیرے اس چاند سے کھڑے کو ہو جاتا گن سہرا
 کوئی سہرا نہیں پھر بھی ڈھکا بیٹھتا ہے ہر دکن
 کہ جس حسن قیہ تیری ہے ہر ہر کرن سہرا
 کوئی دیکھے تو تیرے ہامہ شاہی گل بوئے
 سرا یا تو بنا بیٹھتا ہے اے گل پیر دین سہرا
 ہر اک جانب سے ہے اک بارش تار نظر تجھ پر
 تیرے سر باندھتی ہے انجن کی انجن سہرا
 سبھی بیٹھے ہیں دونوں پھر غرور کیا ہے ہر دکن
 دہلیں کو خود ہے ڈولہا اور ڈولہا کو دہلیں سہرا
 ادھر رخ پر دہلیں کے ڈالے بیٹھے ہیں جیہ گھوٹ
 ادھر دو لہلہ کے سر پہ باندھا ہے پٹن سہرا
 کہا سب عورتوں نے دیکھ کر مو بافت تریں کو
 دہلیں کے سر پہ تاج اسکی لعل پر شکن سہرا
 ادھر گویا ہے سر پر دشت کے سرا گولے کا
 ادھر دریا کے پھاٹ اور موج ہیں گیا لگن سہرا
 خوشی بھیجی ہے کسی جی رہی ہیں شاہیاں تیری
 سبھی بانٹے ہوئے ہیں شست دریا بن سہرا
 ادھر گویا گھنٹاں کا ہے سہرا سنبل پچاں
 ادھر دیکھو تو غار سنان کا بھی ہے ناگ چن سہرا
 برات عاشقانِ شارب آہو اسکو کہتے ہیں
 کہ اپنے خوش نما سینگوں کو سمجھتا ہے ہرن سہرا
 خوشی ہے ہر کہ وہ کہ خوش ہووے گا توں
 ادھر تو بل و قمری ادھر زاغ و زغن سہرا
 چراغاں ہو رہا ہے عالم بالا میں تاروں کا
 لے لے ہے کیشاں کا طشت میں چرخ کھن سہرا

تری شادی میں بھی ہے مخلص فخر مندو اے گل
 کہ قصا ہے صبا گاتے ہیں مرغابن چین سہرا
 بجائے باغیاں تیرے تیار کرنا ہے
 مرا حسن نظر حسن تختہ حسن طعن سہرا
 مرا سہرا یہ کیا ہے گلزار معانی ہے
 بنا تو لائے کوئی ایسا گل چین چین سہرا
 تھے انداز کا سہرا کہا میں نے یہ سلامی
 خلاف شرع کیوں کہا بنا دزن سہرا
 بغیر مولوی منوی تھا لڑی میں نے
 بھلا اللہ کیا ہے درخور تھانہ بھون سہرا
 ابھی تک سب تھے نماز سہرے وقت غنائی تھے
 مگر آج ان پر بھی مجھ توڑے گئے خند زن سہرا
 کہوں کیا تجھے؟ نوشاہی تپنے سہرے کی
 خزانہ بخش دیں سن لیں جو یہ شاہ و کن سہرا
 یہ سہرا کیا کھا اک روح تازہ بھوک کی سب میں
 ہر اک پیر و جوان گاتا ہے ہو ہو کر ملن سہرا
 جو ہیں اندر دل آجائیں تیری زوم شادی میں
 منادے گا یہ سب ان کے غم درخ و من سہرا
 یہ پیدا کر رہا ہے جارج اضداد ہو کر
 محبت کے ول میں ٹھنڈک دل میں دشمن کے جل سہرا
 صدی بھی چودھویں اور چودھویں کا چاند ہے تو بھی
 اُدھر اس صدی کا ہے شہر تھانہ بھون سہرا
 صدی بتلا چکا اب شعر بھی ملے اگر گن لے

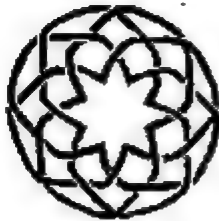
تو پھر تجھ کو بتائے یہ تیری شادی کا سن سہرا

عہدِ لہنی ۱۳۵۴ء نیز حسن اتفاق سے اشعار مستقلہ حسن منوی ۱۹ میں جو صدیوں کن کا سیکڑہا ہر گز تھے
 ہیں اور اشعار مستقلہ حسن ظاہری ۳۵ میں جو اس کن کی ذاتی ظاہر کرتے ہیں اس طرح مجموعہ ۱۹۳۵ء ہوا

محبت قلب میں دہا دہن دونوں کے پیدا ہو
 بجائیں قیس و لیلیٰ وقت گائیں نل دہن مہرا
 وہ یوم کامرانی ہے کہ ہوتا آج اگر تو بھی
 بجائے تہ تیغ تیرے سر پہ ہوتا کہ کن مہرا
 محبت اس قدر ہو جائے تجھے میرے دہا کر
 کہ لیلۂ باندھنے آئے تیرے سر آئے دہن مہرا
 رہیں دہا دہن خوش اور اے اُنکے گھر والے
 مبارک ہو یہ سب کچھ اے خدا نے دہا دہن مہرا
 کہا ہے اہ کیا مہرا تیرے مجھ کو تیرے کیا کہنے
 تیرے سر پہ ہے سخن گوئی کا اے شیر سخن مہرا



بَارِكْ! اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَبَارِكْ! اللَّهُ عَلَيْكَ وَجَمِيعِ بَيْنِكَ وَفِي خَيْرِ
 آمِينَ يَا رَأَبِ الْعَالَمِينَ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَلِّمْ أَجْمَعِينَ



مبارکبادی مہتر تاریخ شادی

نوٹ: ان اشعار میں مطلع میں جو تاریخ شادی کا اظہار مجھ سے ہے، کیونکہ تاریخ شادی بھی مہتر

لے لوشہ تجھے شادی مبارک ہو مبارک ہو

بہت لڑائی شادی مبارک ہو مبارک ہو

تم دور سے دو سر پہنچ گئے بہت لگن

بہت پہلے رہا بیزنک مہر کن بھونشہ

ازل سے جو تیری قسمت میں لکھی تھی خالق

جو اب بھی شرمی با بھی عشق بھی میں بھی

دلہن لائی ہے کتنا ساز و ماں شکر کر لوشہ

و جب ڈولے سے لڑی گھر کا گھر جگا اٹھا

وہ جو لڑی تو گھر میں سچے گردن بکتی نال

دلہن ایسی تھی، جس کی صورت اور سیر پر

بہت نوازش تھی وہ نور اور نور تھی

ہوا بھی جس حیا والی کی پانا غیر ممکن تھا

جو موچر دل میں تھا ہی نہ تھی تھیں گے انھیں

تصور میں تیرے آئی تھی وہ خالق نے

بنی وہ مونس ہم ہم غلطی سے کئے سبب

تیرے پہل آئی ہے لوشہ وہ بکرہ اسٹالنی

ہوا کیا عقلم آٹھ گھنٹہ قریب ایسی ساری

مرغن کھاکے کھانے کپڑے ہی چھوڑ کر

کوہ تھیں میں گی اسے تم تیری سائن مان

خداوندن کے ملا دے جو جانے گھر ترا

یہ قید غم سے آزادی مبارک ہو مبارک ہو

یہ دل اور گھر کی آبادی مبارک ہو مبارک ہو

بالآخر جو گئی شادی مبارک ہو مبارک ہو

چلی آگئی نہ اُستادی مبارک ہو مبارک ہو

امانت تیری جولوئی مبارک ہو مبارک ہو

تجھے ایسے کی دہلا دی مبارک ہو مبارک ہو

تیرے گھر آئی شہزادی مبارک ہو مبارک ہو

تیری تقدیر چمکادی مبارک ہو مبارک ہو

لگن جھٹ کی بڑا دی مبارک ہو مبارک ہو

پری کیا خوش رہا دی مبارک ہو مبارک ہو

رہی کیا جوڑی شادی مبارک ہو مبارک ہو

وہ جو تیرے گھر میں پہنچا دی مبارک ہو مبارک ہو

وہ صورت حق دکھلا دی مبارک ہو مبارک ہو

تیرے پہلو میں شجلا دی مبارک ہو مبارک ہو

طبیعت تیری بہلا دی مبارک ہو مبارک ہو

حوالی تیری کا دی مبارک ہو مبارک ہو

یہ باندی میں آزادی مبارک ہو مبارک ہو

مسب اس نصیب کی آبادی مبارک ہو مبارک ہو

میں گی نانی اور اُستادی مبارک ہو مبارک ہو

تجھے یہ خانہ آبادی مبارک ہو مبارک ہو

ہمیشہ بزمِ عنایت میں رہا ہوں جہاں تجھ کو
تجھے یہ محفلِ شادی مبارک ہو مبارک ہو
تیری تسکینِ مجذوبہ بھی مجھے یہ آج ملے
کہ محفلِ اسس گواہی مبارک ہو مبارک ہو

یا رب اللہ لاک اللہ علیدہ و جمع بینکما فی خیر

امین یا رب العلمین بحرمۃ سید

المرسلین علیہ والہ واصحابہ اجمعین

شکریہ مٹھائی

سہی بھری جو گھر میرے بھیجی ہر تریاں
اتنی خوشی ہوئی کہ کروں اس کا کیا بیاں
میری یہ حقیر ہے کی یہ قدر دانیوں
کہتا ہوں میں پھر تاجوں گھر گھر میں ملیں
مجھ کو ہر صلیب سونے کے گلن عطا ہوئے
اور ایک لڑ نہیں کئی درجن عطا ہوئے

شکریہ ناشتہ

دہن کے در پہ ہر ایک اس انداز سے گایا
کہ فردا مجھ کو پر تکلف ناشتہ آیا
میرے لے لے کے کھاتا ہوں دعائیں تاجا ہوں
خدا کا شکر ہے محنت کا ثمر میں نے بھر پایا

شکریہ مجھ بمعنی انگلیٹی ۱۲

ایکس قسم نے نگاروں میں کسی کی بھجوا دی
دیکھی آگ سینے کی سرفراں اور بھڑکا دی
کیا تھا کم بڑی شکل سے جو شاعر اڑھنے کا
میں ٹنڈا اڑ گیا تھا اچھڑا بیعت میری گواہی

شکر یہ تنبول ہمیں پان

یہ چاندی کا درق لپٹا ہوا مجھ کو چپاں آیا
تو گویا پس اس بٹھے کے بن ٹھنک جان آیا
دیادست حنائی سے جو تجھے تو میں سمجھا
کہ مجھ کو لٹری پان اور تیرا پان دن آیا

تعریف مولانا سید محمد الحسن نجفانی

مجھ اس انداز سے کہتا ہے تو غم اس ہیرا
کہ کاتے لگتے ہیں کمر اور ٹوٹتے تن ہیرا

تعریف پیالی چلتے

پیالی چاک اُٹاؤتے یہ کسی سر دیکھو
میں میں اور میرا اس پر میں کسی ناز میں دیکھو
بہت مجھ کو جس کی میں باز ہیں جمال میں
نہ رکھو لے جا آٹھوں ہی کو کہیں دیکھو

غنیہ مکتل

کیسے کیسے رنج اٹھائے تب کہیں تر تھے اٹھائے
ایسا کھانا چاہے میں جائے ہم اُسے کھائیں پھر کھائے

پیش میں دنی تن پہ ہو کپڑا پھر نہیں غم موڑ ہو کہ چھڑا

رج میں عین کہیں بھائی غم کی گھاس دل پر بھائی
انڈا کھانا مرغی کھائی وہ بھی نہ بھایا یہ بھی نہ بھائی

پیش میں دنی تن پہ ہو کپڑا پھر نہیں غم موڑ ہو کہ چھڑا

رُکمی سوکھی موٹی جھوٹی جیسی جوبے نکری کی دنی
جڑیں ہونیت ہو کھنی ہونے پھر شوربا بدنی

پیش میں دنی تن پہ ہو کپڑا پھر نہیں غم موڑ ہو کہ چھڑا

خوش رہی دنیا پر جس کو کھایا دین گھو اکو
پچھتائے گا پھر قبر میں جا کر خوف اگر خوف غلو

پیش میں دنی تن پہ ہو کپڑا پھر نہیں غم موڑ ہو کہ چھڑا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فغانِ بیوہ

بیادگار

غافلِ صحتِ انقلوبہ عزیز الرحمن صاحبِ مرقوم

دیوانِ ریاست، سیکر

نتیجہ فکر محزون

خواجہ عزیز الحسن صاحبِ مجددِ وقتِ ہند کے ہشت بیگز

میراثہِ قلم بادِ نورِ خواجہ صاحبِ مرقوم بہ تقریب عقد نکاح

عائدِ دفعہ سنی پسرِ مجددِ صبیحہ حبیبہ صاحبہ مرقوم

فغانِ بیوہ : یادِ شوہرِ بوقتِ تقریب عقد و ختم

جس کس کس نے وہی ہو مضر کی گناہی دل پر بھر

اس قدر کیوں آج خوش تو لے دلِ نشاد ہے
 لب پر کیوں نغمہ بجائے نالہ و فریاد ہے
 دائمی قیدی بھی غم کا آج کیوں آزاد ہے
 آج اسیرِ دام پر کیوں مہرباں صیاد ہے
 باز کیوں بیدار ہے چرخِ ستم ایجا د ہے
 آج مجھ بیوہ کا گھر اُڑا ہوا آباد ہے
 شادی و دختر رچی ہے جس کو دیکھو شاد ہے
 نت سنے ہی رنگ پر یہ گلشنِ ایجا د ہے
 قادرِ مطلق بھی - کس ہے - جامعِ اضداد ہے
 تھا جہاں ماتم وہیں شورِ مبارک باد ہے
 لاٹنی بیٹی مری پیارا مراد اما د ہے
 اُسکس بھی آنکھیں ہیں روش اُسکس بھی دلِ شاد ہے
 گلشنِ بے باغیاں میں مٹ رہے شاد ہے
 آج کے دن شادی بھی میلِ ناشاد ہے
 کچھ حناں کا غم نہ کچھ اندیشہ صیاد ہے
 کس کی یاد آئی کہ دم میں لطف سب برباد ہے
 پھر وہی نالے ہیں دل کے پھر وہی فریاد ہے
 یہ نہیں رٹنے کا دن - ناصح بجا ارشاد ہے
 پوچھتی ہوں ہمیشہ کی تو کس کو استعداد ہے
 شیشہ دل آپ کے نزدیک کیا فولاد ہے -
 برسرِ کس رات دن چرخِ ستم ایجا د ہے
 ہر طرح کا ظلم ہے ہر قسم کی بیداد ہے
 ہائے بے وارث ہے دیکھنا خاندانِ برباد ہے
 ہاں یہی وقتِ مدد ہے مرقعِ اسداد ہے
 اے مرے فریاد رس فریاد ہے فریاد ہے -
 گو مرے گھر شکر ہے آیا ہوا داماد ہے
 جمعِ اجاب اغترہ کا بھی بے تعداد ہے
 کچھ پوچھو پھر بھی کیوں یہ دل مرا ناشاد ہے
 ہائے اس گھر کا مجھے کچھ لازمہ یاد ہے
 لاکھ ہوا آباد ہے مالک کے کیا آباد ہے
 تو تو پہنچا غلہ میں جنت میں ہر دم شاد ہے
 کچھ خبر سے تیری دکھیا ری پر کیا افتاد ہے
 اس کے سر سب تیرا گھر کنبہ تری اولاد ہے
 بیڑیاں اپنی اُسے سوچنی ہیں خود آزاد ہے
 کیا یہی اے بے وفا میری وفا کی داد ہے

اور ہے حسرتِ فزایہ جشنِ کا عالم مجھے محفلِ شادی ہے گویا مجلسِ ماتم مجھے
کوئی بھی موقع ہو کر نا نا نہ پہنچ سکا مجھے کچھ ہو دھرانے وہی افسانہ لے غم مجھے
اب تو ایک یہ ہی سبق دنیا میں مجھ کو یاد ہے

کون اعتراف میں سے ہے آج جو مہاں نہیں سب ہیں لیکن وہ عزیز دل وہ جاں جان نہیں
کاروانِ قہر ہے مگر وہ یوسفِ کفان نہیں کیا کہوں شادی میں بھی کیوں مل مرادانی نہیں
فصلِ گل میں ملے خارِ دل کسی کی یاد ہے۔

غیر ممکن ہے خیالِ دوست چاسکتا نہیں نقشِ یہ وہ ہے جسے کوئی مٹا سکتا نہیں
وہ ہے دل میں جواب اس دنیا میں آسکتا نہیں وہ ہے آنکھوں میں جسے کوئی دکھا سکتا نہیں
اے تصور تو بھی رشکِ ثانی و بہزاد ہے۔

اے میرے سرتاج اے میرے عزیز بے بدل تیرا راحتِ سانی ہی میں میری تاجِ سل
بچیں اب لینے نہیں دیتا مجھے کیوں ایک پل تیری سبکی تو جہاں میں اے تھی ضربِ اشل۔
تیری یاد اے مہرباں کیوں اس قدر جلاد ہے۔

بلے ترے گھر ہو رہا ہے قبر سے بدتر مجھے آنے والوں پر ترا دھوکہ ہوا اکثر مجھے
پھاڑے کھاتے ہے موازنہ بچا کر یہ در مجھے میں نہیں رہتی یہاں بلوا لے اپنے گھر مجھے
کیسے جدا رکھنا ہی دستورِ عدم آبلو ہے

داغِ تیری موت نے کیا کیا نہ اے دلبر دینے پھولِ جنت کے دیئے تجھ کو مجھے انور دینے
تجھ کو حیریں مجھ کو گنتے کے لیے اختر دینے تیری خاطر دن مرے جینے کے دو بھر کر دیے
ایک پر ہے مہربانی ایک پر یہ بلا ہے

کوہِ آلو پر گیا میرے تو کیا وہ طور تھا دور رکھنا مجھ کو دیدنِ زرع سے منظور تھا
مرنے مرنے بھی کچھ پاس دلِ رنجور تھا سچ ہے لیکن دور رکھنا بھی کرم سے دور تھا
تیری مرگ کوہِ مجھ کو تیشہ فریاد ہے

شکل بھی کب دیکھنے پائی دم رخصت تری پھرتی بنے آنکھوں میں ہر دم چاند سی صورت تری
آفتِ جاں ہے ہزاروں رنگ کے وقت تری ہائے وہ سیرت تری خصلت تری عادت تری

تیری اک اک بات سو سو طرح مجھ کو یاد ہے
لے عزیز جانِ دل گھر گھر ترا مس آتم ہوا روتے روتے کون تھا ایسا نہ جو بس دم ہوا
سب کے بے حد غم ہوا بیوہ سے پھر بھی کم ہوا کارخانہ ہی سب کس کا در ہم در ہم ہوا۔
شاد و آداس قد ریا غانا بر یاد ہے۔

اک جہاں شیدا تھا اک دنیا تھی متوالی تری فرد تھی جو دو سخا میں ہمتِ عالی تری
خوشی میں سبھی تھکی ہی رہتی تھی ڈالی تری سب نے دامن بھر لئے مٹھی رہی خالی تری
قرض کا بھی غم نہ تھا جب تجھ کو دیکھا شاد ہے

جو کوئی نا کام پہنچا کام اُس کا کر دیا دامنِ مقصود اک دنیا کا تو نے بھر دیا
بے زوروں کو زور دیا اور بے گھروں کو گھر دیا دل تجھ لائے بہتر سے بھی بہتر دیا
تو نہیں زندہ مگر زندہ تری امداد ہے

دل ہی کیا شاہانہ صورت بھی تری شاہانہ تھی ہائے شمعِ حُسنِ تھاؤں میں تری پروانہ تھی
محو تھی ایسی کہ میں دنیا میں تھی بھی یا نہ تھی۔ غم کے کہتے میں مجھ کو یہ خبِ اصلاً نہ تھی
دل مسترت خانہ تھا یا اب اَلَمْ آباد ہے

عہ مرحوم ہمیشہ اپنی شاہِ خرچی اور مہمان نوازی کی بدولت باوجود ہزار ہا دیکھانے
کے مفروض رہے۔

عہ سینکڑوں بے روزگاروں کو ملازمتیں دلا دیں۔ اس کا خاص شوق تھا۔

فضل تھا مولیٰ کا تیرے پاس نعمت کیا تھی دین کی دولت بھی وافر تھی فقط دنیا نہ تھی
مرنے دم بھی واہ مری کیا ہمت مروانہ تھی لب پہ تھا نام خدا مرنے کی کچھ پروا نہ تھی
تیرے غم میں ہم تو کیا ہیں مجھ سے زیادہ ہے

کیا غضب ہے تو تو مر جاگے جیوں میں ملنے باگے تو رہے جنت میں دنیا میں ہوں میرے آگے ملے
مر گئی تھی تیرے مکتے ہی زکیوں میں ملنے ملے کس ہلاکی سخت جاں بید رہوں میں آگے ملے
یہ جب گرسے یا ہے پتھر۔ دل ہے یا فلول ہے

میرا لاکھ ملے میرا حشر کراں جاتا رہا وہ زمیں ہوں ملے جس کا آسمان جاتا رہا
کوئی کیا جاتا رہا بالٹھب جہاں جاتا رہا وہ جمن ہوں ملے جس کا باغباں جاتا رہا
جس جگہ گزرا تھا اب ملے گزروا دے

اپنوں بیگانوں میں تھی مشہور خوشامی مری مانگی جاتی تھی دعاؤں میں خوش اقبالی مری
اک ہجوم خادماں تھا شان تھی عالی مری اٹھ گیا وہ شمع رو۔ اب بزم ہے خالی مری
اب تو میں ہوں نکلہ ہے اور دل ناشاد ہے

دعنا سہنا میرا تیرے عہد میں شام نہ تھا اک دنیا کے لئے گھر میرا لنگر خانہ تھا
میں تو تھی بزم طرب کی شمع تو پروانہ تھا تیرے مکتے ہی وہ سارا جٹ اک افسانہ تھا
کیا خبر تھی ملے اسکی ریت پر بنیاد ہے

ملے میری زندگی بھی کیسی آزادانہ تھی فکر سے ہیں بے تعلق رہنے سے بے گارہ تھی

عہدِ دجاہت مشہور تھی جہاں جاتے تھے سب کی بے اختیار نظریں اٹھ جاتی تھیں۔
عہدِ نہایت اطمینان و صیت کی۔ بالخصوص یہ کہ میری لاش کو سیکر ہرگز نہ لچا نا
اور سب حاضرین سے کہا کہ سب صاحب گواہ رہیں کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان مقرر ہوں۔
پھر زور سے اور نہایت جوش کے ساتھ کلمہ شریف باوجود نہایت نقاہت کے بار بار پڑھتے تھے

تیری نگہانی میں کل کتب تھائیں تنہا نہ تھی
بوجھ سب کا تھا تجھی پر کچھ کو کچھ پردہ نہ تھی
اب تو میں پابند غم ہوں اور تو آزاد ہے

نامکھ بچوں کو بھی ہے شاق مر جانا ترا
جب گزرنا پاس ہو کر بیمار کر جانا ترا
کوئی جھولوں کو بھی گر ویا تو ڈر جانا ترا
جب سفر کرنا کہیں با چشم تر جانا ترا
کوئی اب پُرساں نہیں یکس تری اولاد ہے

اپنے بچوں سے محبت کوئی یوں کرتا نہ تھا
ان کی خند پر تو بجز ہاں ہاں کہوں کرتا نہ تھا
کب مرض میں لٹکے حالی اپنا زبوں کرتا نہ تھا
موت پر کب ان کی جاری اشک غول کرتا نہ تھا
یا تو غم سحر اس قدر یا اس قدر آزاد ہے

اپنی بیوی پر بھی کوئی اس قدر مرتا نہ تھا
ساتھ رہتا تھا مجھ کو رخصت میر گھر کرتا نہ تھا
پاس نہ ہونے سے مرا پھر بھی تو جی بھرتا نہ تھا
دور ایسی کو کیا کیا حق سے تو ڈرتا نہ تھا
مہربانی اس قدر یا اس قدر برباد ہے

کوہ پر ہے ہونڈ یارت قبر کی کونج مجھے
روز ہوا یا کراں لے شوق دیدے پر مجھے
اُس طرف لے چل بہا کو جی چشم تر مجھے
کیا خدا کی شان ہے آیا خیال اکثر مجھے
لمٹے شیریں کوہ پر خانہ نشین مراد ہے

غم مراد ہے جسے کوئی مٹا سکتا نہیں
روز افزوں ہے اسے کوئی گھٹا سکتا نہیں
جسم گد دل میں اسے کوئی ہٹا سکتا نہیں
ایسے روٹھے ہو کوئی جھگڑا ہٹا سکتا نہیں
ہم میں تم میں سیل کتنا تھا تمہیں کچھ یاد ہے

وہ تمہاری نرمیاں وہ میری نافرمانیاں
وہ تمہاری چشم پوشی وہ مری نادانیاں
وہ تمہاری درگزر وہ میری بے عنانیاں
سختیاں اپنے لیے میرے لیے آسانیاں
درد نہ شو ہر کوئی بے پردہ کوئی جلا دے

سوئپ کھا تھا جو تو نے اپنا سا اگر باہر مجھے
سب سمجھتے تھے غضب ہے تجھ سے ٹھکرا مجھے

خدا دہتی ہیں مگر کہتے تھے سب افسر مجھے جو کما یا دیدیا وہ سب کا سب لا کر مجھے
 تیرے احسانوں کی کیا گنتی ہے کیا تعداد ہے
 دولت و اقبال کی حاصل جسے معراج ہو بختِ عزت کا میسر جس کو تختِ تاج ہو
 ہائے اسکی یہ بھی حالت یہ بھی ثبوت آج ہو جو تھے خود معراج اسکے اُن کی وہ ممتاح ہو
 اے خدا فریاد ہے فریاد ہے فریاد ہے
 لے مرے آنا مرے مولا مرے ربِ قدیر تو ہے قادر میں ہوں عاجز تو فنی ہے میں غیر
 بادشاہ دو جہاں تو ہے میں ناچیز و حقیر پا ہے میں پرورشِ بچے کہ تو ہے دستگیر
 ورنہ اس بندی کی کیا ہستی ہے کیا بنیاد ہے
 سچے بس مطلب کے ساتھ اب جدا ہونے ہیں مہرباں اب بھی مگر باقی مرے دو چار ہیں
 سب بڑھ کر تو ہیں وہ سیکر کے جو سکر میں میری ٹوٹی ناؤ کے اب وہی کھیلوں ہار میں
 کیسی کیسی پرورش کیا کیا مری امداد ہے
 بھول سکتی ہیں نہیں احسان اُن کا عمر بھر گیت گائے گی یہ میری جان اُن کا عمر بھر
 کیوں ہو کھاؤں گی بھی میں اُن کا عمر بھر لے خدا جاری رہے فرمان اُن کا عمر بھر
 اب انھیں کے آسے یہ خاناں برباد ہے
 اور ہیں اک مہرباں جو شہرہ آفاق ہیں سر بسر الطاف ہیں تبارِ پاشا فاق ہیں
 میری ہر مشکل میں حامی وہ بصدِ اخلاق ہیں جمع اُن سے اس دلی صد چاک کے اوراق ہیں
 اُن کی ہمدردی بھی یارب سچی داد ہے
 غم سے گونا گونا کہ تم آزاد لے مجھ کو تب جان اگر پیاری ہو تم کو... دل اگر محبوب ہو
 تم کو دنیا میں اگر اب عافیت مطلوب ہو بس یہیں رہنے دو افسانہ مرا تو خوب ہو

عہ دربار سیکر نے یہ وہ کا دائمی وظیفہ مقرر کر رکھا ہے۔

ہائے مجھ دکھیا کے غم کی دکھ بھری روداد ہے
داستانِ غم کو کرتی ہوں بس اب میں مختصر
پڑ گئی خوشیوں میں کھنڈتِ روداد ہے کھر کھر
میرا دکھ اتنا ہر جگہ ختم ہو گا عمر بھر
پھر کہوں گی میں وہی جو کہہ چکی ہوں پیشتر
اس کی اک بات سو سو طرح مجھ کو یاد ہے

ہے یہاں دل امتحان کا وقت رہا ثابت قدم
صبرِ کرم کی مشیت پر نہ ہرگز مار دم
سہ خوشی سے جو بھی پیش آئے تجھ کو دالم
یہ نہیں بچ واکم اس کو سمجھ فضلِ کرم
شکر کر یہ غائب غم بھی نشترِ فساد ہے

عیشِ دنیا پتہ ہے ذیلے فانی ہے
ہیں وہ چیز جو ہو آئی جانی ہے
ذکرِ فانی بھی عیش ہے یہ کہانی ہے
جس کا ہوا انجام غم وہ شادمانی ہے
عیش میں ہے بس فہمی دنیا سے جواز ہے

اے خدا باقی ہے تو اپنی محبت دے مجھے
دیکھ لی فانی ہے دنیا اس کی نفرت ہے مجھے
تیرے در کی جھور ہوں اب ایسی قسمت مجھے
چھوڑ دوں دنیا کو بالکل ایسی ہمت ہے مجھے
دیکھ لی بس دیکھ لی یہ محبت بے بنیاد ہے

تمہ سے اے مجددِ وبِ نوحہ بے محل بے ربط تھا
صبر کی تلقین کا تم کو تو گویا ضبط تھا
رہتے تھے میں سے یوں جیسے ایسا ضبط تھا
بنے خود کیوں ہوئے تھو کو تو نازِ ضبط تھا
میں نہ کہتی تھی کہ میری دکھ بھری روداد ہے

